تذکرۃ النبلاء
فی
تراجم العلماء

عبد الرشید عراقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذکرۃ النبلاء
فی
تراجم العلماء

تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء

یعنی

خاندان ولی اللٰہی، خاندان حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی، خاندان عمر پور ضلع مظفر نگر، علمائے بنارس ﴿ خاندان مولانا سید جلال الدین احمد جعفری ہاشمی و خاندان مولانا محمد سعید محدث بنارسی ﴾ خاندان لکھوی، خاندان غزنویہ امرتسر، خاندان مولانا فیض اللہ بھوجیانی، علوی خاندان سوہدرہ ﴿ مولانا عبدالمجید سوہدروی ﴾ قصوری خاندان، روپڑی خاندان، یزدانی خاندان، کیلانی خاندان اور ان کے علاوہ ﴿ ۷۱ ﴾ نامور علمائے اہلحدیث کے حالات و واقعات اور ان کی تدریسی و تصنیفی خدمات تذکرہ ﴿ کل ۲۷۰ علمائے اہلحدیث کا تذکار جمیل ﴾

عبد الرشید عراقی

بیت الحکمت لاہور

۲۹۷،۶۱۰۹۲ عراقی، عبدالرشید

عراقی تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء

لاہور: بیت الحکمت
۲۰۰۴ء
۴۱۶ ص

۱۔ تاریخ، سوانح، تذکرہ

ISBN 969-8773-19-3

کتاب : تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء

مصنف : عبدالرشید عراقی

اہتمام : بیت الحکمت، لاہور

مطبع : انتخاب جدید پریس، لاہور

قیمت : ۲۲۰/- روپے

کتاب سرائے
ناشران، تاجران کتب، مشیران کتب خانہ جات

فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اردو بازار، لاہور فون 7320318
hikmat100@hotmail.com

کراچی میں ملنے کا پتہ
فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار، کراچی ۰۲۱:۲۲۱۲۹۹۱

انتساب

مولانا عبدالخالق قدوسی شہید کے نام

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

(عبدالرشید عراقی)

ترتیب

(۴) علمائے بنارس (۱)

(خاندان سید جلال الدین احمد جعفری ہاشمی)

(۵) علمائے بنارس (۲)

(خاندان مولانا محمد سعید محدث بنارسی)

(۶) لکھوی خاندان

(۷) غزنوی خاندان (امرتسر ولاہور)

(۸) خاندان مولانا فیض اللہ بھوجیانی

(۹) علوی خاندان سوہدرہ

(۱۰) قصوری خاندان

(۱۱) روپڑی خاندان

(۱۲) یزدانی خاندان

(۱۳) کیلانی خاندان

(۱۴) علمائے کرام

فصل اوّل

فصل دوم

فصل سوم

علمائے دیدہ مؤلف

عبدالغفار حسن	حافظ عبدالغفور جہلمی	بشیر انصاری	محمد ادریس کیلانی
شفیق الرحمٰن لکھوی	محمد عطاء اللہ حنیف	نور حسین گھرجاکھی	اکرام اللہ ماجد
محمد اسماعیل غزنوی	بدیع الدین شاہ راشدی	عبدالخالق رحمانی	محمد حنیف ندوی
عبدالمجید خادم	عبدالرحمٰن راسخ	محمد اسماعیل سلفی	محمد صادق خلیل
حافظ محمد نعمان	محی الدین لکھوی	محمد مدنی	حافظ صلاح الدین یوسف
حافظ عبداللہ روپڑی	عزیز الرحمٰن لکھوی	حافظ احمد شاکر	عبدالمالک مجاہد
حافظ حسن مدنی	سید ابوبکر غزنوی	احسان الٰہی ظہیر	محمد خالد گھرجاکھی
حافظ عبدالغفار مدنی	حافظ محمد یوسف	حافظ عبدالستار حامد	مولوی حاکم الدین
حبیب الرحمٰن یزدانی	محی الدین احمد قصوری	عبدالرحمٰن مدنی	حکیم محمود سلفی
عبدالرحمٰن کیلانی	حافظ محمد حسین روپڑی	معین الدین لکھوی	حافظ عبدالحمید عامر
محمد ابراہیم میر سیالکوٹی	حافظ اسماعیل روپڑی	محمد داؤد غزنوی	محب اللہ شاہ راشدی
ابوالبرکات احمد مدراسی	حافظ عبدالوہاب روپڑی	محمد یحیٰی بھوجیانی	ڈاکٹر فضل الٰہی
محمد علی جانباز	محمد سلیمان کیلانی	محمد ادریس فاروقی	محمد سلیمان اثری
محمد اسحاق بھٹی	عبدالسلام کیلانی	محمد علی قصوری	محمد اسحاق سلفی
محمد خالد سیف	حافظ محمد گوندلوی	حافظ عبدالرحمٰن مدنی	عبدالرحمٰن سلفی
عبدالجبار کھنڈیلوی	غلام احمد حریری	حافظ عبدالقادر روپڑی	
ہدایت اللہ سوہدروی	ارشاد الحق اثری	عزیز الرحمٰن یزدانی	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ اوّل

مذاہب عالم میں اسلام ہی وہ واحد دین ہے، جو عقائد و اعمال اور توارث و تعامل کے لحاظ سے محفوظ ہے۔ دین اسلام کے دونوں سرچشمے حد درجہ محفوظ اور موجود ہیں۔ ان میں کتاب اللہ (قرآنِ مجید) کی حفاظت کی ضمانت تو خود اس کے متن میں موجود ہے۔ جہاں تک سنت رسول اللہ ﷺ کا تعلق ہے، اس حوالے سے تاریخ علوم کا سب سے بے نظیر اور بے مثال علم وجود میں آیا۔ روایت و درایت، جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کے حوالے سے ذخیرۂ حدیث کو اس کی تمام تر تنقیحات کے ساتھ محفوظ کیا گیا۔ سیرت و سنت نبوی ﷺ کا کوئی پہلو آج ایسا نہیں ہے جو کامل استناد اور اعتماد کے ساتھ مرتب نہ کیا گیا ہو۔ محدثین کرام رحمہ اللہ علیہم اجمعین کی جماعت نے اس سلسلے میں جو جلیل القدر اور رفیع الشان خدمات انجام دی ہیں، ان کا تذکرہ یہاں مقصود نہیں مگر یہ پوری تفصیل کے ساتھ مرتب ہو چکا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے دین اسلام کو انہی دو خالص سرچشموں کے ساتھ امت کے سپرد کیا اور ان کی ہدایت کا ضامن ٹھہرایا۔ جہاں تک اسلام کے عملی اور اطلاقی پہلو کا تعلق ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت نے اس الدین الخالص پر سو فیصد عمل کر کے اس کی عملی حجت کو قائم کر دیا۔ جس کی امثال و نظائر عہد صحابہ میں پہلی صدی ہجری کے اختتام تک ایشیا، افریقہ اور یورپ کی بہت سی اقالیم و دول میں واضح دکھائی دیتی ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہ جماعت وہ اولیں گروہ علما ہے، جس کو آپ نے اسلامی تعلیمات کا یہ ذخیرہ سپرد کیا۔ جن سے تابعین، تبع تابعین اور محدثین کرام کی جماعت نے اس دین کو حاصل کیا۔ یوں نبوت اپنا علمی اور عملی ورثہ جس گروہ کے سپرد کرتی ہے، وہ حضرات علماء کی جماعت ہے۔

کتاب و سنت کے ذخیرۂ صافی میں سب سے اہم موضوع اقوام و ملل اور ان کے عقیدہ و

ثقافت سے متعلق ابحاث ہیں۔ یوں اس گنجینۂ علمی میں تاریخ وتذکرہ کے موضوعات پر بہت تفصیلات ملتی ہیں۔ تاریخ الانبیاء والرسل قرآن مجید کا ایک خاص عنوان ہے۔ جس میں خیر وشر کے سارے کردار باہمی آویزش میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں۔ ذخیرۂ حدیث میں راویان حدیث کے سلسلے میں اسماء الرجال نے تذکرہ نویسی کی ایسی معتبر روایت کو جنم دیا کہ جس کے پیش نظر آج ہزار ہا ہزار افراد کے سوانح حیات ان کی سیرت وکردار کے حوالے سے محفوظ ہیں۔ عربی زبان میں راویان حدیث کے بیسیوں معتبر تذکرے ترتیب دیے گئے۔ تاریخ عالم میں اس نوعیت کی وقیع اور ثقہ تذکرہ نویسی کی کوئی روایت دکھائی نہیں دیتی۔ یوں محدثین نے تذکرہ نویسی کا ایک ایسا تجربہ کیا کہ اب یہ ایک مستقل روایت میں ڈھل چکا ہے۔ خلفائے راشدین، صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، محدّثین، فقہا اور دوسرے دائرہ ہائے علمی وفنی سے تعلق رکھنے والے ہزاروں افراد کے سوانح اور تذکرے آج ہمارے پاس موجود ہیں جو مسلمانوں کی تاریخ نگاری اور تذکرہ نویسی کی مہارت پر شہادتِ عدل قائم کرتے ہیں۔

لغت عرب میں ''تاریخ'' کے معنی وقت سے آگاہ کرنے کے ہیں۔ واقعات زمانے اور زمین کی گردش کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔ ماہ وسال کی اسی گردش میں جو کردار ابھرتے ہیں، ان وقائع کو تاریخ کہا جاتا ہے اور ان کرداروں کے شخصی احوال کو تذکرہ نویسی کہتے ہیں۔ مسلمان دنیا میں فن تاریخ کے مؤسس اور بانی ہیں۔ اسلام سے قبل تاریخ نویسی کے جو نمونے ہمیں ملتے ہیں، ہم انہیں کامل شواہد قرار نہیں دے سکتے۔ مغرب کا ذوق تاریخ نویسی راویان تاریخ کے سلسلے اور کڑیوں کو واقعے کے ساتھ مربوط نہیں کرتا جب کہ اس کے برعکس مسلمانوں نے علم حدیث کی تدوین کے ذوق کے باعث واقعات کو براہِ راست راویوں کی شہادت سے مربوط کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ یوں تاریخ نویسی مسلمانوں کا ایک خصوصی فن یا وصف ہے، جس کے ابتدائی نمونے خود قرآن مجید اور اسماء الرجال کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ مسلمانوں میں تاریخ نویسی کے اولین نمونے غزوات وسرایا کے ساتھ متعلق ہیں اور اس فن میں ان کا کوئی حریف نہیں ہے۔ مسلمان تاریخ کے مفہوم میں ''عبر'' کو شامل رکھتے تھے، کیونکہ تاریخ اگر آئینہ عبرت نہیں تو پھر اس کی افادیت مشکوک ہے۔

مسلمان مؤرخین کے فنی سفر کا جائزہ لیں تو اس میں سیکڑوں وقیع تاریخ نویس دکھائی دیتے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے فن تاریخ کے اصول و مبادیات کو وضع کیا اور تاریخ عالم میں اپنے علمی کارناموں سے تاریخ اور اس کے وقائع کو ایک اعتبار اور سند عطا کی ہے۔ اگر ہم شروع سے مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ تاریخی سفر کا جائزہ لیں تو اس میں جو بڑے بڑے نام دکھائی دیتے ہیں ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

محمد بن اسحٰق (۸۵ھ۔۱۵۰ھ) جس کے مغازی اور سیرت کے لوازمے کو ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے مدوّن کر دیا ہے۔ عمر الواقدی (۱۳۰ھ۔۲۰۷ھ) یہ ایک ایسا مؤرخ ہے جو خود تو ثقاہت سے فروتر ہے مگر اس کے شاگردوں نے اس فن میں بہت نام کمایا ہے۔ ابن ہشام (۱۲۳ھ۔۲۱۳ھ) محمد بن سعد (۱۶۸ھ۔ ۲۳۰ھ) یعقوبی (م ۲۴۸ھ) البلاذری (۲۰۳ھ۔ ۲۷۹ھ)، ابن قتیبہ (۲۱۳ھ۔۲۷۲ھ) ، ابو حنیفہ دینوری (۲۰۰ھ۔ ۲۸۰ھ)، طبری (۲۲۵ھ۔ ۳۱۰ھ)، مسعودی (م ۳۴۶ھ) ابن مسکویہ (۳۳۰ھ۔ ۴۲۱ھ)، ابن حزم (۳۸۵ھ۔ ۴۵۶ھ)، خطیب بغدادی (۳۹۲ھ۔ ۴۶۳ھ)، ابن صاعد اندلسی (۴۲۰ھ۔۴۶۲ھ)، ابن عساکر (۴۹۹ھ۔۵۷۱ھ)، اس کی تاریخ دمشق حال ہی میں اسّی جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، ابن جوزی (۵۱۰ھ۔ ۵۳۹ھ)، ابن اثیر (۵۵۰ھ۔ ۶۳۰ھ)، یاقوت حموی (۵۷۵ھ۔ ۶۲۶ھ)، ابن خلکان (۶۰۸ھ۔ ۶۸۰ھ)، ابن طقطقی (۶۶۰ھ۔۷۰۲ھ)، ابو الفداء (۶۷۲ھ۔۷۳۲ھ)، علامہ ذہبی (۶۷۳ھ۔ ۷۴۸ھ)، ابن کثیر (۷۰۰ھ۔۷۷۴ھ)، لسان الدین خطیب (۷۱۳ھ۔ ۷۷۶ھ)، ابن خلدون (۷۳۲ھ۔ ۷۴۸ھ)، المقریزی (۷۶۶ھ۔ ۸۴۵ھ)، حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳ھ۔ ۸۰۲ھ)، سخاوی (۸۳۱ھ۔ ۹۰۲ھ)، جلال الدین سیوطی (۸۴۹ھ۔ ۹۱۱ھ)، المقری (۱۰۰۱ھ۔۱۰۴۱ھ) اور حاجی خلیفہ (۱۰۱۶ھ ــــ)

یہاں ہم نے محض ۳۱ نمائندہ مسلم مؤرخین کے صرف نام درج کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ اگر ان کے تاریخی کارناموں کا تجزیہ اور احاطہ کیا جائے تو پھر بہت سے دفتر تیار ہو سکتے ہیں۔ اگر صرف ابن خلدون کی ''العبر و دیوان المبتداء والخبر'' کی سات جلدوں کے ساتھ اس کے مقدمہ پر نگاہ ڈالی

جائے تو اہل علم کے اس اعتراف کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ تاریخ عالم نے اس سے بڑھ کر کوئی فلسفۂ تاریخ کا عالم پیدا نہیں کیا۔ ٹائن بی اور ول ڈیورانٹ اس کے سامنے طفل مکتب دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے مقدمہ نے فن تاریخ نویسی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ مقدمہ ابن خلدون کے فنی مقام کو جس مسلمان مؤرخ نے سب سے بڑھ کر سمجھا اور اسے مزید وسعت وثقاہت عطا کی وہ علامہ شمس الدین السخاوی ہے۔ آپ کثیر التصانیف عالم ہیں مگر آپ کی درج ذیل تین کتابیں فن تاریخ، تذکرہ اور سوانح میں اساسی اہمیت کی حامل ہیں:

۱۔ الاعلان بالتوبیخ .... یہ فن تاریخ میں ابھی تک بے مثل اور بے بدل کتاب ہے۔

۲۔ الضوء اللامع .... یہ نویں صدی ہجری کے علماء وفضلائے روزگار کا عمدہ تذکرہ ہے۔

۳۔ الجواہر والدرر .... اس میں سخاوی کے استاد ابن حجر عسقلانی کی سوانح قلم بند کی گئی ہے۔

مذکورہ سطور میں ہم نے عالم عرب کے مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کا ذکر کیا ہے۔ برصغیر میں بھی خورشید اسلام کی کرنیں خلافت راشدہ میں اپنی ضیا پاشیاں دکھاتی ہیں۔ عہد فاروقی میں بلوچستان کے علاقے مکران میں صحابہ کرامؓ کے نقوش قدم دکھائی دیتے ہیں۔ اسی دور فرخ فال میں بحرین اور عمان کے عامل (گورنر) عثمان بن ابو العاص ثقفیؓ نے صحابہ کے گروہ برصغیر کی جانب روانہ کیے، جن میں سے ایک کی قیادت ان کے بھائی حکم بن ابو العاص ثقفیؓ نے کی جو بمبئی کی بندرگاہ کے قریب تھانہ اور بھڑوچ نامی مقامات پر اقامت گزیں ہوا، جب کہ عامل مذکور کے دوسرے بھائی مغیرہ بن ابو العاص ثقفیؓ کی سیادت میں ایک دوسرا کاروان عزیمت سندھ کے قصبے دیبل کی طرف روانہ ہوا۔ برصغیر میں اسلام کے اوّلین نقوش دیکھنے کے متلاشی اور تمنائی حضرات کو چاہیے کہ وہ اس سلسلے میں قاضی اطہر مبارکپوری کی عربی تصنیف "العقد الثمین فی فتوح الھند ومن ورد فیھا من الصحابہ والتابعین" کا مطالعہ کریں۔ اسی طرح سید سلیمان ندویؒ کی تصنیف "عرب و ہند کے تعلقات" (مطبوعہ ۱۹۲۹ء) کا مطالعہ بھی سود مند رہے گا۔ مؤرخ اہلحدیث محترم محمد اسحٰق بھٹی کی "فقہائے ہند" کی جلد اوّل بھی اس سلسلے کی ایک مفید کتاب ہے۔ اگر مصنف مذکور کی باقی جلدوں کا بھی مطالعہ کیا جائے تو ان سیکڑوں محدثین، مفسرین اور فقہا اور علماء کا محققانہ تذکرہ ملتا ہے، جن کا تعلق

برصغیر یا شبہ قارہ سے ہے۔ برصغیر کے اس کاروان علمی میں بہت سے مؤرخین بھی شامل ہیں۔

برصغیر میں علماء کے تذکروں کی روایت بہت قدیم سے ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی کی ''منتخب التواریخ''، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا تذکرہ ''اخبارالاخیار'' اور آزاد بلگرامی کی ''مآثرالکرام'' اس میں خاصے کی چیزیں ہیں۔ تذکرہ نویسی کی ذیل میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی ''طرب الاماثل'' بھی ایک مفید کڑی ہے۔ لیکن اس فن شریف میں مستند اور معتبر لوازمہ علمی اور رجال ہند کے سوانح فخرالعجم والعرب نواب سید صدیق حسن خاں قنوجی (۱۸۳۲ھ۔۱۸۹۰ھ) سے یادگار ہیں۔ ان کی تصانیف
" اتحاف النبلاء المتقین با حیاء مآثر الفقها والمحدثین ، ابجد العلوم ، تقصار جهود الاحرار من تذکار جنود الابرار اور التاج المکلل من جواهر مآثر طراز الآخر والاول "کو معرکہ آرا قرار دیا جا سکتا ہے۔ عالم اسلام میں انیسویں صدی عیسوی میں کوئی شخصیت نواب صاحب کے علمی و تحقیقی کارناموں کے ہم پلہ دکھائی نہیں دیتی۔ مگر علمائے ہند کا سب سے مفصل اور وقیع تذکرہ جس میں گذشتہ چودہ صدیوں کے علمی کارناموں کا احاطہ کیا گیا ہے، وہ حکیم سید عبدالحی الحسنی کی تصنیف " نزهته الخواطر وبهجته المسامع والنواظر "ہے، جس میں ساڑھے چار ہزار علماؤ فضلائے روزگار کا تذکرہ محفوظ ہے۔ اس تذکرے میں برصغیر کے تقریباً تمام مسالک اور مکتبہ ہائے فکر کے متعلق علما کو شامل کیا گیا ہے۔" حدائق الحنفیه "نامی ایک تذکرہ مولوی فقیر محمد جہلمی نے مرتب کیا ہے، مگر اس میں صرف علمائے احناف کے احوال کا احاطہ کیا گیا ہے۔

یہاں مجھے حسان الہند مولانا میر غلام علی آزاد بلگرامی (۱۱۱۶ – ۱۲۰۰ھ) کا بطور خاص ذکر مطلوب ہے کہ یہ برصغیر کے وہ اوّلیں تذکرہ نگار ہیں، جنہوں نے علماء کے حالات و سوانح کو تاریخ سے جداگانہ ایک الگ فن کی شکل دی ہے۔ برصغیر میں اسماء الرجال کے ضوابط کے پیش نظر یہ ایک لائق تحسین کاوش ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا، جبکہ ۱۹۷۱ء میں اس کا نقشِ ثانی مولانا محمد عبدہٗ کے مفید حواشی، تعلیقات اور اضافوں کے ساتھ مکتبہ احیاء العلوم اشرفیہ، لاہور سے شائع ہوا۔ ہر چند اس میں بلگرام کے علماء اور صوفیاء کو جگہ دی گئی ہے مگر اس نے شخصیات کے سوانحی کوائف کے حوالے سے ایک بہترین معیار قائم کیا ہے۔ اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کا دیباچہ مولوی

عبدالحق نے تحریر کیا، جسے دوسرے ایڈیشن میں بھی اس کی علمی افادیت کے پیش نظر برقرار رکھا گیا ہے۔ ''مآثر الکرام'' کے علاوہ بلگرامی مرحوم نے ایک دوسرا تذکرہ ''سروآزاد'' کے نام سے بھی لکھا ہے، مگر یہ محض شعرائے کرام کے احوال سے متعلق ہے۔ پیش نظر رہے کہ آزاد بلگرامی نے یہ تذکرے فارسی زبان میں تحریر کیے ہیں۔

علمائے کرام، نبی آخرالزماں ﷺ کے حقیقی وارث ہیں۔ جس طرح حضور نبی کریم ﷺ کے سیرت نگاروں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے (تحدیث نعمت کے بطور عرض کرتا ہوں کہ اس وقت راقم کے شخصی کتب خانے بیت الحکمت میں چار ہزار سے متجاوز کتب دنیا کی اٹھارہ زبانوں میں صرف سیرت کے شعبے میں موجود ہیں۔ فللہ الحمد) اسی طرح آپ کے خدام اور متبعین علمائے کرام کے تذکار کو بھی بہت وسعت نصیب ہوئی ہے۔ فرقہ پرستی اور مسالک کا امتیاز کوئی لائق فخر بات نہیں مگر صحیحین کی اس روایت کے بموجب کہ ''میری امت میں سے ایک طائفہ ہمیشہ (ایسا) رہے گا جو حق پر قائم رہ کر مقابلہ کرتا رہے گا اور (وہ) قیامت تک غالب رہے گا۔'' اس حدیث اور روایت کے مصداق اہل الحدیث یا اہل سنت کے علماء کی ایک جماعت ہر دور میں ہر اسلامی خطے میں دعوتِ اسلام اور تبلیغ دین کے حقیقی تقاضوں کی آبیاری کے لیے تعلیم و تعلم، درس و تدریس، وعظ و تذکیر اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہی ہے۔ آفاق عالم کی وسعتوں میں موجودہ علمائے دین کے تذکرے ان مقامی زبانوں میں بکثرت لکھے گئے ہیں۔ اسی طرح برصغیر میں بھی علمائے اہلحدیث کے تذکرے لکھے گئے اور ہنوز معرض تحریر میں ہیں۔

یہ ایک تاریخی ستم ظریفی اور تحقیقی بددیانتی ہے کہ برصغیر میں اہلحدیث مکتب فکر کو ''نووارد'' کی پھبتی سے نوازا گیا ہے مگر حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ برصغیر میں اس مکتبِ فکر اور مسلک حقہ کی تاریخ اسی قدر قدیم ہے، جس قدر کہ خود صحابہؓ کا تذکار جلیل تاریخی اوّلیت اور سبقت کا حامل ہے۔ عہد صحابہ ۱۱۰ھ تک موجود رہا اور اس عہد مبارک میں تقلید کے جمود کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تابعین اور تبع تابعین کے عہد میں بھی تقلید سے نفور اور اتباع سنت کے جذبات غالب رہے۔ اہل تسنن میں جن چار فقہی دبستانوں کا تصور مخصوص سیاسی احوال کے پیش نظر اختیار کیا گیا۔ ان چاروں

ائمہ کے احوال پر نگاہ ڈالیے، ان میں سے حضرت امام ابوحنیفہ ؒ ۱۵۰ھ، حضرت امام مالک ؒ ۱۷۹ھ حضرت امام شافعی ؒ ۲۰۴ھ اور حضرت امام احمد بن حنبل ؒ ۲۴۱ھ میں دنیائے فانی سے رخصت ہوئے اور ان میں سے کسی ایک نے اتباع سنت کو چھوڑ کر تقلید شخصی اختیار کرنے کی دعوت نہیں دی۔ ذرا اس حقیقت پر بھی توجہ کیجئے کہ کیا دین و شریعت کو نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں مکمل نہیں کیا گیا اور پھر قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ کس پہلو کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ یہ ختم نبوت کے موضوع پر بھی سب سے قطعی اور حتمی استدلال ہے۔

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط ﴾ [۵. المائدہ : ۳]

''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔''

((تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ)) [مشکوٰۃ المصابیح]

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم ان دونوں کو پکڑے اور تھامے رکھو گے، گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری سنت رسول ہے۔''

اہل علم اور ارباب تحقیق تو بخوبی سمجھتے ہیں مگر عامۃ المسلمین جاننا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں یہ اہل الحدیث یا اہل سنت کی اصطلاح کیسے وجود میں آئی؟ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی صدی ہجری کے اخیر تک کسی فقہی مسلک کا ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی اس دوران مذاہب اربعہ کی پیدائش ہوئی۔ قرآنِ مجید کی واضح نصوص اور تعلیمات ہیں کہ جن میں دین میں اختلاف، فرقہ بندی یا دھڑے بندی سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے امت میں فرقوں کی تشکیل اور ساخت کے بارے میں واضح پیشن گوئی فرمائی ہے اور یہ بھی فرمادیا کہ اس صورت حال کے باوجود ایک طبقہ ہمیشہ سنت پر قائم رہے گا۔

تاریخ اسلام کے طالب علم اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ جب امت میں سبائی تحریک خلافت

عثمانی میں شروع ہوئی تو امت میں آہستہ آہستہ بہت سے گمراہ کن فرقے پیدا ہوتے چلے گئے۔ جن میں خوارج، قدریہ، جہمیہ، معتزلہ، مرجیہ، کرامیہ اور قرامطہ وغیرہ شامل ہیں۔ خلافت راشدہ کے آخری دور میں امور خلافت کے اختلاف کے باعث تسنن اور تشیع کے رجحانات بھی سامنے آئے۔ بعض لوگ اور طبقات الدین الخالص کی موجودگی میں اتباع سنت پر قناعت کرنے کی بجائے اپنے مقامی، علاقائی اور شخصی میلانات کو دین کا حصہ قرار دینے لگے، جنہیں ارباب سیر اور مؤرخین و محدثین نے اہل الرائے یا اہل بدعت کی اصطلاحوں سے تعبیر کیا ہے۔ اسی فضا میں حقیقی متبعین رسالت کو اہل الرائے اور اہل بدعات سے ممتاز کرنے کے لیے اہل حدیث، اصحاب الحدیث، اہل سنت، اہل اثر، محدثین، طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ کے الفاظ اور اصطلاحات سامنے آئیں۔ فرمان نبی کے مقابلے میں قول امام کو اختیار کرنے والے مقلدین کے فرقوں میں شمار کیے جانے لگے اور اتباع نبوی کے حاملین کو مذکورہ اصطلاحات کے نام سے موسوم کیا گیا۔ جس کے حوالے اور آثار بکثرت اس عہد کے محدثین اور مؤرخین کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

عرب و حجاز کے تجارتی تعلقات تو اہل ہند کے ساتھ زمانہ قبل از اسلام میں قائم ہو چکے تھے۔ مگر خلافت راشدہ میں سندھ اور ہند کے ساتھ جو اسلامی تعلقات اور روابط قائم ہوئے، ان کی داستان مؤرخین اور محدثین نے محفوظ کی ہے۔ اس سلسلے میں کم از کم پچیس صحابہ کرامؓ کے برصغیر میں تشریف لانے کا ذکر ملتا ہے، ان میں سے بعض کی قبور ابھی تک مختلف علاقوں میں محفوظ اور معروف ہیں۔ تاریخ و سیر کے مصنفین کی فراہم کردہ اطلاعات کے موافق خلافت فاروقی میں بارہ، عہدِ عثمانی میں پانچ، زمانۂ خلافت علیؓ میں تین، دور معاویہؓ میں چار اور حکومت یزید بن معاویہؓ میں ایک صحابی کے برصغیر میں آنے کا واضح تذکرہ ملتا ہے۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ خلافت فاروقی میں بحرین اور عمان کے گورنر عثمان بن ابوالعاص ثقفیؓ کے ذریعے بہت سے صحابہ کے قافلے اور وفود برصغیر کے مختلف علاقوں میں داخل ہوئے۔ پھر ۹۴ھ میں محمد بن قاسم باقاعدہ سندھ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا اور اس نے حدود پنجاب تک اسلامی سلطنت کو کامیابی کے ساتھ قائم کر لیا۔ اس زمانے تک جتنے صحابہ، تابعین یا تبع تابعین برصغیر میں داخل ہوئے، یہ سب قدسی صفات اصحاب الحدیث یا اہلحدیث تھے،

ان میں سے کوئی ایک بھی تقلید شخصی کا حامل یا عامل یا اہل الرائے میں سے نہیں تھا۔

مسلم سپہ سالار بھی عجیب لوگ تھے۔ محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا تو موسیٰ بن یعقوب ثقفی کو پنجاب میں قائم ہونے والے پہلے دار الحدیث کا شیخ الحدیث متعین کیا۔ امام حسن بصریؒ کے شاگرد اسرائیل بن موسیٰ بصری، جن کی روایت صحیح بخاری میں موجود ہے اور جنہیں نزیل الہند کہا جاتا ہے، برصغیر میں درس حدیث کے معروف استاد تھے۔ ربیع بن صبیح بصری مشہور تابعی ہیں، جن کا انتقال ۱۶۰ھ میں ہوا اور سندھ میں مدفون ہوئے۔ انہوں نے علم الحدیث میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ اسی طرح شیخ رضی الدین حسن صغانی لاہوری، شیخ علی متقی جونپوری، شیخ محمد طاہر گجراتی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ احمد سرہندی، شیخ نور الحق، سید مبارک محدث بلگرامی، شیخ نور الدین احمد آبادی، میر عبدالجلیل بلگرامی، حاجی محمد افضل سیالکوٹی اور مرزا مظہر جان جاناں شہید بھی علم حدیث اور اتباع سنت کے چراغ جلاتے دکھائی دیتے ہیں۔ یوں کاروانِ حدیث پہلی صدی ہجری میں برصغیر میں داخل ہوا اور پھر آئندہ صدیوں میں برصغیر کا ہر گوشہ حدیث اور سنت کے نور سے جگمگانے لگا۔

برصغیر میں مغلیہ سلطنت کے محاسن اور معائب دونوں بہت واضح ہیں۔ شیخ محمد اکرام نے "آبِ کوثر، موجِ کوثر اور رودِ کوثر" میں علماء و مشائخ کے مختلف سلاسل کی خدمات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر چند داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی ایک خاموش شمع بجھتے ہوئے منظر کی شہادت پیش کرتی ہے۔ مگر اس عہد میں حق تعالیٰ نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے علم حدیث، اتباع سنت اور تحریکِ آزادیٔ فکر کا ایسا کام لیا کہ پھر یہ کاروان حدیث کبھی مدارس میں مسند حدیث کی رونق کو برقرار رکھتا تو کبھی استخلاص وطن اور احیائے سنت کے لیے تحریک مجاہدین کا روپ پیش کرتا ہے۔

ان حضرات نے اگر اپنے قلم روشنائیوں کی نذر کر کے کتاب و سنت پر مبنی ذخائر علمی ترتیب دیئے تو کبھی مسند حدیث سے علم حدیث کے فروغ کے امکانات پیدا کیے۔ گاہے اس قافلے کے حامیانِ سنت نے اپنا خون دے کر گلشنِ اسلام کی بہاروں کا آب و رنگ قائم رکھا ہے۔ پیشِ نظر علمائے اہلحدیث کی سیرت و سوانح کا یہ مرقع جو " تذکرة النبلاء فی تراجم العلماء "کے نام سے محترم عبدالرشید عراقی صاحب نے مرتب کیا ہے، اس میں گذشتہ اڑھائی سو سال کے برصغیر

کے ۴۷ علمائے اہلحدیث کے تذکار جمیل کو محفوظ کیا گیا ہے۔

برصغیر میں علمائے اہلحدیث کی خدمات اس قدر تابناک، روشن اور درخشاں ہیں کہ اس سلسلے میں بیسیوں تذکرے مرتب کیے گئے ہیں۔ ہر چند اہلحدیث فکر اور مسلک سے وابستہ حضرات شخصیت پرستی کے فتنے سے بہت اجتناب برتتے ہیں اور اسی باعث برصغیر میں اس کے اکابرین اور اعاظم پر بہت کم لکھا گیا، مگر پھر بھی مصنفین اور مرتبین نے بہت کدو کاوش سے اس میدان میں غلو و مبالغہ سے بچتے ہوئے، حقائق و خدمات کے بہت سے خزینے جمع کر رہے ہیں۔ پیش نظر " تذكرة النبلاء فی تراجم العلماء " سے قبل ہمیں درج ذیل سوانحی کتب اور انفرادی تذکرے اس ضمن میں رہنمائی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

اس ضمن میں " تذکرہ صادقہ معروف بہ الدر المنثور فی تراجم علمائے صادق پور " ۱۹۲۴ء میں منصۂ شہود پر آئی۔ اس سلسلے کی سب سے اہم اور تحقیقی کاوش ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی کی کتاب " تراجم علمائے حدیث ہند " کی جلد اول ہے جو ۱۹۳۸ء جید برقی پریس دہلی سے شائع ہوئی، جس میں دو سو سے زائد علمائے اہلحدیث کا تذکرہ موجود ہے۔ ان میں اصحاب تدریس، مصنفین، مفسرین، محدثین، مجاہدین، واعظین اور اکابرین سبھی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس اہم کتاب پر سید سلیمان ندویؒ نے ایک مفید اور جامع مقدمہ تحریر کیا ہے جس میں برصغیر کے علمائے اہلحدیث کی خدمات کو بنظر تحسین دیکھا گیا ہے۔ اس مقدمے میں آپ اپنے مسلک کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

> "............ میں سنت کا پیرو اور توحید خالص کا معتقد ہوں، سنت کو دلیل راہ مانتا ہوں اور علما کے لیے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے کھلا جانتا ہوں اور حق کو ائمہ سلف میں کسی ایک میں منحصر نہیں سمجھتا۔ اب اس پر آپ مجھے جو چاہیں، سمجھ لیں۔"

ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی نے " ہندوستان میں اہلحدیث کی خدمات " پر الگ سے بھی ایک مبسوط کتاب تحریر کی ہے۔ افسوس اِن کی " تراجم علمائے حدیث ہند " کی دوسری جلد نصف صدی سے زائد گزرنے کے باوجود ابھی تک منصۂ شہود پر نہیں آئی۔ امام العصر مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے

بھی ''تاریخ اہل حدیث'' میں سیکڑوں رجال اہل حدیث کی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔ مولانا غلام رسول مہر جیسے محقق شہیر کی کتابوں ''جماعت مجاہدین'' اور ''سرگذشت مجاہدین'' میں بھی علمائے اہل حدیث کی بہت سی شخصیات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مؤرخ اہلحدیث مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے علمائے اہلحدیث کے تذکروں پر مشتمل چھ کتابیں تحریر کی ہیں۔ جن میں قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری اور میاں فضل حق مرحوم پر تو مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ قصوری خاندان کے علمائے اہل حدیث پر بھی ایک باقاعدہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔ ''فقہائے ہند'' کی متعدد جلدوں میں سیکڑوں محدثین کا تذکرہ قلم بند کیا گیا ہے۔ مگر اس موضوع پر آپ کی شاہکار کتابیں ''نقوش عظمت رفتہ، کاروانِ سلف اور ''بزم ارجمنداں'' ہیں، جن میں پچاس کے قریب علمائے اہل حدیث کے بہترین خاکے بے مثال اسلوب میں تحریر کیے گئے ہیں۔ شاہ اسمٰعیل شہید پر مرزا حیرت دہلوی کی ''حیات طیبہ'' اور محمد خالد سیف کی ''تذکرۂ شہید'' زیادہ اہم ہیں۔ انفرادی سطح پر جن اہلحدیث اکابرین پر بہت زیادہ قلم اٹھایا گیا ہے، ان میں مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبداللہ غزنوی، شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی، استاد پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، مسعود عالم ندوی، مولانا محمد اسمٰعیل سلفی، سید داود غزنوی اور علامہ احسان الٰہی ظہیر شہیدؒ شامل ہیں۔ ان حضرات پر مستقل کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا عبدالعظیم انصاری نے ''تذکرہ علمائے بھوجیاں'' بدرالزماں نیپالی نے ''علمائے اہل حدیث میوات'' اور ''علمائے اہل حدیث بستی دگونڈہ'' اور مولانا ابوعلی اثری نے 'چند رجال اہلحدیث '' کے نام سے بہت سے اہل حدیث علما کا ذکر خیر کیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالغفور راشد مسلک اہلحدیث کے نوجوان مؤرخ ہیں، جنھوں نے اس موضوع پر دو کتابیں تحریر کی ہیں۔ ان کی پہلی کتاب 'اہل حدیث منزل بہ منزل'' برصغیر میں فکر وتحریک اہلحدیث کا ایک مبسوط جائزہ ہے۔ جب کہ ان کی دوسری کتاب ''تذکرۃ الابرار'' میں ضلع قصور کے ۸۰ علمائے دین کا تذکرہ ہے، جن میں راقم کے خاندان کے بھی چند علماء کے سوانح اور خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان دنوں ملک اور بیرونِ ملک کی مختلف جامعات میں جن شخصیات پر علمی اور تحقیقی کام ہو رہا ہے، ان میں علمائے اہل حدیث بھی شامل ہیں۔ لہٰذا اس سلسلے میں نواب سید صدیق حسن خاں، خاندان ولی اللہی، غزنوی، روپڑی، لکھوی، راشدی

اور بہت سے دوسرے خاندانوں کے علماء و مدرسین پر بطور خاص کام ہوا ہے۔ اکابرین اہل حدیث کے اس ذخیرے میں ایک خودنوشت سوانح حیات بہت اہمیت کی حامل ہے اور یہ نواب سید محمد صدیق حسن خاں کے قلم سے " ابقاء المنن بالقاء المحن " کے عنوان سے لکھی گئی ہے۔ جس کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن مولانا محمد خالد سیف اور مرحوم قاری نعیم الحق نعیم کی کاوش سے دار الدعوۃ السلفیہ لاہور نے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔ برصغیر میں مسلک اہل حدیث کے موضوع پر بہت سی تاریخی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، جن میں اکابر و اعاظم رجال اہل حدیث کا مناسب تذکرہ موجود ہے۔ ایسی تاریخی کتابوں میں ایک "تذکرہ علمائے اہلحدیث" میاں محمد یوسف سجاد سیالکوٹی نے مرتب کیا ہے، جس کی پہلی جلد میں ۱۴۱ جب کہ دوسری جلد میں ۱۴۷ علمائے اہل حدیث کا تذکار خیر موجود ہے۔ اسی سلسلے میں شیخ الکل کی سوانح " الحیاۃ بعد المماۃ " مولانا عبدالمجید سوہدروی کی حافظ عبدالمنان وزیر آبادی پر " استاد پنجاب " عبدالعلیم ماہر کی " تذکرۃ المشاہیر " سید ابوبکر غزنوی کی " داؤد غزنوی " اختر راہی کی " مسعود عالم ندوی " سعید احمد چنیوٹی کی " شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ ویرو والوی " عبدالمبین ندوی کی " مولانا ثناء اللہ امرتسری، مختصر حالات و تفسیری خدمات " فرزانہ لطیف کی " مولانا محمد سورتی " فضل الرحمن بن میاں محمد کی " حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ " بدر الزماں محمد شفیع نیپالی کی " شیخ عبداللہ غزنوی " اور اسی نوعیت کے بہت سے چھوٹے چھوٹے رسائل بعض شخصیات پر قلم بند کیے گئے ہیں۔ اس پر مستزاد وہ سیکڑوں مضامین و مقالات ہیں جو مختلف اخبارات اور رسائل و جرائد میں اکابر اہلحدیث علماء پر تحریر کیے گئے ہیں۔ پیش نظر ۷۴ علمائے اہل حدیث کا تعارف جو " تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء " کے عنوان سے مرتب کیا گیا ہے، اسی مذکورہ سلسلۃ الذہب اور سلک الدرر کی ایک کڑی ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ اسی عنوان سے فارسی زبان میں ایک تذکرہ مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی نے بھی لکھا ہے۔

" تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء " کے مصنف محترم عبدالرشید عراقی تاریخ و تذکرہ کا ایک خاص علمی ذوق رکھتے ہیں۔ ان کا تعلق سوہدرہ کی مردم خیز سرزمین سے ہے، جہاں علم و ادب کے بہت سے روشن ستارے طلوع ہوئے ہیں۔ فکر و تحریک اہل حدیث کے برصغیر

کے باب میں ان کی نگارشات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ برصغیر میں اہل حدیث کی فکری، علمی، تفسیری، حدیثی، تدریسی، روحانی اور سیاسی خدمات کے سلسلے میں انہوں نے قاموسی نوعیت کا کام کیا ہے۔ میرے سامنے ان کی تیس مستقل کتابوں اور ایک سو سے زائد مضامین و مقالات کی تفصیلات موجود ہیں۔ اس علمی و تصنیفی کام کو دیکھتے ہوئے ان کی شخصیت کا علمی قد وقامت بخوبی متعین کیا جا سکتا ہے۔ تاریخ اور سیرت وسوانح ان کا مرکزی مضمون ہے۔ ان موضوعات کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک ایسی علمی قوس قزح کا احساس ہوتا ہے، جس کے بوقلموں اور متنوع رنگوں میں سیرت وسوانح کا رنگ سب سے ممتاز دکھائی دیتا ہے۔ خالصۃً سیرت وسوانح پر دیکھا جائے تو ان کے قلم سے سب سے پہلے ''سیرت ائمہ اربعہ'' ۱۹۸۰ء ''مؤلفین صحاح ستہ'' ۱۹۹۳ء ''امام ابن تیمیہ'' ۱۹۹۸ء ''دو روشن ستارے'' ۲۰۰۰ء ''عظمت و رفعت کے مینار'' ۲۰۰۲ء ''عظمت حدیث'' ۲۰۰۱ء ''خلفائے راشدین'' ۲۰۰۲ء، کاروان حدیث'' ۲۰۰۱ء ''امام ابن تیمیہ اور ان کے تلامذہ'' ۲۰۰۳ء ''انجاز الحاجہ'' ۲۰۰۳ء ''تعارف شمائل ترمذی'' اور ''اہل حدیث کی دعوت'' جیسی تصنیفات و مؤلفات سامنے آتی ہیں۔ اہل حدیث کی تاریخ اور جماعتی خدمات کے ضمن میں فاضل مصنف نے آٹھ مستقل کتابیں تحریر کی ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1. ادیان باطلہ کی تردید میں علمائے اہلحدیث کی علمی خدمات............۱۹۹۸ء
2. علمائے اہل حدیث کی تفسیری خدمات............۲۰۰۰ء
3. برصغیر پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کے علمی کارنامے............۲۰۰۱ء
4. اہل حدیث کے چار مراکز............۲۰۰۲ء
5. تذکرہ بزرگان علوی سوہدرہ............۲۰۰۳ء
6. چالیس علمائے اہل حدیث............۲۰۰۳ء
7. حدیث کی نشر و اشاعت میں علمائے اہل حدیث کی خدمات............۲۰۰۳ء
8. خاندان ولی اللٰہی دہلوی کی تصنیفی خدمات............۲۰۰۳ء

عبدالرشید عراقی صاحب کی تصنیفات کا ایک دائرہ خالصۃً اکابر علمائے اہل حدیث کی برصغیر

میں علمی، دعوتی، تدریسی اور تصنیفی خدمات کا احاطہ ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے تخصیص کے ساتھ سات نجوم و جواہر کا انتخاب کیا ہے، جن کی خدمات سے برصغیر کی فضاؤں میں لوائے توحید بڑی شان وشوکت سے لہرا رہا ہے۔ اس سلسلے میں ان کے رشحات قلم سے پہلی سوغات ''تذکرہ ابوالوفاء'' ہے جو انہوں نے ۱۹۸۴ء میں شائع کی۔ جس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کی شخصیت کے مختلف گوشوں کی نقاب کشائی ہے۔ ۱۹۹۹ء میں ان کے قلم سے دو معرکہ آرا کتابیں منصۂ شہود پر آئیں جن میں سے ایک ''شاہ ولی اللہ محدث دہلوی'' اور دوسری ''ابوالکلام آزاد ۔۔ شخصیت و خدمات'' کے عنوان سے ہے۔

''غزنوی خاندان'' اس خانوادے کی علمی، روحانی، تصنیفی، تدریسی اور سیاسی خدمات کے ضمن میں یہ کتاب ۲۰۰۰ء میں سامنے آئی۔ اسی سال ان کی ایک اور کتاب ''تذکرہ محدث روپڑیؒ'' کے نام سے شائع ہوئی۔ ۲۰۰۱ء میں استاد پنجاب کی خدمات کے سلسلے میں ''تذکرہ حافظ عبدالمنان وزیر آبادی'' کے عنوان سے ایک عمدہ کتاب لکھی گئی، جبکہ ''مولانا ثناء اللہ امرتسری، علمی و تصنیفی خدمات'' کے موضوع پر انہوں نے مزید ایک کتاب اسی سال تحریر کی۔ ۲۰۰۳ میں عراقی صاحب نے ''سید سلیمان ندوی'' کے عنوان سے ایک سوانحی تذکرہ لکھا۔ قارئین کے لیے اس صف میں ابوالکلام آزاد اور سید سلیمان ندوی کے اسمائے گرامی، ان کے ذہن میں کوئی اشکال پیدا نہ کریں، ان ہر دو شخصیات کے ہاں تقلید شخصی سے اعراض اور اتباع سنت کا اشتیاق بہت واضح ہے۔ ان کے علمی اور تحقیقی کاموں سے محدثانہ ذوق کا شعور نمایاں جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔

اگر یہ بات کہی جائے کہ جناب عبدالرشید عراقی نے برصغیر کے حوالے سے اکابرین اہل حدیث پر جو سولہ مستقل کتابیں اور بیسیوں مضامین اخبارات و جرائد میں لکھے ہیں، ان سب کا ملخص ان کی اس پیش نظر کتاب میں ایسے ہی سمٹ آیا ہے جیسے کسی آنکھ کی پتلی میں اک آسمان سما جاتا ہے۔ برصغیر میں اہل حدیث کی فکر اور تحریک کے موضوع کا کوئی ایک گوشہ ایسا نہیں ہے، جو اس جامع کتاب ''تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء'' میں سمٹ نہ آیا ہو۔ یوں یہ کتاب عراقی صاحب کے کمال تصنیف کی آئینہ دار ہے۔ ۴۷ اعلائے اہلحدیث کے اس جامع تذکرے میں وہ چھیاسٹھ علما بھی شامل

ہیں جنہیں مصنف نے خود دیکھا اور ان سے براہِ راست ملاقات کی ہے۔ دیدہ و شنیدہ کی کیفیات کے حامل اس تذکرے میں سلفی خانوادوں، علمی خاندانوں اور معروف سلفی مدارس کے عظیم اساتذہ کے علاوہ بیسیوں مصنفین کی سیکڑوں ایسی کتابوں کے حوالے درج ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علمائے اہل حدیث نے مختلف اسلامی علوم وفنون میں کیسے کیسے عظیم کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ مصنف کے رواں اور شگفتہ قلم نے اس تذکرے کو ایک زندہ اسلوب میں ڈھال دیا ہے۔ اہل حدیث اکابرین کا یہ تذکارِ جمیل ایک تاریخ بھی ہے اور تذکرہ بھی، ایک فکر بھی ہے اور تحریک بھی، ایک عقیدہ بھی ہے اور تعامل بھی، ایک دعوت بھی ہے اور عزیمت بھی، ایک مرقع بھی ہے اور نقشِ جادواں بھی ـــــ جس کا مطالعہ ہر اس فرد کے لیے لازم ہے جو عقائد کی دلدل میں کسی صراطِ مستقیم کا جویا اور متلاشی ہو۔ اپنے انہی اوصاف کے باعث مجھے یقین ہے کہ اس تصنیف لطیف کا علماء وطلباء اور عامۃ المسلمین میں ان شاء اللہ العزیز خاطر خواہ استقبال ہوگا۔ ''بیت الحکمت'' کے لیے ایسی ایک کتاب کی اشاعت ایک قرض بھی تھا اور فرض بھی۔ برصغیر میں مسلک اہلحدیث کے علمائے کرام کا یہ تذکرہ ایک علمی، تحقیقی اور تاریخی کارنامہ ہے جس کے بغیر برصغیر کی اسلامی اور فکری تحریک کے خدوخال نمایاں نہیں ہوسکتے۔ اس لحاظ سے اس کارنامۂ علمی کو ہر سطح پر پذیرائی حاصل ہوگی، جس کے لیے مصنف موصوف کی خدمات لائق تحسین ہیں۔

۲۸ر جمادی الاوّل ۱۴۲۵ھ

۱۷ر جولائی ۲۰۰۴ء

العبد المذنب

پروفیسر عبدالجبار شاکر

ڈائریکٹر ''بیت الحکمت''

۱۰۹، حبیب پارک، ملتان روڈ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

تاریخ کا فن گو اسلام سے پہلے موجود تھا، لیکن اس کی اصلی شان اسلام کے نور سے نمایاں ہوئی۔ مسلمانوں میں خود اس کا آغاز ان کے رسول اکرم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے مجاہدانہ علمی کارناموں سے ہوا۔ روایات پیدا ہوئیں اور ان سے راویوں کا علم وجود میں آیا۔

قرن اوّل سے لے کر اپنے اقبال کے آخری دور تک مسلمانوں نے اپنی ہر صدی کے ممتاز اکابر رجال کے سیر و اخبار کا ایسا دفتر زمانہ میں یادگار چھوڑا کہ اقوام و ملل ان کی مثال سے عاجز ہیں۔ لیکن برصغیر (پاک و ہند) کے اس دفتر میں بہت مدت تک ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔ مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ میں مُلا عبدالقادر بدایونی نے اور جہانگیر کے عہد میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے علمائے کرام اور مشاہیر کے حالات قلمبند کیے۔ بدایونی نے ''منتخب التواریخ'' لکھی اور محدث دہلوی نے ''اخبار الاخیار'' میں علمائے کرام کے حالات جمع کیے۔ اس کے بعد علامہ آزاد بلگرامی نے اس کی طرف توجہ کی اور ''مآثر الکرام'' لکھ کر برصغیر کی اسلامی و علمی تاریخ کی آبرو رکھ لی۔ ان کے بعد دو اور قابل قدر ہستیاں وجود میں آئیں، جنھوں نے اس میدان میں کافی حد تک نمایاں خدمت کی، اُن میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی اور محی السنۃ امیر الملک والا جاہی مولانا سید نواب صدیق حسن خاں قنوجی کے نام نمایاں ہیں۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی مرحوم نے ''طرب الاماثل'' لکھی اور نواب صدیق حسن خاں نے ''اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقهاء والمحدثین، ابجد العلوم، تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار اور التاج المکلل من جواهر مآثر

طراز الآخر والاوّل" وغیرہ لکھیں۔اوران سب کے بعد مولانا حکیم سید عبدالحی الحسنی نے "نزھتہ الخواطر و بھجة المسامع والنواظر" لکھی۔جس میں برصغیر کے پہلی صدی سے لے کر چودھویں صدی ہونے تک کے ۴۵۰۰ مشاہیر کے حالات قلمبند کیے۔

برصغیر (پاک وہند) کے علمائے اہل حدیث کے حالات وسوانح میں مولوی ابو یحیٰ امام خان نوشہروی نے "تراجم علمائے حدیث ہند" کے نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی جس کی پہلی جلد ۱۹۳۸ء/۱۳۵۶ھ میں شائع ہوئی اور دوسری جلد تیار تھی لیکن شائع نہ ہو سکی۔اس کا مسودہ جناب ضیاء اللہ کھوکھر صاحب (گوجرانوالہ) کے پاس موجود ہے۔علاوہ ازیں مولانا عبدالرحیم صادق پوری نے علمائے صادق پور (پٹنہ) کے حالات میں "تذکرہ صادقہ معروف به الدر المنثور فی تراجم علمائے صادق پور" لکھی۔یہ کتاب پہلی بار ۱۹۲۳ء/۱۳۴۲ھ میں شائع ہوئی۔ایک اور کتاب "تذکرۃ المشاہیر" کے نام سے مولانا عبدالحلیم ماہر نے لکھی۔جس میں ۲۵ باکمال وممتاز علماء اہل حدیث کے حالات کا تذکرہ ہے۔

تذکرہ علمائے اہل حدیث کے حالات میں میاں محمد یوسف سجاد سیالکوٹی نے شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز کی تحریک پر دو جلدیں مرتب کر کے شائع کی ہیں۔جس کی پہلی جلد میں ۱۲۱ علماء کے حالات ہیں۔۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی اور دوسری جلد میں ۱۴۷ علماء کا تذکرہ ہے جو ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔

راقم آثم نے چالیس علمائے اہل حدیث کے نام سے ایک کتاب مرتب کی جس میں جلیل القدر علمائے اہل حدیث کے حالات اور ان کی علمی خدمات کا تذکرہ ہے۔یہ کتاب نعمانی کتب خانہ لاہور نے شائع کر دی ہے۔

زیر نظر کتاب "تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء" میں راقم نے ۱۴۷ جلیل القدر علماء کے حالات قلمبند کیے ہیں۔مگر اس کتاب کی حیثیت منفرد اور انداز جدا ہے۔اس میں پہلے ان علماء کا ذکر کیا ہے جو دین اسلام کی اشاعت اور تدریس میں مصروف عمل رہے۔مثلاً خاندان شاہ ولی اللہ دہلوی، خاندان غزنویہ امرتسر، لکھوی خاندان اور اس کے علاوہ ان علماء کا

تذکرہ ہے جنھوں نے صرف ایک دو پشت سے دین اسلام کی اشاعت اور توحید و سنت کی ترقی و ترویج میں نمایاں خدمات انجام دیں مثلاً مولانا عبدالسلام مبارکپوری اور اُن کے صاحبزادگان مولانا عبیداللہ رحمانی و مولانا عبیدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا محمد اسمٰعیل سلفی اوران کے صاحبزدے مولانا حکیم محمود سلفی، مولانا حافظ عبدالغفور جہلمی اوران کے صاحبزادگان مولانا محمد مدنی اور مولانا حافظ عبدالحمید عامر وغیرہم۔ علاوہ ازیں اس کتاب میں ایسے جلیل القدر علماء کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جو دو یا تین بھائی تھے اور سب ہی عالم دین تھے۔ ان علمائے کرام نے تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ مثلاً درس و تدریس میں مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی اوران کے بھائی مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی اور مولانا فقیر اللہ مدراسی اوران کے بھائی مولانا عبدالرحمٰن شاہ پوری، تصنیف و تالیف میں مولانا شاہ محب اللہ راشدی اوران کے بھائی سید بدیع الدین راشدی اور علامہ احسان الٰہی ظہیر اور ان کے برادرِ خورد ڈاکٹر فضل الٰہی، وعظ و تبلیغ میں مولانا عبدالاحد خان پوری اوران کے برادران مولانا قاضی ابوعبداللہ اور مولانا یوسف حسین خانپوری اور مولانا حکیم عبدالرحمٰن راسخ اوران کے برادران مولانا حافظ عبدالستار حامد و مولانا سلیمان اثری وغیرہم۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے مزید دین اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق بخشے اور اس خدمت کو درجۂ قبولیت عطا فرمائے۔ (آمین)

یکم جون ۲۰۰۴ء

عبدالرشید عراقی
سوہدرہ، ضلع گوجرانوالہ

خاندان ولی اللّٰہی دہلوی

1. شاہ عبدالرحیم
2. شاہ ولی اللہ
3. شاہ عبدالعزیز
4. شاہ رفیع الدین
5. شاہ عبدالقادر
6. شاہ اسمٰعیل شہید
7. شاہ محمد عمر بن شاہ اسمٰعیل شہید

شاہ عبد الرحیمؒ

حضرت شاہ عبد الرحیم بن شیخ وجیہہ الدین حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے والد تھے۔ ۱۰۵۴ھ مطابق ۱۶۴۴ء قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر اپنے والد شیخ وجیہہ الدین سے حاصل کی۔ اپنے برادر بزرگ شیخ ابو الرضا محمد سے بھی استفادہ کیا۔ اس کے بعد آپ خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادہ خواجہ خرد سے ظاہری و باطنی دونوں علوم میں اکتساب فیض کیا۔ خواجہ خرد کو آپ سے بہت تعلق خاطر تھا۔ اور اُستاد ہونے کے باوجود شاہ عبد الرحیم کا بہت احترام کرتے تھے۔ اور یہ احترام اس وجہ سے تھا کہ خواجہ خرد شاہ عبد الرحیم کے نانا شیخ رفیع الدین کے شاگرد تھے۔

فراغت تعلیم کے بعد شاہ عبد الرحیم نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ دہلی میں مہندیوں کے محلے میں ۱۰۷۰ھ مطابق ۱۶۶۰ء میں "مدرسہ رحیمیہ" کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسہ میں آپ اپنی زندگی کے آخری ایام تک قرآن و حدیث کا درس دیتے رہے۔

حضرت شاہ عبد الرحیم نے ۷۷ سال کی عمر میں ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۸ء دہلی میں انتقال کیا۔

علم و فضل کے اعتبار سے شاہ عبد الرحیم جامع الکمالات تھے۔ بڑے سمجھدار، صاحب فہم و بصیرت، بلند پایہ عالم دین اور صوفی تھے۔ شاہ ولی اللہ کی علمی ترقیوں اور طبعی نشو و نما میں ان کی تربیت اور تعلیم کا بڑا دخل تھا۔ آپ ایک کامل صوفی تھے۔ اور انہیں خدا رسیدہ بزرگوں کی تلاش رہتی تھی۔ اور ان کی صحبت میں وہ بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ:

"حضرت شاہ عبد الرحیم فضائل حمیدہ اور اخلاق ستودہ کے جامع تھے۔ شجاعت و فراست اور غیرت ان میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ عقل معاد کی طرح عقل معاش بھی کامل اور وافر طور پر رکھتے تھے۔ ہر معاملہ میں توسط اور اعتدال کو پسند کرتے تھے۔ زہد و عبادت میں بھی بے نظیر اور بے مثل تھے۔"

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ:

"حضرت شاہ عبدالرحیم میں اپنی خاندانی روایت کے مطابق اور پدر بزرگوار شہید (شیخ وجیہہ الدین) کی وراثت میں مجاہدانہ جذبات اور حمیت اسلامی پورے طور پر موجود تھے۔ اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ ان کے خاندان والا شان میں نسلاً بن نسلٍ جہاد و عزیمت کا سلسلہ منقطع نہیں ہونے پایا تھا۔ غیرت و شجاعت ان کو خاندانی ورثہ میں ملی تھی۔"

حضرت شاہ عبدالرحیم میں سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ بہت زیادہ اعتدال پسند تھے۔ اور یہ خصوصیت ان کو اپنے خاندان میں ممتاز کرتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ:

"والد صاحب کا عمل اکثر امور میں مذہب حنفی کے موافق تھا۔ لیکن بعض مسائل میں حدیث کے مطابق یا اپنے وجدان سے کسی دوسرے مذہب فقہی کو بھی ترجیح دیتے تھے۔ ان تفردات یا استثناءات میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا، جنازہ میں بھی سورۃ فاتحہ پڑھنا تھا۔"

حضرت شاہ عبدالرحیم علوم ظاہری اور فقہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ فقہ کی کتاب "فتاویٰ عالمگیری" کی تصحیح میں بھی کچھ عرصہ کے لیے شریک کار رہے۔

آپ کی اگرچہ کوئی اہم تصنیف نہیں (سوائے ایک رسالہ کے) ان کی شہرت زیادہ تر ان کے لائق فرزند (شاہ ولی اللہ) کے ذریعہ سے ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ

شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم ۴ رشوال ۱۱۱۴ھ مطابق ۲۱ رفروری ۱۷۰۳ء اپنے ننھیال قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شاہ عبدالرحیم بڑے بلند پایہ عالم، سمجھ دار اور صاحب فہم صوفی تھے۔ فضائل حمیدہ اور اخلاق ستودہ کے جامع تھے۔ مجاہدانہ جذبات، شجاعت و فراست اور دینی غیرت و حمیت ان میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔ مغل بادشاہ فرخ سیر کے عہد میں ۷۷ سال کی عمر میں ۱۲ رصفر ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۸۱۸ء میں وفات پائی۔

شاہ ولی اللہ کی تعلیم کا آغاز ۵ سال کی عمر میں ہوا۔ سب سے پہلے قرآن مجید پڑھا اور دو سال میں قرآن مجید ختم کیا۔ اس کے بعد دوسرے علوم اسلامیہ کی ابتداء اپنے والد محترم شاہ عبدالرحیم سے کی۔

خود کہتے ہیں کہ:

''ہم نے علوم ظاہرہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، نحو، صرف، علم الکلام، اصول اور منطق کی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی، اللہ ان سے راضی ہو۔

قرآن مجید اور حدیث میں شیخ محمد افضل سیالکوٹی (م ۱۱۴۶ھ) سے استفادہ کیا۔

۱۱۴۳ھ میں شاہ ولی اللہ حج بیت اللہ کے لیے حجاز روانہ ہوئے۔ اور ۱۱۴۵ھ میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہو کر بخیر و عافیت واپس دہلی تشریف لائے۔ حرمین شریفین کے ۲ سال کے قیام میں شاہ ولی اللہ نے مختلف مشائخ حرمین شریفین سے حدیث میں استفادہ کیا۔ اور سب سے زیادہ آپ نے علامہ شیخ ابوطاہر کردی (م ۱۱۴۵ھ) سے اکتساب فیض کیا۔

حرمین شریفین سے واپسی کے بعد شاہ ولی اللہ نے اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے قائم کردہ مدرسہ رحیمیہ دہلی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور آپ نے زیادہ توجہ حدیث نبوی ﷺ کی طرف دی اور اپنے انتقال ۱۱۷۶ھ تک آپ تدریس فرماتے رہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے حرمین سے واپسی کے وقت اپنے شیخ علامہ ابوطاہر کردی سے

وعدہ فرمایا تھا کہ میں اب ان شاء اللہ اپنے ملک واپس جا کر صرف علم حدیث کی تدریس کی طرف توجہ دوں گا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

میرے والد گرامی نے مدینہ سے رخصت ہوتے وقت اپنے استاد سے عرض کیا کہ میں نے جو کچھ پڑھا وہ فراموش کر دیا ہے۔ صرف ایک علم اپنے پاس رکھا ہے، اور وہ علم دین یعنی حدیث۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تجدید و احیائے دین اور اصلاح اُمت کی طرف بھی توجہ کی۔ اور اس سلسلہ میں آپ نے جو ذرائع اختیار کیے وہ حسب ذیل تھے:

- اصلاح عقائد و دعوت القرآن۔
- حدیث و سنت کی اشاعت و ترویج اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی دعوت و سعی۔
- شریعت اسلامی کی مربوط و مدلل ترجمانی اور اسرار و مقاصد حدیث و سنت کی نقاب کشائی۔
- اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح، خلافت راشدہ کے خصائص اور اس کا اثبات اور شیعیت کی تردید۔
- سیاسی انتشار اور مغلیہ حکومت کے دورِ احتضار میں مجاہدانہ اور قائدانہ کردار۔
- اُمت کے مختلف طبقات کا احتساب اور ان کو دعوت اصلاح و انقلاب۔
- علمائے راسخین اور ایسے مردان کار کی تعلیم و تربیت جو ان کے بعد اصلاح اُمت اور اشاعت دین کا کام جاری رکھیں۔

مندرجہ بالا سات ذرائع حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اختیار کیے، اور ان ذرائع کی روشنی میں جو کارنامے انجام دیے، اس کی مختصر تفصیل یہ ہے:

- اصلاح عقائد و دعوت الی القرآن کے سلسلہ میں آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ فارسی بنام "فتح الرحمٰن فی تراجم القرآن" کیا۔ اور دعوت الی القرآن اور خواص اہل علم

کے حلقہ میں تدبر قرآن کی صلاحیت پیدا کرنے اور اس کے ذریعہ سے اُمت کی اصلاح کا جذبہ پیدا کرنے کے سلسلہ میں ان کا تجدیدی و انقلابی کارنامہ اصول تفسیر میں "الفوز الکبیر" کی تصنیف ہے۔

- حدیث کی ترویج و اشاعت اور اس کے احیاء کے سلسلہ میں شاہ ولی اللہ نے جو عظیم کارنامہ انجام دیا وہ ان کے صحیفہ زندگی کا ایک روشن باب ہے۔
- آپ نے حدیث کی اوّل الکتب "موطا امام مالک" کی دو شرحیں بنام "المسوّیٰ" (عربی) اور "المصفیٰ" (فارسی) لکھیں۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی شرح (عربی میں) لکھی۔

شاہ ولی اللہ کی پوری زندگی اس کی تصدیق کرتی ہے کہ وہ حدیث شریف کی تشریح و توضیح، تدریس و تعلیم اور اشاعت و تفہیم میں معروف رہے۔

فقہ و حدیث میں تطبیق کے سلسلہ میں شاہ ولی اللہ نے "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" (عربی) کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔ جس کے بارے میں شیخ محمد اکرام مرحوم لکھتے ہیں:

> "اس کتاب کو اگر تاریخ فقہ و علم الحدیث کہا جائے تو بجا ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت یہ کتاب عہد سعادت سے لے کر پانچویں صدی ہجری تک فقہ کی تدوین، کتب حدیث کی فراہمی اور مختلف مذاہب فقہی کے آغاز کی ایک نہایت دلچسپ منصفانہ اور پر از معلومات تاریخ ہے۔"

"الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" کے علاوہ فقہ و حدیث میں تطبیق کے سلسلہ میں ایک دوسری کتاب "عقید الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید" (عربی میں) لکھی۔ علاوہ ازیں اپنی مایۂ ناز کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کے ساتویں بحث (صفحہ ۱۲۸ تا ۱۵۴) میں بڑی عمدہ بحث فرمائی ہے۔

شاہ ولی اللہ نے فقہ و حدیث کے تقابل میں ہمیشہ حدیث نبوی کو اوّلیت کا درجہ دیا،

چنانچہ وصیت نامہ میں لکھتے ہیں کہ:

"مسائل فروعی میں ایسے علماء و محدثین کی پیروی کرنی چاہیے جو فقہ و حدیث کے دونوں عالم ہوں۔ مسائل فقہیہ کو کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ سے ملا رہنا چاہیے۔ اور امت کے قیاسی مسائل کا کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقابل کرتے رہنا ضروری ہے۔ اس سے کبھی بے نیازی نہیں ہو سکتی۔"

❀ شریعت اسلامی کی ترجمانی میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی سعی و کاوش قدر کے قابل ہے۔ اور اس سلسلہ میں آپ نے "حجۃ اللہ البالغہ" جیسی عمدہ اور بے نظیر کتاب تصنیف فرمائی۔

اس کتاب کے بارے میں علامہ سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

"حجة الله البالغه" علم اسرار حدیث کی کتاب ہے۔"

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

"اس میں بتایا گیا ہے کہ مذہب اسلام کے جو عقائد یا احکام ہیں ان میں کیا مصلحتیں ہیں۔"

مولوی ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی لکھتے ہیں:

"حجة الله البالغه" اسرار شریعت کی کتاب ہے۔ اس میں حکمت تشریع، حدیث، فقہ، تصوف، اخلاق، فلسفہ، جملہ علوم موجود ہیں۔"

حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں عقائد سے لے کر عبادات، معاملات، احسان و تزکیہ، مقامات و احوال، کسب معیشت کے طریق تبرع و تعاون، تدبیر منزل، قضا و جہاد، آداب طعام، آداب صحبت، معاشرت اور آخر میں حوادث مابعد علامات قیامت کی احادیث سے بحث کی ہے۔

جہاد کے بارے میں مکمل ترین شریعت اور کامل ترین قانون وہ شریعت ہے جس میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔

❀ اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح، خلافت راشدہ کے خصائص اور اس کا اثبات اور شیعیت کی تردید۔

اس ذریعہ سے متعلق شاہ ولی اللہ دہلوی نے "ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" (فارسی) لکھی۔اس کتاب میں آپ نے خلافت راشدہ کی تاریخ وتوثیق اور شیعیت کی تردید کی ہے۔یہ کتاب خلافت راشدہ کے متعلق، حدیث، تفسیر، تاریخ، استخراج مسائل اور اخذ و استنباط کا بہترین مرقع ہے۔

شاہ ولی اللہ اس کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ:

"خلفائے راشدین کی خلافت کا اثبات اصول دین میں سے ایک اصل عظیم ہے۔جب تک اس اصل کو پوری مضبوطی کے ساتھ تسلیم نہیں کیا جائے گا، شریعت کے مسائل میں سے کسی مسئلہ کو استحکام حاصل نہیں ہوگا۔"

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس کتاب کی تالیف کا پس منظر یہ بیان فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں تشیع کی بدعت شیوع ہوا۔عوام کی طبیعتیں ان کے پیدا کیے ہوئے شبہات سے گہرے طریقہ پر متاثر ہوئیں۔اس علاقہ کے اکثر باشندوں کے دل میں خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ثبوت خلافت کے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا ہوگئے۔

علمائے اسلام نے اس کتاب کی بہت تعریف وتوصیف کی ہے۔مولانا عبدالحی لکھنوی نے اس کتاب کو بے نظیر اور عدیم المثال قرار دیا ہے۔

مولانا رحیم بخش دہلوی مرحوم لکھتے ہیں:

"یہ ایک مضبوط کتاب ہے۔جس میں خلفائے اربعہ کی خلافت کے متعلق محققانہ بحث کی گئی ہے۔اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل اجل مصنف کو حدیث وتفسیر اور تواریخ پر کس قدر عبور اور استخراج مسائل میں کتنا تبحر تھا۔ جامعیت روایات کے لحاظ سے ایک عجیب وغریب اور نہایت ہی بے مثال

کتاب ہے۔"

اس کتاب کی ایک خصوصیت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مذہب، ان کے فتاویٰ اور دینی احکام پر وہ مفصل مواد ہے جس کو اس میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اور جس سے ایک پوری فقہ فاروقی سامنے آ گئی ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فقہ فاروقی کو یگانہ حیثیت سے پیش کرنے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہادات اور فتاویٰ کو جمع کرنے کا شاید یہ پہلا مبارک قدم تھا۔ جس کو شاہ صاحب نے دسری اولیات کے ساتھ انجام دیا۔ اس موضوع پر کوئی جامع منفرد کتاب اب تک تصنیف نہیں ہوئی۔"

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے ۲۹ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ مطابق ۲۱ اگست ۱۷۶۲ء کو ۶۳ سال کی عمر میں دہلی میں انتقال کیا۔ اور قبرستان مہندیاں میں دفن ہوئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ علوم اسلامیہ کے بحر ذخار تھے۔ آپ بیک وقت مفسر بھی تھے اور محدث بھی، فقیہ بھی تھے اور مجتہد بھی، متکلم بھی تھے اور معلم بھی، مؤرخ بھی تھے اور صوفی بھی۔ آپ نے تمام علوم اسلامیہ کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ دین اسلام کی گرانقدر خدمت کی، ان کی مجتہدانہ تحقیقات عالیہ اور ہمدردانہ کارناموں کی وجہ سے اہل علم و قلم نے انہیں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

نواب سید صدیق حسن خاں لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ ان کا وجود گرامی دورِ اوّل اور زمانہ ماضی میں ہوتا تو انہیں امام الائمہ اور تاج المجتہدین شمار کیا جاتا۔"

سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"شاہ صاحب (ولی اللہ) کا وجود اس عہد میں ہند کے لیے ایک موہبت عظمیٰ اور عطیہ کبریٰ تھا۔"

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں:

"آپ بلا نزاع ۱۲ ویں صدی کے مجدد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن فہمی میں ان کو خاص ملکہ عطا کیا تھا۔ آپ کی تصانیف سے ہندوستان کی علمی دنیا میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہو گیا۔"

تصانیف:

شاہ ولی اللہ دہلوی نے مختلف موضوعات پر عربی اور فارسی میں متعدد کتابیں لکھیں۔ جن میں بے شمار دست بردِ زمانہ کی نذر ہو گئیں اور جو محفوظ رہ گئیں وہ ڈاکٹر ثریا ڈار صاحبہ کی تحقیق کے مطابق تعداد میں ۵۱ ہیں۔

آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

(۱) فتح الرحمن فی تراجم القرآن (فارسی)، (۲) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (فارسی) (۳) فتح الخبیر (عربی)، (۴) المسوّی من احادیث المؤطا (عربی)، (۵) المصفی (فارسی)، (۶) تراجم البخاری (عربی)، (۷) العقیدہ الحسنہ (عربی)، (۸) عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید (عربی)، (۹) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (عربی)، (۱۰) القول الجمیل (عربی)، (۱۱) البدور البازغہ (عربی) ، (۱۲) حجۃ اللہ البالغہ (عربی)، (۱۳) انفاس العارفین (فارسی)، (۱۴) الجزء اللطیف، (۱۵) وصیت نامہ (فارسی) ، (۱۶) الخیر الکثیر (عربی)

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ ۱۵ر رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ مطابق ۱۷۴۶ء دہلی میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام غلام حلیم (۱۱۵۹ء) تھا۔

تعلیم کا آغاز حفظ قرآن مجید سے ۵ سال کی عمر میں ہوا۔ آپ نے سب سے پہلے علوم متداولہ کی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ سے حاصل کی۔ اور ۱۵ سال کی عمر میں آپ نے تمام علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر لی۔

۱۶ سال کے تھے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ تو آپ نے خواجہ محمد امین کشمیری (م ۱۱۸۷ء) اور عظیم محدث مولانا شاہ محمد عاشق پھلتی (م ۱۱۸۰ء) کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہوئے، اور ان سے استفادہ کیا۔

فراغت تعلیم کے بعد اپنے آبائی مدرسہ رحیمیہ دہلی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور متواتر ۶۰ سال تک آپ قرآن و حدیث اور دوسرے علوم کی تدریس فرماتے رہے۔ اور علم حدیث جسے شاہ ولی اللہ نے ازِ سرِ نو برصغیر میں رائج کیا تھا اس کا فیض ملک میں عام کیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ جس شخص نے ۶۰ سال تک تدریس فرمائی ہو اس کے تلامذہ کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں آپ کے چند ان مشہور تلامذہ کا ذکر کیا جاتا ہے جو اپنے علم و عمل، تقویٰ و طہارت اور حفظ و ضبط میں بلند مرتبہ تھے یعنی آپ کے برادران خورد شاہ رفیع الدین (م ۱۲۳۳ھ)، شاہ عبدالقادر (م ۱۲۳۰ھ)، شاہ عبدالغنی (م ۱۲۲۷ھ)، شاہ محمد یعقوب (م ۱۲۸۳ھ)، مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی (م ۱۲۸۵ھ) مولوی فضل حق خیر آبادی (۱۲۷۸ھ) حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی (ش ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ)، مولانا عبدالحی بڈھانوی (م ۱۲۴۲ھ) مولانا عبدالخالق دہلوی (م

۱۲۶۱ھ) مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ)، مولانا مرزا حسن علی صغیر محدث (۱۲۵۵ھ)، مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی (م ۱۳۱۳ھ) اور مولانا خرم علی بلہوری (م ۱۲۶۰ھ)

شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنے زمانہ میں مرجع علماء ومشائخ تھے۔ تمام علوم اسلامیہ میں کامل دستگاہ تھی۔ علوم عقلیہ نقلیہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ مباحثہ اور مناظرہ میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ علم تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ میں شہرۂ آفاق تھے۔ بلاشبہ آپ میدان علم وفضل کے شہسوار تھے۔ بڑے زندہ دل اور حاضر جواب تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز ۸۰ سال کی عمر میں ۷؍شوال ۱۲۳۹ھ وفات پائی، آپ کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اور اپنے والدِ ماجد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے پہلو میں قبرستان مہندیاں میں دفن ہوئے۔

حکیم مومن خاں مومن نے آپ آپ کا پُر درد مرثیہ لکھا۔ جس کے آخری شعر سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے:

دست بیدادِ اجل سے بے سروپا ہو گئے
فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف وکرم، علم وعمل

آپ کی اولادِ نرینہ نہ تھی۔ تین صاحبزادیاں تھیں۔ ان میں ایک مولانا عبدالحی بڈہانوی کے نکاح میں تھی، دوسری صاحبزادی کا عقد شاہ رفیع الدین کے بیٹے مولوی محمد عیسیٰ سے ہوا۔ اور تیسری صاحبزادی شیخ محمد افضل فاروقی کے نکاح میں تھی۔ ان سے دو بیٹے مولانا شاہ محمد اسحاق اور مولانا شاہ محمد یعقوب پیدا ہوئے۔

تصانیف:

حضرت شاہ عبدالعزیز کی تصانیف کی تعداد اٹھارہ (۱۸) ہے جو عربی، فارسی اور اُردو میں ہیں۔ مشہور تصانیف یہ ہیں:

(۱) تفسیر فتح العزیز المعروف تفسیر عزیزی (فارسی)، (۲) بستان

المحدثین (فارسی)، (۳)عجالہ نافعہ (فارسی)، (۴) سر الشهادتین (عربی)، (۵)تقریر دلپذیر فی شرح عدیم النظیر (فارسی) اس کا موضوع ارکان خمسہ ہے اس کا اُردو ترجمہ قاضی فہیم الدین میرٹھی کے قلم سے ۱۳۲۶ھ میں افضل المطابع دہلی سے شائع ہوا تھا۔(٦)تحفہ اثناء عشریہ(فارسی)شیعیت کی تردید میں لاجواب کتاب ہے۔ بقول شیخ محمد اکرام مرحوم یہ کتاب شیعہ سنی مسائل کا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے۔

شاہ رفیع الدین دہلویؒ

شاہ رفیع الدین دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے دوسرے بیٹے تھے۔اور حضرت شاہ عبدالعزیز سے چھوٹے تھے۔علم وفضل ،تقویٰ وطہارت ،زہد وورع اور حفظ وضبط میں بلند مرتبہ تھے۔۱۱۶۳ھ مطابق ۱۷۴۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔آپ نے جملہ علوم اسلامیہ کی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور برادر بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی سے حاصل کی۔اور اپنے ماموں شاہ محمد عاشق پھلتی سے بھی استفادہ کیا۔

۲۸ سال کی عمر میں جملہ علوم اسلامیہ سے فراغت پائی اور اپنے آبائی مدرسہ رحیمیہ دہلی میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنے ایک مکتوب بنام شاہ ابوسعید مجددی رائے بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

"رفیع الدین بفضل الٰہی تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے ہیں ،ایک مجلس میں علاوہ فقراء کے سامنے ان کے دستار تبرک باندھی گئی اور درس کی اجازت دی گئی۔الحمد للہ بہت سے طالبان ان سے مستفید ہو رہے ہیں۔"

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی آخری عمر میں بوجہ کبر سنی تعلیم وتعلم کے متحمل نہ رہے ،تو مدرسہ رحیمیہ کا انتظام وانصرام ان کے سپرد کر دیا گیا۔شاہ رفیع الدین نے ۵۰ سال تک

تدریس فرمائی۔آپ کے تلامذہ کی فہرست معلوم نہیں۔تاہم بقول صاحب تراجم علمائے حدیث ہند شاہ احمد سعید مجددی،شاہ عبدالغنی مجددی،شاہ محمد اسحاق،مولانا محمد شکور مچھلی شہری اور سید محمد بخش عرف تربیت خاں ان کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

شاہ رفیع الدین علم و فضل کے اعتبار سے بلند مرتبہ تھے۔آپ جامع الکمالات تھے۔علم ریاضی میں خاص درک حاصل تھا۔بہت زیادہ عبادت و ریاضت کرنے والے تھے۔بڑے سنجیدہ،متین،رحم دل،انصاف پسند،راست باز،حلیم و بردبار اور جود و سخا کی صفات سے متصف تھے۔

شاہ رفیع الدین نے ۶/شوال ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۹/اگست ۱۸۱۸ء میں ۷۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

ڈاکٹر ثریا ڈار صاحبہ نے ان کی تصانیف کی تعداد ۲۷ بتائی ہے۔مگر ان کا ترجمہ قرآن مجید (اُردو) "تحت اللفظ" زیادہ مشہور ہے۔

شاہ عبدالقادر دہلویؒ

شاہ عبدالقادر دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ کے تیسرے فرزند تھے۔۱۱۶۷ھ مطابق ۱۷۵۳ء میں پیدا ہوئے۔تعلیم کا آغاز اپنے والد حضرت شاہ ولی اللہ سے کیا۔لیکن ۱۰ سال کے تھے کہ شاہ ولی اللہ نے انتقال کیا۔اس لیے آپ نے جملہ علوم اسلامیہ کی تحصیل حضرت شاہ عبدالعزیز اور اپنے ماموں شیخ محمد عاشق پھلتی سے کی۔فراغت تعلیم کے بعد مسجد اکبر آبادی میں درس و تدریس اور وعظ و تلقین کا سلسلہ شروع کیا۔اور اپنی ساری زندگی مسجد کے حجرے میں بسر کردی۔درس و تدریس کے بعد جو وقت ملتا،وہ عبادت و ریاضت میں بسر کرتے۔

شاہ عبدالقادر عالم فاضل،عامل کامل،محدث،مفسر،فقیہ،واعظ،متقی،زاہد و عابد،

پرہیزگار، منکسر المزاج، خلیق، متواضع، ثابت وضابط، عادل، ثقہ، صاحب امانت و دیانت اور صاحب کمالات و کرامات تھے۔ ان کے تلامذہ میں مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی اور مولوی فضل خیرآبادی سرفہرست ہیں۔

شاہ عبدالقادر نے ۱۹؍رجب ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۵ء معمولی علالت کے بعد انتقال کیا۔ تصنیف میں قران مجید کے بامحاورہ اُردو ترجمہ بمعہ تفسیر موضح القرآن ہے جس کے بارے میں مولانا رحیم بخش دہلوی لکھتے ہیں کہ:

> ''اگر اُردو زبان میں قرآن مجید نازل ہوتا تو انہیں محاورات کے لباس میں آراستہ ہوتا۔ جن کی اعانت مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی نے اس ترجمہ میں پیشِ نظر رکھی ہے۔''

مولانا سید عبدالحی نے آپ کی ایک اور تصنیف ''رسالہ تقریر الصلوٰۃ'' کا بھی ذکر کیا ہے۔

شاہ عبدالغنی دہلویؒ

شاہ عبدالغنی حضرت شاہ ولی اللہ کے چوتھے فرزند تھے۔ ۱۱۷۰ھ مطابق ۱۷۵۶ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ۷ سال کے تھے کہ شاہ ولی اللہ نے رحلت فرمائی۔ تعلیم کا آغاز شاہ ولی اللہ سے کیا تھا۔ لیکن جملہ علوم کی تکمیل اپنے برادران حضرت شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین سے کی۔ فراغت تعلیم کے بعد اپنے آبائی مدرسہ رحیمیہ میں تدریس پر مامور ہوئے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ انہوں نے آپ سے حدیث پڑھی تھی۔

شاہ عبدالغنی تفسیر و حدیث میں یکتائے روزگار تھے۔ درویشانہ زندگی کو اپنا شعار بنالیا تھا۔ ظاہری و باطنی فیوض میں شہرت عام رکھتے تھے اور کتاب و سنت کی تعلیم میں بہت دلچسپی

لیتے تھے۔

علمی کمالات کے علاوہ اخلاق عامہ میں بلند مرتبہ تھے۔توکل وقناعت جیسے اوصاف سے متصف تھے۔

اولاد میں ایک صاحبزادہ مولانا شاہ اسمٰعیل شہید چھوڑا۔جنہوں نے چار دانگ عالم میں شہرت پائی۔

شاہ عبدالغنی نے ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۱۲ء بعمر ۵۷ سال دہلی میں وفات پائی۔

شاہ ولی اللہ کی اولاد میں شاہ عبدالعزیز دہلوی سب سے بڑے تھے اور دوسرے نمبر پر شاہ رفیع الدین، تیسرے نمبر پر شاہ عبدالقادر اور چوتھے نمبر پر شاہ عبدالغنی تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی فرماتے ہیں:

''ہم چار بھائیوں کی وفات کی ترتیب یہ ہے:

سب سے پہلے مولوی عبدالغنی جو سب سے چھوٹے تھے، ان کے بعد مولوی عبدالقادر اور ان کے بعد مولوی رفیع الدین جو اِن سے بڑے تھے۔ حالانکہ سب سے بڑا میں ہوں اور میری باری تھی۔''

شاہ اسمٰعیل شہید دہلویؒ

خلافتِ راشدہ کے بعد اسلام نے حقیقی اسلامی نمونے کے بہت کم مسلمان پیدا کیے اور مولانا شاہ اسمٰعیل جیسے راسخ العقیدہ مسلمان تو اس سے بھی کم پیدا ہوئے ہیں اور جب ہم ۱۹ویں صدی کے پہلے حصہ کے مسلمانوں کی صورتِ حال پر غور کرتے ہیں تو ہمیں حیرانی ہوتی ہے کہ اس قوم میں ایسی بلند و بالا شخصیات نے جنم لیا جو اپنے علم وفضل کے اعتبار سے اتنی اعلیٰ و ارفع تھیں کہ انہوں نے اپنے وقت میں اپنے مذہبی جوش سے کام لے کر عوام کو مسحور کر دیا اور

انہیں جہالت کے گڑھے سے نکال دیا۔ جن میں وہ مدت سے پڑے ہوئے تھے۔

تحریک احیائے اسلام میں جو کارہائے نمایاں خاندان ولی اللہ نے سرانجام دیے، اس کی مثال برصغیر کی اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس خاندان کا ہر فرد اصلاح وتجدید کے اُفق پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکا۔

مولانا شاہ اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ دہلوی کا شمار ائمہ دین اور بلند پایہ محدثین میں ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے برصغیر میں کتاب وسُنت کے احیاء، توحید اور شرک و بدعت اور محدثات و بدعات کو جڑے سے اُکھاڑنے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا۔ مولانا شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی نے اس کو آگے بڑھانے کا عزم کیا اور وہ اپنی اس سعی و کوشش میں کامیاب وکامران ہوئے۔

ولادت:

مولانا شاہ اسمٰعیل ۱۲؍ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ بمطابق ۱۲؍اپریل ۱۷۷۹ء قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے تھے۔

مولانا شاہ اسمٰعیل کی عمر ۶ سال کی تھی کہ آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ ۸ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد صرف ونحو اور فقہ و معقول کی کتابیں اپنے والد مولانا شاہ عبدالغنی سے پڑھیں۔ جب آپ کی عمر ۱۰ سال کی ہوئی تو مولانا شاہ عبدالغنی انتقال کر گئے۔ اس کے بعد آپ کی تعلیم وتربیت کا بیڑا آپ کے چچاؤں مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی اور مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہم اللہ اجمعین نے اُٹھایا۔ چنانچہ آپ نے تمام علوم اسلامیہ کی تکمیل ان سے کی۔

تدریس:

مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی نے جب علوم اسلامیہ کی تکمیل کر لی تو اپنے جدامجد کے قائم کردہ مدرسہ رحیمیہ میں تدریس شروع کی۔ مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی کا انتقال ہو چکا تھا اس لیے آپ ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ مدرسہ رحیمیہ میں مسند تدریس کو زینت بخشی۔

مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی لکھتے ہیں:

''آپ نے اپنے آبائی دارالتعلیم مدرسہ رحیمیہ کی مسند پر متمکن ہونے کے ساتھ ہی قرآن و حدیث کی تدریس شروع فرمادی۔ نصاب میں من جملہ کتب مروجہ علوم وفنون کے ایک جامع النصاب کتاب (کہ اس وقت کے مکاتب میں اس کا وجود نہ تھا) یعنی قران مجید گلے میں آویزاں کر کے شہر کے ہر کوچہ و بازار اور مدرسہ رحیمیہ کے ملحقہ مدارس میں درس کا آغاز کیا۔ موسم برسات میں یہ مدرسہ دریائے جمنا پر منتقل ہو جاتا ہے کہ سیدنا اسمٰعیل دریا میں پیراکی کی مشق فرمارہے ہیں اور طلباء کو پڑھا رہے ہیں۔ آخر جامع مسجد کی سیڑھیوں پر شاہ اسمٰعیل شہید کا یہ درس ''درس خارجی'' (جسے آج کل لیکچر کہا جاتا ہے) کی شکل میں ہونے لگا۔ اس کی گونج ادھر بہار، کوہستان ہمالیہ کے اس حصہ سے جاٹکرائی جو کشمیر اور کابل کے درمیان پھیل رہی ہے۔''

سپاہیانہ ورزشیں:

مولانا شاہ اسمٰعیل علوم دینیہ سے قوائے ذہنیہ کو منور کرنے کے ساتھ ساتھ جسمانی تربیت کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ فن شہ زوری میں کمال حاصل کیا اور تیراکی میں بھی مکمل مہارت حاصل کی۔ جسمانی ریاضتوں کا بھی سلسلہ شروع کیا۔ تپتی ہوئی ریت پر گھنٹوں ننگے پاؤں چلتے اور سخت سردی میں رات کے وقت بغیر گرم لباس کے سیر کرتے۔

حضرت سید احمد شہید سے رابطہ:

۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۱۹ء حضرت سید احمد شہید رائے بریلی دہلی تشریف لائے۔ حضرت سید احمد شہید بڑے روحانی پیشوا اور شیریں زبان مقرر تھے۔ تمام دینی علوم میں غیر معمولی بصیرت رکھتے تھے۔ ایک پرہیز گار شخص کے کردار کے مالک تھے۔ برصغیر میں بدعات و محدثات کو ختم کرنے اور اصلاح عقائد و اعمال کے لیے ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔ انہوں نے ساری زندگی جہاد کی تلقین اور کتاب وسنت کی پیروی کی تلقین کی۔ اپنی زندگی بھی اللہ کی

راہ میں قربان کردی۔

جب حضرت سید احمد شہید دہلی تشریف لائے تو مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی کا ان سے رابطہ ہوا تا آنکہ دونوں نے اکٹھے اپنی جانیں اللہ کی راہ میں قربان کردیں۔

حضرت سید احمد شہید سے بیعت:

۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۰ء میں مولانا شاہ اسمٰعیل اور مولانا عبدالحی بڈھانوی حضرت سید احمد شہید دہلوی سے بیعت ہوئے۔

ڈاکٹر ہنٹر اپنی کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' میں لکھتا ہے:

''سید احمد کے پہلے دو مرید وہ شخص تھے جو اپنے لاثانی ضمیر جوہروں اور اعلیٰ قابلیتوں میں اپنے وقت کے فرد اکمل تھے۔ یہ دونوں افراد دہلی کے سب سے بڑے حکیم و فاضل اجل (حضرت شاہ عبدالعزیز) کے کنبے سے تعلق رکھتے تھے۔''

مولانا عبدالحی حضرت شاہ عبدالعزیز کے داماد تھے اور مولانا شاہ محمد اسمٰعیل آپ کے بھتیجے تھے۔

فریضۂ حج:

مولانا شاہ محمد اسمٰعیل کو تدریس کے لیے بہت کم وقت میسر آیا۔ حضرت سید احمد شہید سے بیعت کے بعد شوال ۱۲۳۶ھ مطابق جولائی ۱۸۲۱ء کو آپ حضرت سید احمد صاحب کے ہمراہ فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے حجاز مقدس روانہ ہوئے۔ اس وقت مولانا شاہ اسمٰعیل کی عمر ۳۸ سال تھی اور حضرت سید احمد صاحب کے ساتھ تقریباً ۸۰۰ مرد و عورتیں تھیں۔

حجاز میں ۱۴ ماہ قیام کے بعد مولانا شاہ اسمٰعیل بخیر و عافیت واپس تشریف لائے۔

دعوت و تبلیغ:

حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید نے حجاز سے واپسی کے بعد وعظ و تقریر کا سلسلہ شروع کیا۔ لوگوں میں جو شرک و بدعت کی وبا عام ہو چکی تھی۔ بدعات و محدثات کا بہت زور تھا۔ ان

سب کی تردید اور ان جاہلانہ رسوم کو ختم کرنے کے لیے شاہ صاحب میدان عمل میں اُترے اور آپ نے وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ توحید اور سُنت کی طرف لوگوں کو روشناس کرانے کا بیڑا اُٹھایا۔ ڈاکٹر ثریا ڈار صاحبہ لکھتی ہیں:

''دہلی کی جامع مسجد میں جمعتہ الوداع کی نماز کے بعد ہر طبقے اور درجے کے لوگوں کے درمیان بڑی بہادری اور دلیری سے زوردار الفاظ میں اللہ کی توحید بیان کی اور شرک و بدعت کی تردید کی اور یہ آپ کا پہلا وعظ تھا۔''

مولانا محمد خالد سیف اس ابتدائی خطاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جنگل کی آگ کی طرح اس ابتدائی خطاب کا عوام و خواص میں چرچا ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے باقاعدہ ہر جمعتہ المبارک کے دن جامع مسجد دہلی میں خطاب فرمانا شروع کر دیا اور علمائے بدعت کی طرف سے مخالفت کے طوفان بدتمیزی کے برپا کر دیے جانے کے باوصف لوگ تھے کہ کشاں کشاں پہنچتے اور کھنچے چلے آتے اور خطاب کے اختتام تک تو تاثیر کے پیش نظر محویت اور استغراق کا یہ عالم ہوتا گویا کسی ماہر اور مشاق جادوگر نے اپنی کرشمہ سازیوں اور سحر آفرینیوں سے (سامعین کو) ساکت و جامد بنا دیا ہے۔ کیوں نہ ہو جب کہ:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا شاہ اسمٰعیل کی دعوت و تبلیغ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''شاہ صاحب نے دہلی میں وعظ کہنا شروع کیا۔ جامع مسجد شاہجہانی سے لے کر فسق و فجور کے مرکزوں تک اللہ کا پیغام پہنچایا۔ شریعت کے احکام سُنائے۔ اپنی مخصوص شہرۂ آفاق جرأت و شجاعت سے شرک و بدعت کا رد کیا (اور) توحید و سُنت کی منادی کی۔''

جہاد کی تبلیغ:

ابتدائے آفرینش سے حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی ہوتی چلی آ رہی ہے۔ ضرب کلیم نے فرعونی لشکروں، تیشۂ ابراہیم نے نمرودی بت کدوں اور چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی کی ستیزہ کاریوں کا ازالہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ علامہ اقبال نے اس حقیقت کی یوں نقاب کشائی کی:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

مولانا شاہ اسمٰعیل کے سامنے ایک طرف مسلمانان ہند تھے، جن کی حالت بہت دگرگوں تھی اور مسلمانوں کی حکومت کا چراغ گل ہونے کو تھا۔ سلطنت مغلیہ کے کھنڈرات پر جن مسلمان حکمرانوں نے اپنی حکومتوں کی بنیادیں استوار کی تھیں وہ بھی موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا تھیں۔ سیاسی انحطاط کے علاوہ دینی، اخلاقی، سماجی و رتمدنی ہر اعتبار سے مسلمان زوال پذیر تھے۔

مولانا شاہ اسمٰعیل جب سفر حج سے واپس آئے تو حضرت سید احمد کے فرمان کے مطابق جہاد کے لیے دعوت و تنظیم میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ مولانا عبدالحی بڈھانوی بھی سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے۔

مولانا محمد خالد سیف رقمطراز ہیں:

''آپ کی ان مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا جو آپ نے سوئی ہوئی قوم کو جھنجھوڑنے بلکہ خواب خرگوش میں مدہوش قوم کو ہوش میں لانے کے سلسلہ میں انجام دیں۔ اور یہ صرف آپ کی پونے دو سال کی دعوت و تبلیغ کا نتیجہ تھا کہ قوم کی مردہ رگوں میں خون حیات گردش کرنے لگ گیا۔ وہ خون جو کہ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے میدانِ کارزار کو لالہ زار بنا کر حیاتِ جاوداں کے لیے بڑا ہی بے قرار ہوتا ہے۔ غرضیکہ انتہائی قلیل عرصہ میں نمایاں صف شکن اور مجاہدین کفن بردوش کی ایک

جماعت تیار ہوگئی جو اللہ کی راہ میں اپنا تن من دھن نثار کرنے کے لیے ہر وقت تیار تھی بڑے غور و فکر سے صوبہ سرحد کو مرکز بنا کر یہاں سے جہاد کا آغاز کیا گیا۔''

جہاد کے لیے روانگی:

۱۲۴۱ھ مطابق ۱۸۲۵ء میں مولانا شاہ اسمٰعیل نے اپنے مذہبی رہنما حضرت سید احمد اور اپنے رفیق مولانا عبدالحی اور دیگر رفقاء کی معیت میں ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۸۲۵ء کو مقدس فریضہ جہاد کے ادا کرنے کی نیت سے رائے بریلی سے براستہ سندھ سوئے سرحد روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت مجاہدین اسلام کی تعداد پانچ سو سے زیادہ نہ تھی۔

سکھوں کے خلاف اعلانِ جنگ:

۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۲۶ء میں آپ پشاور پہنچے اور سکھوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا اور مجاہدین سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''شہید کی جو موت ہو وہ قوم کی حیات ہے۔''

سکھوں سے آپ نے پہلی جنگ جمادی الاوّل ۱۲۴۲ھ/دسمبر ۱۸۲۶ء نوشہرہ سے ۸ میل دور اکوڑہ کے مقام پر لڑی۔

اس لڑائی میں سکھوں کو شکست ہوئی اور ان کا بہت جانی نقصان ہوا۔ مولانا شاہ اسمٰعیل اس لڑائی میں ہراول دستے کی کمان کر رہے تھے۔ اگر چہ اس لڑائی میں مجاہدین اسلام کی تعداد سکھوں کے مقابلہ میں کم تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کیا۔

شہادت تک سپاہی:

۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۲۶ء میں سکھوں کے خلاف اس لڑائی کے بعد مولانا شاہ اسمٰعیل کی جنگی زندگی کا آغاز ہوا۔ وہ ہمیشہ مجاہدین کی قیادت کرتے رہے۔

سفر بالاکوٹ:

۲۹ شعبان ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۲۶ء کو مولانا شاہ اسمٰعیل نے بالاکوٹ ضلع ہزارہ کی تحصیل مانسہرہ کا جو مشہور قصبہ ہے، سفر کیا۔

جنگ:

مجاہدین نے بالاکوٹ پہنچ کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سکھوں سے ایک زبردست جنگ ہوئی۔ سکھ فوج مجاہدین سے تعداد میں زیادہ تھی لیکن مجاہدین نے بڑی عزیمت اور استقامت کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کیا۔ مولانا شاہ اسمٰعیل نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے۔

مولانا محمد خالد سیف نے ایک سکھ مورخ مہتاب سنگھ کا بیان اپنی کتاب ''تذکرہ شہید'' میں نقل کیا ہے:

> ''خلیفہ سید احمد اور مولانا اسمٰعیل بھی جو فوج کے سب سے بڑے سردار تھے، بذات خود حملے میں شریک ہو گئے، وہ...... اللہ اکبر کہتے ہوئے ہوتر کی زمین میں پہنچ گئے، زور زور سے کہہ رہے تھے، دیکھو کافر شکست کھا کر جا رہے ہیں۔ ان پر ہلہ بول دو۔''

شہادت:

مولانا شاہ محمد اسمٰعیل ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ رمئی ۱۸۳۱ء کو اپنے پیر و مرشد حضرت سید احمد کے ہمراہ بمقام بالاکوٹ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

اعترافِ عظمت:

مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی ایک جید عالم دین، دینی مفکر، قاطع بدعت، بلند پایہ مبلغ اور عظیم مجتہد تھے۔ برصغیر کے ممتاز اہل قلم نے ان کی دینی خدمات اور ان کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔

ذیل میں چند مشہور صاحب علم و فضل اور ارباب کمال کے ارشادات نقل کیے جاتے ہیں

جوانہوں نے مولانا شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی کے بارے میں تحریر کیے ہیں:

نواب صدیق حسن خانؒ:

''یعنی اس خاندان (ولی اللّٰہی) کا ہر فرد علم وعمل، عقل وفہم، زورتقریر، فصاحت تحریر، ورع وتقویٰ، دیانت وامانت اور مراتب ولایت میں یگانۂ روزگار، فرید دہر، اور وحید عصر تھا۔ ان کی اولاد بھی ان درجات بلند پر فائز تھی۔''

مولوی رحمان علی بریلوی:

''مولانا اسمٰعیل بن مولانا عبدالغنی (شاہ ولی اللہ کے پوتے) دیانت اور فہم وتفکر میں یگانۂ روزگار رہتے۔ حلقہ علمائے کبار میں مشارٌ الیہ تھے۔''

علامہ اقبال:

''ہندوستان نے ایک مولوی پیدا کا اور وہ مولوی شاہ محمد اسمٰعیل کی ذات تھی۔''

اُردو دائرہ المعارف اسلامیہ لاہور:

''شاہ اسمٰعیل اپنے کمالات کے باعث رب ذوالجلال کا ایک نمونہ تھے۔''

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی:

مولانا اسمٰعیل اسلام کے ان اولوالعزم، عالی ہمت، ذکی، جری اور غیر معمولی افراد میں سے ہیں جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔''

مولانا محمد حنیف ندویؒ:

''خاندان ولی اللّٰہی کا ہر فرد اصلاح وتجدید کے اُفق پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکا ہے۔ علم وبصیرت اور ذوق واجتہاد سے سرشار یہی وہ گھرانہ ہے جس کے فیوض و برکات سے آج بھی اذہان وقلوب تابندہ وروشن ہیں۔''

ڈاکٹر محمد باقر:

”خلافتِ راشدہ کے بعد اسلام نے حقیقی نمونے کے بہت کم مسلمان پیدا کیے ہیں اور شاہ اسمٰعیل ایسے راسخ العقیدہ مسلمان تو اس سے بھی کم دیکھنے میں آتے ہیں۔“

مولانا نصر اللہ خان عزیزؒ:

”مولانا شاہ اسمٰعیل شہید ایثار و عمل کا پیکر مجسم تھے اور اسی چیز نے ان کے اندر وہ تمام جوہر پیدا کر دیے تھے جو ایک عظیم الشان انسان کے لیے ضروری ہیں۔“

مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ:

مولانا شاہ اسمٰعیل شہید حقیقی معنوں میں خدائی خدمت گار تھے۔ وہ اللہ کی زمین پر اللہ کی بادشاہت قائم کر کے دُنیا میں عدل و انصاف، حق و صداقت اور امن کی حکومت کا قیام چاہتے تھے۔ لیکن ان کی یہ اسلامی تحریک بھی مسلمانوں کی غداری کے باعث کامیاب نہ ہو سکی۔“

پروفیسر حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدرویؒ:

”برصغیر (پاک و ہند) میں خاندان ولی اللّٰہی نے تحریک احیائے اسلام، توحید وسُنت کی اشاعت اور شرک و بدعت و محدثات کے قلع قمع کرنے میں جو قابل قدر خدمات سرانجام دیں، وہ برصغیر کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔ مولانا شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی خاندان ولی اللّٰہی کے گل سرسبد تھے۔ ان کی دینی و علمی و جہادی خدمات سے کوئی اہل علم اور صاحب بصیرت آدمی انکار نہیں کر سکتا۔ شاہ اسمٰعیل نے آوازہ حق بلند کیا اس کی صدا آج بھی بالاکوٹ سے سُنائی دے رہی ہے:

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

تصانیف:

مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی ایک بلند مرتبہ مصنف بھی تھے۔ آپ کی تصانیف سے عوام و خواص استفادہ کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ آپ کی تمام تصانیف اپنے موضوع کے اعتبار سے نادر و یگانہ ہیں۔

مولانا مظفر حسین نے "الحیاۃ بعد المماۃ" میں شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلویؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ الکل مرحوم و مغفور فرمایا کرتے تھے:

"میں ان دونوں دادا پوتے (شاہ ولی اللہ و شاہ اسمٰعیل شہید) کا قائل ہوں، جو صرف قرآن و حدیث سے استنباط مسائل کرتے ہیں اور اپنی رائے پر اعتماد رکھتے ہیں۔ زید و عمرو کسی مصنف یا عالم کی پیروی نہیں کرتے۔ ان کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ فیضان الٰہی جوش مار رہا ہے۔"

فہرست تصانیف:

① رد الاشراک (عربی)
② تقویۃ الایمان (اردو)
③ تذکیر الاخوان (اردو)
④ صراط مستقیم (فارسی)
⑤ طبقات (عربی)
⑥ اصول فقہ (عربی)
⑦ یک روزی (فارسی)
⑧ رسالہ در علم منطق (فارسی)
⑨ منصب امامت (فارسی)
⑩ ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت و الضریح (فارسی)
⑪ تنقید الجواب

(۱۲) تنویز العینین فی اثبات رفع الیدین(عربی)

(۱۳) حقیقت تصوف (اُردو)

(۱۴) مثنوی سلک نور (اُردو)

(۱۵) مثنوی سلک نور(فارسی)

(۱۶) قصیدہ درمدح حضرت سید احمد شھید (فارسی)

(۱۷) قصیدہ در مدح آنحضرت ﷺ (فارسی)

(۱۸) رسالہ بے نمازاں (اُردو)

(۱۹) الاربعین فی احوال المھدیین(عربی ، اُردو)

(۲۰) مبحث امکان النظیر(فارسی)

(۲۱) سفر السعادت(فارسی)

(۲۲) مجموعہ خطب دوازدہ ماھی(فارسی)

تقویۃ الایمان:

تقویۃ الایمان مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید کی مشہور و معروف تصنیف ہے۔اس میں اسلام کے بنیادی عقائد کی توضیح اور شرک کی تردید ہے۔یہ لا جواب کتاب اہل توحید کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے۔اس کتاب نے برصغیر میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔اس کی اہمیت کی دلیل یہ ہے کہ بقول مولانا رشید احمد گنگوہی:

''مولوی اسمٰعیل صاحب کی حیات میں اس سے دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے،اوران کے بعد جو نفع ہوا اس کا اندازہ ہو ہی نہیں سکتا۔''

تقویۃ الایمان کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب تک یہ کتاب لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے۔

تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین:

یہ مولانا شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی کی بے نظیر تصنیف ہے اور اس کا موضوع اثبات رفع

الیدین ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اس کتاب کو دیکھ کر فرمایا:

''اللہ کا شکر ہے کہ یہ گھر محققین علم حدیث سے خالی نہیں ہے۔''

تنویر العینین کے جواب میں مولوی محمد شاہ پاک پتنی نے ''تنویر الحق'' کے نام سے کتاب لکھی۔ ''تنویر الحق'' کے جواب میں شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلویؒ نے ''معیار الحق'' تصنیف فرمائی اور ''معیار الحق'' کا اثر علمی حلقوں میں بڑا شدید ہوا۔ چنانچہ مولانا ارشاد حسین رام پوری جو ایک غالی حنفی تھے۔ ''معیار الحق'' کے جواب میں ''انتصار الحق'' کے نام سے کتاب لکھی۔

جب ''انتصار الحق'' شائع ہوئی تو مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا:

''مجھ پر معیار الحق کے سنجیدہ اور وزنی ثبوت کا بڑا اثر ہوا اور صاحب انتصار الحق کا علم ضعف صاف نظر آ گیا۔''

مولانا ارشاد حسین مرحوم نے جب ''انتصار الحق'' شائع کی تو اس کے بارے میں لکھا کہ کوئی غیر مقلد عالم اس کا جواب نہیں دے سکے گا۔ لیکن یہ ان کا خیال خام ثابت ہوا۔ حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلویؒ کے چار تلامذہ نے ''انتصار الحق'' کے علیحدہ علیحدہ جواب لکھے۔

جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) براهین اثناء عشر (از مولانا امیر حسن سہسوانی)

(۲) تلخیص الانظار فیما بنی علیه الانتصار (از مولانا سید احمد حسن دہلویؒ)

(۳) البهر الذخار لاذهاق صاحب الانتصار (از مولانا شہود الحق عظیم آبادی)

(۴) اختیار الحق بجواب انتصار الحق (از مولانا احتشام الدین مراد آبادی)

منصب امامت:

یہ مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی کی بلند پایہ تصنیف ہے۔ مولانا حکیم سید عبدالحی الحسنی اس

کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وهو ممالم يسبق اليه" (سابقہ زمانہ میں اس موضوع پر ایسی کوئی کتاب نہیں)

شاہ محمد عمر بن شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ

مولانا شاہ محمد عمر بن مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ دہلوی جلیل القدر عالم دین تھے۔ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی فرماتے تھے کہ:

"مولوی محمد عمر نہایت عابد و زاہد آدمی تھے۔ نماز نہایت خشوع و خضوع سے ادا کرتے، رکوع و سجدہ اتنا طویل کرتے جب تک آدمی سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الاعلیٰ ۲۷۔ ۲۸ بار پڑھتا۔ بادشاہ دہلی نے اکثر ان کی ملاقات کی تمنا کی اور اراکین دولت کو پیغام ملاقات دے کر ان کے پاس پہنچا۔ آپ نے جواب میں یہی کہا کہ جس باپ کی نسبت سے بادشاہ میری ملاقات چاہتے ہیں ان کی بزرگی مجھ میں نہیں ہے اور اسی عذر پر کبھی ملاقات نہیں کی۔"

آپ کے اساتذہ میں صرف مولانا شاہ محمد اسحاق کا اسم گرامی معلوم ہو سکا ہے۔ ان کی تاریخ وفات معلوم نہیں۔

خاندانِ ولی اللّٰہی دہلوی:

مولانا سید نواب صدیق حسن خاں مرحوم لکھتے ہیں:

"اور اس خاندان کا ہر فرد اپنے اسلاف اور اعمام کی طرح عالمِ دین، صاحب مرتبت، حکیم و فقیہ تھا۔ کیوں نہ ہوتا یہ حضرات علم و عمل میں یکتائے زمانہ ہونے

کے ساتھ ساتھ نسب عالی فاروقی کے بھی تو حامل تھے۔"

جس طرح اس خاندان کے افراد نے حدیث شریف کے علم کی خدمت کی، اس ملک میں دوسرا کوئی خاندان اس پائے کا نظر نہیں آتا۔

(۲)

خاندان شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی ؒ
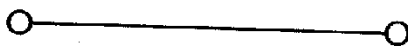
1. مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی ؒ
2. مولانا سید شریف حسین دہلوی ؒ
3. مولانا سید عبدالسلام دہلوی ؒ

سید نذیر حسین دہلویؒ

شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی بن سید جواد علی امام حدیث تھے۔ حدیث کی مہارت ان پر ختم تھی۔ ۱۲۵۸ھ میں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی کے مکہ معظمہ ہجرت کر جانے کے بعد دہلی کی مسند حدیث پر فائز ہوئے۔ اور مکمل ۶۲ سال تک تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیا۔

مولوی ابو یحییٰ امام نوشہروی لکھتے ہیں کہ:

"شاہ اسمٰعیل شہید کی اس مسابقت الی الجہاد اور فوز بہ شہادت کے بعد دہلی میں الصدر الحمید مولانا شاہ محمد اسحاق کا فیضان جاری ہو گیا۔ جن سے شیخ الکل السید نذیر حسین محدث دہلوی مستفیض ہو کر دہلی کی مسند حدیث پر متمکن ہوئے۔"

سید محمد نذیر حسین صوبہ بہار کے قصبہ سورج گڑھ ضلع مونگیر میں ۱۲۱۰ھ مطابق ۱۸۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شجرہ نسب ۳۵ ویں پشت پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔

۱۶ سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز کیا۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد سید جواد علی سے پڑھیں۔ اس کے بعد پٹنہ جا کر مولوی شاہ محمد حسین سے ترجمہ قرآن مجید اور مشکوٰۃ پڑھی۔ پٹنہ میں آپ کا قیام ۶ ماہ رہا۔ اس ۶ ماہ کے قیام کے دوران حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید پٹنہ تشریف لائے۔ آپ ان کی زیارت سے مشرف ہوئے اور شاہ شہید دہلوی کا وعظ سننے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔

پٹنہ سے میاں صاحب دہلی کے لیے روانہ ہوئے اور راستہ میں غازی پور اور الٰہ آباد میں کچھ عرصہ قیام کیا۔ ۱۲۴۳ھ میں آپ دہلی پہنچے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کو انتقال کیے ہوئے چار سال گزر چکے تھے اور اس وقت دہلی میں حضرت شاہ محمد اسحاق نواسہ حضرت شاہ عبدالعزیز کا فیضان جاری تھا۔

حضرت شاہ محمد اسحاق کے درس میں شامل ہونے سے پہلے مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی نے درج ذیل علمائے کرام سے استفادہ کیا:

- مولانا عبدالخالق دہلوی
- مولانا اخوند شیر محمد قندھاری
- مولانا جلال الدین ہروی
- مولانا کرامت علی اسرائیلی
- مولانا سید محمد بخش عرف تربیت خاں مہندس

ان حضرات سے استفادہ کے بعد حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی کے درس میں شامل ہوئے۔ اور ان سے حدیث کی درج ذیل کتابیں پڑھیں:

صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع صغیر سیوطی، کنز العمال (علی متقی) تین اجزاء، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، ابن ماجہ، مؤطا امام مالک اور ہدایہ (فقہ حنفی کی مشہور کتاب) کا بھی درس لیا۔ حضرت شاہ محمد اسحاق نے آپ کو باقاعدہ سند حدیث عطا فرمائی۔

علمائے احناف نے اپنے تقلیدی تعصب کی بنیاد پر یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی حضرت شاہ اسحاق کے باقاعدہ شاگرد نہ تھے۔ آپ نے تبرکاً ان کو سند عطا فرمائی تھی۔ باقاعدہ شاگرد حضرت شاہ عبدالغنی مجددی بن مولانا شاہ ابوسعید مجددی تھے۔ لیکن علمائے اہلحدیث کا موقف یہ رہا ہے کہ مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی حضرت شاہ محمد اسحاق کے باقاعدہ شاگرد تھے اور ۱۳ سال ان کی خدمت میں رہے اور ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے رہے۔ ۲۳ مستند علمائے کرام و اہل قلم جن میں علمائے احناف (دیوبندی و بریلوی)، اہلحدیث اور محقق و نقاد شامل ہیں انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق کے باقاعدہ شاگرد تھے اور ان کی خدمت میں ۱۳ سال تک رہ کر مستفیض ہوتے رہے، بحوالہ:

مولانا شیخ محمد تھانوی (م ۱۲۹۶ھ) الحیاۃ بعد المماۃ، ص: ۳۴

مولانا احمد علی سہارن پوری (م ۱۲۹۸ھ)	ایضاً، ص: ۴۷
مولوی رحمان علی بریلوی (م ۱۳۲۵ھ)	تذکرہ علمائے ہند، ص: ۱۹۳
نواب صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ)	اتحاف النبلاء
مولانا شمس الحق ڈیانوی (م ۱۳۲۹ھ)	غایۃ المقصود (مقدمہ) ص: ۱۱
مولانا محمد ادریس نگرامی (م ۱۳۳۰ھ)	تذکرہ علمائے حال، ص: ۹۲
مولانا سید عبدالحی الحسنی (م ۱۳۴۱ھ)	نزہۃ الخواطر، ص: ۴۹۸
مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ)	مقدمہ تحفۃ الاحوذی، ص: ۵۶
مولانا عبیداللہ سندھی (م ۱۳۶۲ھ)	حاشیہ المسوّٰی فی احادیث المؤطا مطبع السلفیہ مدینہ، ص: ۱۱
مولانا سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ)	حیات شبلی، ص: ۴۱، ۴۶
مولوی ابویحییٰ امام خاں نوشہروی (م ۱۹۶۶ء)	تراجم علمائے حدیث ہند، ص: ۱۲۸
ڈاکٹر شیخ محمد اکرام (م ۱۲۹۶ھ)	موج کوثر، ص: ۲۸
مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی (م ۱۹۵۹ء)	سیرت ثنائی، ص: ۹۷
مولوی بشیر احمد دہلوی (م ۱۹۲۱ء)	دلی اور اصحاب دلی، ص: ۱۱۳۲
مولانا عطاء اللہ حنیف (م ۱۴۰۸ھ)	اتحاف النبیہ، ص: ۲۵
پروفیسر خلیق احمد نظامی (م ۱۴۱۸ھ)	تاریخی مقالات، ص: ۲۵۳
مولانا نسیم احمد امروہی	الفرقان لکھنو فروری، مارچ ۱۹۷۷ء
مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (م ۱۳۷۵ھ)	تاریخ اہل حدیث، ص: ۴۱۶
پروفیسر محمد مبارک کراچی	سوانح مولانا سید محمد نذیر حسین، ص: ۶
ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی	مولانا نذیر احمد دہلوی احوال و آثار، ص: ۴۶
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (م ۱۹۹۹ء)	تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵، ص: ۳۵۹

پروفیسر ڈاکٹر ثریا ڈار — شاہ عبدالعزیز اور ان کی علمی خدمات،
ص:۱۶۳

مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری (م ۱۴۱۷ھ) — تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں،
ص:۲۲۵

۱۲۵۸ھ میں حضرت شاہ محمد اسحاق نے اپنے برادر خورد شاہ محمد یعقوب کے ساتھ مکہ معظمہ ہجرت کی تو مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی ان کی مسند تدریس پر فائز ہوئے اور ۱۲۷۰ھ تک جملہ علوم وفنون کی کتابیں بلا استثنا پڑھاتے رہے۔ لیکن بعد میں صرف تفسیر، حدیث اور فقہ پر انحصار رکھا اور ۶۲ سال تک دہلی میں تفسیر و حدیث کا درس دیا۔

جس منبع علم نے ۶۲ سال تک تدریس فرمائی ہو۔ اس کے تلامذہ کی تعداد ظاہر ہے زیادہ ہوگی، اور ان کا شمار مشکل ہے۔

لَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ:

حضرت میاں صاحب کے تلامذہ میں بعض ایسے حضرات بھی شامل ہیں جو بعد میں خود مسند حدیث کے مالک بنے اور انہوں نے وہ علمی کارنامے انجام دیے جن کا تذکرہ ان شاء اللہ العزیز رہتی دُنیا تک قائم رہے گا۔

حضرت میاں صاحب کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

حافظ ابراہیم آروی، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا محمد بشیر سہوانی، مولانا عبدالوہاب صدری دہلوی، مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی، مولانا سید عبداللہ غزنوی وابناہ، سید عبدالجبار غزنوی، سید عبدالواحد غزنوی و مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی، عبدالرحیم غزنوی، سید عبدالاوّل غزنوی، سید عبدالغفور غزنوی، عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری، مولانا عبدالسلام مبارکپوری، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی، مولانا محمد سعید بنارسی و مولانا ابوالقاسم بنارسی، مولانا سلامت اللہ بے راج پوری، شاہ عین الحق پھلواروی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی، مولانا غلام نبی الربانی سوہدروی و مولانا

عبدالحمید سوہدروی ، مولانا ابوالمکارم محمد علی ، مولانا بدیع الزمان حیدر آبادی ، مولانا وحید الزمان حیدر آبادی، مولانا ابوالحسن سیالکوٹی ، مولانا سید احمد حسن دہلوی، مولانا نذیر احمد دہلوی ، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالجبار عمر پوری، مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہم اللہ اجمعین۔

حضرت میاں صاحب نے برصغیر (پاک و ہند) میں دین اسلام کی نشر و اشاعت ، کتاب و سنت کی ترقی و ترویج ،شرک و بدعت کی تردید و توبیخ اور باطل افکار و نظریات کی تردید کے لیے جو ذرائع استعمال کیے وہ درج ذیل ہیں:

① درس و تدریس
② دعوت و تبلیغ
③ تصوف و سلوک کی راہوں سے آئی ہوئی بدعات کی تردید اور صحیح اسلامی زہد و عبادت و روحانیت کا درس
④ تصنیف و تالیف
⑤ باطل افکار و نظریات کی تردید اور دین اسلام اور مسلک حق ی تائید
⑥ تحریک جہاد

مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی نے تصنیف میں تقلید کی تردید میں ایک لاجواب کتاب ''معیار الحق'' لکھی۔

حضرت میاں صاحب نے ۱۰ر رجب ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۳را کتوبر ۱۹۰۲ء دہلی میں انتقال کیا۔

آپ کے پوتے مولوی سید عبدالسلام نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور شیدی پورہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

سید شریف حسین دہلویؒ

مولانا سید شریف حسین بن مولانا سید نذیر حسین ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں مولوی عبدالرزاق اور اپنے نانا عبدالخالق دہلوی سے پڑھیں۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم حضرت میاں سے حاصل کی۔

سند و اجازہ محی السنتہ مولانا سید نواب صدیق حسن اور علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے بھی حاصل کی۔

ذکاوت کا یہ عالم تھا کہ زمانہ طالب علمی میں اپنی کتابوں پر حواشی لکھتے رہتے اور جب میاں صاحب کے پاس بہت زیادہ فتاویٰ آنے لگے اور تدریسی اوقات میں تاخیر ہونے لگی تو میاں صاحب نے فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد کر دیا۔

حضرت میاں کے ساتھ تدریس بھی فرماتے رہے اور مسجد کے امام بھی تھے۔ ان کے تلامذہ میں مشہور شاگرد مولوی حاجی عبدالغفار آف علی جان ہیں۔

۶ر جمادی الثانی ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۹ر فروری ۱۸۸۸ء دلی میں حضرت میاں صاحب کی زندگی میں انتقال کیا۔

سید عبدالسلام بن سید شریف حسین بن سید نذیر حسین دہلویؒ

مولانا سید عبدالسلام دہلوی حضرت میاں صاحب کے پوتے تھے۔ مولوی محمد اسحاق رام پوری سے علوم پڑھنے کے بعد تفسیر، حدیث اور فقہ کی تحصیل اپنے دادا حضرت میاں صاحب سے کی۔ حافظ قرآن تھے اور طلباء کو بلاناغہ ترجمہ قرآن مجید پڑھاتے۔ بعض طلباء کو

حدیث کی کتابیں بھی پڑھاتے تھے۔علم میراث میں دسترس حاصل تھی۔خط نستعلیق فارسی و عربی دونوں میں ید طولیٰ حاصل تھا۔

بندوق چلانے کے بے حد شوقین، مزاج امیرانہ، کم سخن مگر ﴿ خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ ﴾ کی عملی تصویر تھے۔۵۵ سال کی عمر میں آسودۂ لحد ہوئے۔

آپ کے بعد حضرت میاں صاحب کے خاندان کا کوئی فرد اپنے اسلاف کا جانشین نہ بن سکا۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے

(۳)

خاندانِ عُمر پور

1. معین الدین عبدالرحمٰن
2. عبیدالرحمٰن
3. عبداللہ عبدالصبور
4. عبیداللہ عبدالشکور
5. حافظ عبدالوکیل
6. عبدالجلیل فیصل
7. عبدالجبار
8. عبدالستار
9. عبدالغفار حسن
10. ضیاء الرحمٰن
11. صہیب حسن

معین الدین عبدالرحمٰن

موضع عمرپور ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر میں حاصل کی۔ اس کے بعد علوم اسلامیہ کی تحصیل مولوی غلام علی قصوری امرتسری سے کی۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلویؒ سے حاصل کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد اپنے قصبہ عمرپور اور بعد میں دوسرے مقامات پر تدریس فرماتے رہے۔ آپ کی تعلیم، تبلیغ اور وعظ و ارشاد سے بے شمار بزرگانِ خدا کو ہدایت نصیب ہوئی۔ ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء کو انتقال کیا۔

عبیدالرحمٰن

مولانا حکیم عبیدالرحمٰن بن مولانا معین الدین عبدالرحمٰن عمرپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا معین الدین عبدالرحمٰن اور عم زاد مولانا ضیاء الرحمٰن سے حاصل کی۔ بعد ازاں حدیث کی تحصیل مولانا عبدالواحد غزنوی، مولانا عبدالرحیم غزنوی بن سید عبداللہ غزنوی اور حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنوی سے حاصل کی۔ طب کی تعلیم پہلے اپنے والد سے بعد ازاں مولانا عبدالاحد خانپوری سے حاصل کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد طب کو ذریعہ معاش بنایا اور اس کے ساتھ درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

مدرسہ مطلع العلوم میرٹھ اور مدرسہ جامع اعظم (سابق ریاض العلوم) دہلی میں تدریس فرمائی۔ جون ۱۹۳۶ء مطابق ۱۳۵۵ھ میں دہلی سے ماہنامہ "ریاض توحید" جاری کیا۔ جو کئی سال تک جاری رہا۔

مولانا عبیدالرحمٰن نے ۱۹۴۶ء میں وفات پائی۔

عبداللہ عبدالصبور

مولوی عبداللہ عبدالصبور بن مولانا حکیم عبیدالرحمٰن عمرپوری نے دینی علوم کی تعلیم اپنے والد اور جدامجد مولانا معین الدین عبدالرحمٰن سے حاصل کی۔ اس کے علاوہ منشی فاضل کے امتحانات بھی پاس کیے۔ فراغت تعلیم کے بعد محکمہ تعلیم کو ذریعہ معاش بنایا اور مسلم علیم ہائی سکول کان پور میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ وعظ و تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

ان کا سن وفات معلوم نہیں ہو سکا۔

عبیداللہ عبدالشکور

مولوی عبیداللہ عبدالشکور بن مولانا حکیم عبیدالرحمٰن عمرپوری نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ بعد ازاں مدرسہ مطلع العلوم میرٹھ اور مدرسہ اسلامیہ میرٹھ میں علوم اسلامیہ میں تحصیل کی۔ بعد ازاں دہلی آئے اور مولانا احمداللہ محدث پرتاب گڑھی شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ اور مولانا عبدالرحمٰن شاہ پوری پنجابی سے بھی اکتساب فیض کیا۔

تکمیل تعلیم کے بعد درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا اور مدرسہ جامع اعظم دہلی میں تدریس پر مامور ہوئے۔ انتقال کب ہوا، معلوم نہیں۔

حافظ عبدالوکیل

مولوی عبدالوکیل بن مولانا حکیم عبیدالرحمٰن عمرپوری نے اپنی تعلیم دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے حاصل کی۔ بعد ازاں لکھنؤ یونیورسٹی سے ''فاضل ادب'' الٰہ آباد یونیورسٹی سے ''فاضل دینیات'' اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی عالم اور منشی فاضل کے امتحانات پاس کیے۔ بڑے اچھے واعظ تھے۔ انہیں تقریر کرنے کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ ذریعہ معاش محکمہ تعلیم کو بنایا۔ مسلم ہائی سکول فتح پوری دہلی میں کئی سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

آپ تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔

آپ کی تصانیف یہ ہیں:

(۱) پیغمبر اسلام

(۲) فلسفہ ارکان اسلام

عبدالجلیل فیصل ندوی

مولوی عبدالجلیل بن مولانا حکیم عبیدالرحمٰن عمرپوری نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ بعد ازاں پنجاب یونیورسٹی سے ''منشی فاضل'' لکھنؤ یونیورسٹی سے ''فاضل ادب'' اور ندوۃ العلماء لکھنؤ سے بھی فارغ التحصیل ہوئے۔ انگریزی زبان پر بھی مکمل عبور تھا۔ ذریعہ معاش تدریس تھا۔ مختلف دینی مدارس میں تدریس فرماتے رہے اور اس کے ساتھ علم و عمل کے حامل تھے۔ کب اس دنیا سے سفرِ آخرت اختیار کیا، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

عبدالجبار

مولانا عبدالجبار بن منشی بدرالدین عمرپوری جلیل القدر عالم اور عامل کتاب وسنت تھے۔ ۱۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ان کے اساتذہ کی فہرست طویل ہے۔

آپ نے صرف ونحو، بلاغت اور منطق کے بعض رسائل مولوی غلام علی قصوری امرتسری اور مولوی عبدالعلی امرتسری سے پڑھے اور مولوی ابراہیم شیعی پانی پتی سے بھی استفادہ کیا۔

فقہ اور اصول فقہ کی تحصیل مولانا محمد مظہر نانوتوی اور مولانا احمد علی محدث سہارن پوری سے کی۔فلسفہ اور ادب کی تعلیم مولانا فیض الحسن سہارن پوری سے حاصل کی۔

حدیث وتفسیر کی تحصیل شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد دہلی میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور اپنی ساری زندگی تدریس میں صرف فرمادی۔ ان کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل السّلفی ان کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔مولانا عبدالجبار عربی کے باکمال شاعر تھے۔

مولانا عبدالجبار عمرپوری درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

① ارشاد الانام المرضیة الجمعه فی کل مقام مشتملاً علی ردمافی تنبیه الانام.

② تبصره الانام برد مغالطات صیانته الانام.

③ تذکر الاخوان فی خطبة الجمعه بکل لسان

④ کسوٹی

⑤ نصیحته الاخوان فی حجاب النسوان

⑥ ارشاد السائلین فی مسائل الثلاثین

⑦ البراهین القاطعه فی رد الانوار الساطعه

⑧ حنفیوں کے سوالات کے محققانہ جوابات

⑨ صمصام التوحید فی رد التقلید

⑩ دیوان الشعر العربی

مولانا عبدالجبار نے ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں انتقال کیا۔

مولانا عبدالجبار عمر پوری نے ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں کلکتہ سے ماہنامہ ''ضیاء السنۃ'' جاری کیا۔ جو اس دور کا ماہوار اور علمی و تحقیقی رسالہ تھا۔ اس رسالہ میں مولانا عبدالجبار نے مولوی عبداللہ چکڑالوی کے باطل نظریہ کا رد کیا کہ دین کے اصول، فروع، کلیات و جزئیات، قرآن مجید میں واضح طور پر موجود ہیں لہٰذا سنت کی ضرورت نہیں۔

مولانا عبدالجبار نے دلائل و براہین کے ساتھ کئی اقساط میں اس نظریہ کا ابطال کیا۔

اہل علم طبقہ نے مولانا عمر پوری کے اس مقالہ کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور اس کی بہت تعرف و توصیف کی۔

ضیاء السنۃ ۱۹۰۶ء مطابق ۱۳۲۴ھ تک تقریباً تین سال جاری رہا۔ اس رسالہ کی طباعت و اشاعت اور ترتیب و تہذیب کی نگرانی مولانا ضیاء الرحمٰن عمر پوری کرتے تھے۔

ضیاء السنہ میں بڑے علمی تحقیقی مقالات شائع ہوئے۔ جن میں چند ایک مقالات یہ تھے:

① خلافت اسلامی

② آنحضرت ﷺ کا مبعوث ہونا

③ ہندوستان میں عربی کے نامور شعراء

④ فیصلہ آرہ

⑤ عصمت نبوی

⑥ معجزات نبوی

⑦ عربی زبان کی فوقیت و خصوصیت

⑧ حرمت مُتعَہ وغیرہ

ضیاء السنۃ میں ممتاز اہلِ قلم مضامین لکھتے تھے۔

مثلاً مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی، مولانا عبدالسلام مبارکپوری صاحب سیرت البخاری، مولانا عبید الرحمٰن عمرپوری، مولانا ابویحییٰ محمد شاجہاں پوری، مولانا ضیاء الرحمٰن عمرپوری اور مولانا ابونعمان اعظم گڑھی وغیرھم۔

عبدالستار

مولانا عبدالستار بن مولانا عبدالجبار عمرپوری ۱۳۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل مولانا معین الدین عبدالرحمٰن عمرپوری، مولانا حکیم عبید الرحمٰن عمرپوری، مولانا محمد بشیر سہسوانی اور اپنے والد ماجد مولانا عبدالجبار عمرپوری سے حاصل کی۔

قرآن مجید مدرسہ احمدیہ آرہ میں تین ماہ میں حفظ کیا۔ فراغت تعلیم کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ اختیار کیا۔ آپ بڑے عابد و زاہد اور اخلاص کا نمونہ تھے۔ لیکن عمر نے وفا نہ کی اور ۲۴ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اور آپ کا انتقال اپنے والد مولانا عبدالجبار سے ایک ماہ بعد ہوا۔ دو رسالے بھی لکھے۔ جن کے نام یہ ہیں:

(۱) اثبات الخبر فی رد منکر الاثر. (منکرین حدیث کی تردید میں ہے)

(۲) تردید مرزائے قادیان

مولانا عبدالستار عمرپوری نے یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ مطابق ۶/مارچ ۱۹۱۶ء کو انتقال کیا۔

مولانا عبدالغفار حسن ان کی سیرت و کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مولانا عبدالستار مرحوم عمرپوری کو جہاد فی سبیل اللہ کا بہت شوق تھا۔ شہادت کی تمنا ہر وقت دل میں موجزن رہتی تھی۔ اور ہر وقت جذبہ جہاد سے سرشار رہتے تھے۔ خفیہ طور پر

حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریک مجاہدین کی مالی اعانت بھی فرمایا کرتے تھے۔

عبدالغفار حسن

مولانا عبدالغفار حسن بن مولانا عبدالستار بن مولانا عبدالجبار عمر پوری ممتاز عالمِ دین، محقق، مدرس، مفتی، عربی، اُردو کے مایہ ناز ادیب، دانشور اور صاحب فکر و تدبر اور خطیب و مقرر ہیں۔

آپ ۱۰؍جون ۱۹۱۳ء مطابق ۱۴؍رجب ۱۳۳۱ھ بروز جمعۃ المبارک عمرپور ضلع مظفرنگر میں پیدا ہوئے۔

دینی تعلیم کا آغاز دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے کیا۔ اور اس مدرسہ میں آپ نے اپنی تعلیم مکمل کی۔ آپ نے جن اساتذہ کرام سے مختلف علوم وفنون میں استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں:

① شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی
② شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری
③ مولانا نذیر احمد دہلوی
④ مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی
⑤ مولانا محمد بن یوسف سورتی
⑥ مولانا خیر محمد جالندھری (حنفی)
⑦ مولانا سکندر علی ہزاروی (حنفی)
⑧ مولانا محمد شریف اللہ خاں سواتی (حنفی)

آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کے

امتحانات امتیازی نمبروں سے پاس کیے۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور تدریس کا آغاز مدرسہ احمدیہ سے کیا۔ کچھ مدت بعد جامعہ رحمانیہ بنارس تشریف لائے اور وہاں تدریسی خدمات انجام دیں۔ بعد ازاں آپ نے مالیر کوٹلہ (مشرقی پنجاب) کے ایک مدرسہ میں بھی ۶ سال تک تدریس فرمائی۔

قیام پاکستان پر پاکستان تشریف لے آئے۔ یہاں آ کر آپ نے دو سال تک دارالحدیث رحمانیہ کراچی، ایک سال جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور دو سال تک مدرسہ دارالقرآن فیصل آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

اس کے بعد آپ کو حکومت سعودی عرب نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کی دعوت دی۔ جسے آپ نے منظور فرمالیا۔ آپ نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں ۱۷ سال تک حدیث کی تدریس فرمائی۔ اس کے بعد آپ دارالافتاء سعودیہ سے وابستہ ہو گئے۔ اور اس سلسلہ میں مختلف ممالک کے سفر کیے۔ کینیا میں آپ کا قیام کچھ مدت رہا۔ وہاں آپ نے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی اور اس میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

اس کے بعد حکومت سعودیہ نے آپ کا تقرر بحیثیت مبعوث کیا۔ تو آپ لندن تشریف لے گئے اور لندن میں آپ نے ''قرآن سوسائٹی'' کے نام سے ایک انجمن قائم کی۔ جب آپ پاکستان تشریف لائے تو مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف مرحوم کے مدرسہ تعلیمات اسلامیہ سے وابستہ ہو گئے۔ اور اس مدرسہ میں بھی آپ نے کئی سال تفسیر و حدیث کا درس دیا۔

مولانا عبدالغفار حسن ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی سے وابستہ ہوئے اور رکن مجلس شوریٰ رہے۔ جماعت سے آپ کا تعلق ۱۹۵۷ء تک رہا۔ ان کی جماعت اسلامی سے علیحدگی کا سبب مولانا مودودی مرحوم کا ایک مضمون ''حکمت عملی'' تھا۔ جو دسمبر ۱۹۵۶ء کے ترجمان القرآن میں شائع ہوا۔

مولانا عبدالغفار حسن عربی، فارسی، اُردو اور انگریزی کے قادر الکلام مقرر ہیں۔ تمام

علوم اسلامیہ میں ان کو مہارت حاصل ہے۔خاص کر تفسیر، حدیث، اصول حدیث اور فقہ و اصول فقہ میں ان کو ید طولیٰ حاصل ہے۔

آپ کی ساری زندگی درس و تدریس میں گزری۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

علامہ احسان الٰہی ظہیر، مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی، مولانا حافظ مسعود عالم استاد جامعہ سلفیہ فیصل آباد، مولانا محمد بشیر سیالکوٹی، مولانا محمد عبداللہ فیصل آبادی اور آپ کے صاحبزادگان صہیب حسن، سہیل حسن، راغب حسن اور خبیب حسن ۔مولانا عبدالغفار حسن تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔آپ کے چھوٹے چھوٹے کئی رسائل شائع ہو چکے ہیں۔تاہم آپ کی تصانیف یہ ہیں:

(۱) قصص القرآن (عربی)	(۲) انتخاب حدیث
(۳) عظمت حدیث	(۴) معیار خاتون
(۵) حقیقت دعا	(۶) دین میں غلوّ

مولانا عبدالغفار حسن کے صاحبزدگان بھی دینی علوم سے بہرہ ور ہیں۔دین اسلام کی اشاعت اور کتاب و سنت کی ترقی و ترویج میں سرگرم عمل ہیں۔

(۱) صہیب حسن۔ایم اے عربی، ایم فل انگلینڈ، مولوی فاضل اور فاضل مدینہ یونیورسٹی، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔آج کل لندن میں اشاعت اسلام میں مصروف عمل ہیں۔

(۲) ڈاکٹر سہیل حسن، فاضل مدینہ یونیورسٹی۔آج کل ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے وابستہ ہیں اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔

(۳) راغب حسن، فاضل مدینہ یونیورسٹی۔استاد جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد۔

(۴) خبیب حسن، فاضل مدینہ یونیورسٹی۔

ضیاء الرحمٰن

مونا ضیاء الرحمٰن بن منشی بدر الدین عمر پوری علمائے فحول میں سے تھے۔علوم دینیہ کی تحصیل مولانا معین الدین عبد الرحمٰن عمر پوری سے حاصل کی۔ بڑے کثیر المطالعہ تھے۔اس لیے حدیث اور اس کے متعلقات پر آپ کی نظر وسیع تھی۔

مولانا ضیاء الرحمٰن زہد و ورع، تقویٰ و طہارت اور علم و عمل میں نمونۂ سلف تھے۔ان کی ساری زندگی کلکتہ میں گزری۔آپ رسالہ ''ضیاء السنۃ'' کے نگران رہے جو کئی سال تک قرآن و حدیث کی خدمت میں پیش پیش رہا۔

آپ نے کئی ایک کتابیں لکھیں لیکن صرف ایک کتاب کا نام مل سکا ہے۔کتاب تعلیم الصلوٰۃ جو ۷۲ صفحات پر مشتمل ہے، ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی۔

مولانا ضیاء الرحمٰن کا سن وفات معلوم نہیں ہو سکا۔

صہیب حسن

مولانا صہیب حسن بن مولانا عبد الغفار حسن عمر پوری ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد عالم عربی، فاضل عربی، ایف اے، بی اے، ایم اے عربی کے امتحانات امتیازی نمبروں میں پاس کیے۔چار سال جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں گزارے۔ اور ۱۹۶۶ء میں وہاں سے سند فراغت حاصل کی۔ بعد ازاں آپ نے برمنگھم یونیورسٹی (انگلستان) سے علم حدیث اور فن جرح و تعدیل کے عنوان سے ایک مستقل مقالہ انگریزی میں تحریر کر کے ایم اے کی سند حاصل کی۔

مولانا صہیب حسن عمر پوری نے جن اساتذہ سے علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں:

① مولانا عبدالغفار حسن (والد محترم)

② مولانا عبداللہ ویرووالوی (امرتسری)

③ شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ ساہیوال

④ فضیلۃ الشیخ محمد امین شنقیطی (مدینہ منورہ)

⑤ حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث گوندلویؒ

⑥ فضیلۃ الشیخ علامہ ناصرالدین البانی

⑦ فضیلۃ الشیخ علامہ حماد الانصاری (مدینہ منورہ)

⑧ سماحۃ الشیخ علامہ عبدالعزیز بن باز مفتی اعظم المملکۃ السعودیہ العربیہ

⑨ فضیلۃ الشیخ علامہ محمد عمر

فراغت تعلیم کے بعد حکومت سعودیہ نے نیروبی (افریقہ) میں دعوت و تدریس کے سلسلہ میں بھیجا۔ وہاں آپ نے ۹ سال گزارے۔ اس کے بعد حکومت سعودیہ نے آپ کو لندن بھیج دیا۔ جہاں آپ آج تک دعوت دین کا کام تسلسل اور ذمہ داری سے کر رہے ہیں۔

مولانا صہیب حسن تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ آج تک ان کی درج ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں:

◇۱ اثبات ختم نبوت (تردید قادیانیت) (انگریزی)

Truth About Ahmadiyyat (A.Refutaion of Qadiyaniat.)

◇۲ قرآنی قصص کی سلسلہ وار اشاعت (انگریزی)

(THE STUDY OF AL-QURAN (CORRESPONDENCE COURSE)

◇۳ محدثین کا معیار جرح و تعدیل (انگریزی)

AMONG MUSLIM. WITH REFERENDE TO SUNAN/BN

MAJA , CIRTICISM OF HADITH.

④ اسلام اور اشتراکیت مؤلفہ مولانا مسعود عالم ندوی کا عربی میں ترجمہ

⑤ مسلمانوں کے قرآن مجید پر حقوق۔ مؤلفہ ڈاکٹر اسرار احمد کا عربی ترجمہ

⑥ عقیدہ طحاویہ کے متن اور تقدیر پر ایک عربی کتابچے کا انگریزی ترجمہ مع مختصر حواشی

1- THE MUSLIM CREED

2- FAITH IN PREDESTINATION

اس کے علاوہ ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم کے اُردو، انگریزی ایڈیشن میں ان کے مضامین اُردو، انگریزی اور عربی وغیرہ میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

(۴)

علمائے بنارس

(خاندان مولانا سید جلال الدین بنارسیؒ)

1. سید جلال الدین احمد جعفری ہاشمی
2. سید سعید الدین احمد جعفری
3. سید مجید الدین احمد جعفری
4. سید حمید الدین احمد جعفری
5. سید شہید الدین احمد جعفری
6. سید نذیر الدین احمد جعفری
7. سید بشیر الدین احمد جعفری

سید جلال الدین احمد جعفری

مولانا سید جلال الدین احمد جعفری ہاشمی بن مولوی سید عبدالاعلیٰ ۱۲۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل اپنے والد ماجد اور مولوی احمد اللہ بنارسی سے کی۔ دہلی میں مولوی اسمٰعیل سے استفادہ کیا اور حدیث کی تکمیل مولانا شیخ عبدالحق محدث بنارسی سے کی۔ عمل بالحدیث اور اتباع سنت کا جذبہ انہی کی صحبت میں مستحکم ہوا۔

مولوی خرم علی سے فاتحہ خلف الامام پر آپ کا مشہور مناظرہ ہے۔

آپ بڑے ذہین تھے اور حافظہ قوی تھا۔ رمضان میں صبح ایک پارہ حفظ کرتے اور رات کو بالالتزام تراویح میں سُنا دیتے۔

مدت تک بنارس کالج میں مدرس رہے۔ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے۔

بڑے جامع الکمالات اور صاحب کرامات تھے۔

آپ کی تصانیف یہ ہیں:

(۱) فاتحہ الصواب فی قرأته فاتحه خلف الامام (فارسی)

(۲) زبدۃ اللباب فی قرأۃ فاتحه خلف الامام (اُردو)

(۳) القول المنصور

(۴) فرهنگ اخوان الصفا

(۵) زبدۃ القوانین (عربی)

(۶) شرح کافیه (عربی)

(۷) قواعد اُردو

مولانا سید جلال الدین احمد نے ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۳ء میں ۵۸ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

سید سعید الدین احمد جعفری ہاشمی

مولانا سعید الدین احمد بن مولانا سید جلال الدین احمد ۱۲۵۲ھ میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم اپنے والد اور شیخ عبدالحق محدث بنارسی سے حاصل کی۔ فراغت تعلیم کے بعد سیتاپور کے سکول میں مدرس ہوئے۔ پھر لکھنؤ کے سکول میں مدرس رہے، بعد میں بنارس کالج میں تبادلہ ہوگیا۔

آپ بڑے ذہین اور طبّاع تھے۔ شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا۔ طب یونانی میں بھی مہارت تھی اور عربی ادب کے بے مثل ادیب تھے۔ تدریس کے بعد جو وقت ملتا، وہ مطالعہ میں گزارتے۔ تلاوت قرآن مجید اور کتب احادیث کا مطالعہ بہت زیادہ کرتے تھے۔

آپ بہت بڑے متبع سنت تھے۔ ان کا ہر عمل سنت نبوی کا نمونہ ہوتا تھا۔ بنارس کی شاہی مسجد میں آمین بالجہر کی پابندی تھی۔ آپ اس مسجد میں رفع الیدین اور آمین بالجہر کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے اور اس سلسلہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

تصنیف میں ان کی دو کتابیں زیادہ مشہور ہیں:

(۱) لغات القرآن

(۲) منہاج الفردوس

۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء بنارس میں انتقال کیا۔

سید مجید الدین احمد جعفری ہاشمی

مولانا سید مجید الدین احمد جعفری ہاشمی ۱۲۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم اپنے بھائیوں سے حاصل کی۔ فارسی کی تعلیم مولوی محمد بخش سے حاصل کی۔ فراغت کے بعد سکول کی ملازمت اختیار کی۔ اپنے والد مولانا سید جلال الدین احمد کی طرح بڑے متبع سنت تھے۔ اور احیائے سنت میں پیش پیش رہتے تھے۔ بڑے پر آشوب دور میں رفع الیدین اور آمین بالجہر شروع کی۔ جس پر آخری دم تک قائم رہے۔ بڑے عبادت گزار اور درویش منش انسان تھے۔ دُنیا سے ہمیشہ بے تعلق رہے۔ ۳۳ سال کی عمر میں سرسام کی بیماری سے ۲۰ر جمادی الاوّل ۱۲۹۸ھ مطابق ۲۴ر مئی ۱۸۷۸ء بنارس میں انتقال کیا۔

سید حمید الدین احمد جعفری ہاشمی

مولانا سید حمید الدین احمد بن مولانا سید جلال الدین احمد ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد مولانا سید جلال الدین احمد، دادا مولوی شاہ عبدالاعلیٰ اور شیخ عبدالحق محدث بنارسی سے تحصیل علوم دینیہ کی۔ سب سے زیادہ استفادہ آپ نے محدث بنارسی سے کیا۔ طب کی تعلیم حکیم نعمت علی سے حاصل کی۔

فراغت تعلیم کے بعد پٹنہ میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ بعد میں مولانا سید جلال الدین کے انتقال کے بعد بنارس کالج میں مدرس ہو گئے۔ مولانا سید حمید الدین احمد بڑے متبع سنت تھے۔ احیائے سُنت میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ نماز ہمیشہ رفع الیدین اور آمین بالجہر سے ادا فرماتے۔ بہت عبادت گزار تھے۔ تہجد کی نماز زندگی بھر نہیں چھوڑی۔

بدعات اور محدثات سے سخت متنفر تھے۔

آپ کا مکان ہمیشہ علمائے اہلحدیث کا ملجا و ماویٰ رہا۔ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا حافظ ابراہیم آروی اور مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی رحمہم اللہ اجمعین جب کبھی بنارس تشریف لاتے تو آپ کے مکان پر ہی فروکش ہوتے۔

مولانا سید حمید الدین نے ۵۸ سال کی عمر میں ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں بنارس میں وفات پائی۔

سید شہید الدین احمد جعفری ہاشمی

مولانا سید شہید الدین احمد بن مولانا سید جلال الدین احمد ۱۲۶۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی فارسی اور عربی کی تعلیم مولوی عبدالرب جون پوری اور مولوی محمد بخش بنارسی سے حاصل کی۔ بعد ازاں مولانا حمید الدین احمد اور مولانا شیخ عبدالحق محدث بنارسی سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی۔ فراغت تعلیم کے بعد ریواں ہائی سکول میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ آپ تعمیر مساجد اور رفاہی کاموں میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ ریواں ہائی سکول میں آپ ۶ سال تک رہے۔ اس کے بعد بنارس کالج میں مدرس ہو گئے اور ۲۴ سال تک اس کالج میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

اس کے بعد تھیاسوفیکل کالج بنارس میں تدریس پر مامور ہوئے اور ۵ سال تک اس کالج میں تدریس کی۔

مولانا سید شہید الدین بہت عمدہ مصنف بھی تھے۔

آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

① واعظ نماز ② ترغیب تہجد ③ نکاح بیوگان ④ عمدہ لغات القرآن

صاحب تراجم علمائے حدیث نے ان کی کچھ اور تصانیف کے نام لکھے ہیں:
مثلاً تحفۃ الحفاظ، معلم اللسانین (عربی و فارسی)، شہید اللغات، حنفی وہابی کی پہچان، تذکرو تانیث اُردو وغیرہ۔

آپ نے ۲۳ر محرم الحرام ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹ر اکتوبر ۱۹۱۸ء بنارس میں انتقال کیا۔

سید نذیر الدین احمد جعفری ہاشمی

مولانا سید نذیر الدین بن مولانا سید حمید الدین بن مولانا سید جلال الدین ۶ر جمادی الثانی ۱۲۸۴ھ بنارس میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام ''مظہر الحق'' تھا۔ مولانا قاضی محمد مچھلی شہری، مولانا شیخ عبدالحق بنارسی، مولانا حافظ عبداللہ محدث، مولوی سید عبداللہ بلگرامی، مولانا محمد سعید بنارسی، حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی اور علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے آپ نے مختلف علوم وفنون میں استفادہ کیا۔ انگریزی زبان پر بھی انہیں مکمل عبور تھا۔ بعد فراغت مختلف سرکاری محکموں میں ملازم رہے اور آخر عربی مدارس کو مزین فرمایا۔
مدرسہ شاہجہانی بھوپال، مدرسہ سلفیہ دربھنگہ اور بنارس میں درس وتدریس فرمائی۔

تصانیف میں ان کی درج ذیل کتابیں ہیں:

(۱) ترجمہ وشرح شفا قاضی عیاض　　(۲) کرامات اولیاء
(۳) تحفہ اخیار　　(۴) تذکرہ الاعلیٰ

آپ نے ۱۲ر ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۳۱ر مارچ ۱۹۳۴ء کو بنارس میں انتقال کیا۔

سید بشیر الدین احمد جعفری ہاشمی

مولانا سید بشیر الدین بن سید شہید الدین بن سید جلال الدین علمائے فحول میں سے تھے۔ ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ مولوی رحمان علی قاضی ریاست ریواں سے تعلیم کا آغاز کیا۔ دینی تعلیم مولانا محمد سعید محدث بنارسی سے حاصل کی۔ ذریعہ معاش کے لیے محکمہ تعلیم کو پسند کیا۔ بلرام پور اعظم گڑھ کے ہائی سکولوں میں ہیڈ مدرس رہے۔ بعد ازاں مشن کالج گورکھ پور میں پروفیسر ہوگئے۔

گورکھ پور میں آپ کو ثقل سماعت کا عارضہ شدید لاحق ہوا۔ جس کی وجہ سے سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوگئے اور بنارس آ گئے۔

بنارس کے مدرسہ سعیدیہ میں تدریس پر مامور ہوئے۔ اور بعد ازاں الہ آباد یونیورسٹی کے شعبہ علوم شرقیہ میں تدریس فرمائی۔ کئی سال سکولوں اور کالجوں کے شعبہ امتحانات کے ممتحن بھی رہے۔

آپ تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

(۱) تفریق الاسلام

(۲) بشیر اللغات (عربی، فارسی، اُردو، انگریزی)

(۳) نگارستان

(۵)

علمائے بنارس

(خاندان مولانا محمد سعید بنارسیؒ)
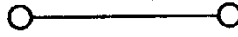
1. محمد سعید بنارسی
2. عبدالرحمٰن
3. ابوالقاسم سیف بنارسی
4. ابومسعود قمر بنارسی
5. قاری احمد سعید بنارسی
6. عبدالآخر بنارسی

محمد سعید بنارسی

مولانا محمد سعید کنجاہ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ سکھ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا سابقہ نام سردار مول سنگھ تھا۔ والد کا نام کھڑک سنگھ جو گوجرانوالہ میں پوسٹ ماسٹر تھے۔

مولانا شیخ عبید اللہ نو مسلم صاحب تحفۃ الہند کی تحریک پر اسلام قبول کیا اور دارالعلوم دیوبند جا کر داخل ہو گئے۔ وہاں آپ نے صرف ونحو، فقہ، منطق، فلسفہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد دہلی کا سفر اختیار کیا۔ حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین سے تفسیر وحدیث کی تحصیل کی۔ اس کے بعد مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بقیہ کتب درس پڑھیں۔ اس کے بعد آپ حجاز تشریف لے گئے۔ حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کی اور شیخ معمر عباس بن عبدالرحمٰن تلمیذ قاضی شوکانی س ےبھی حدیث کی سند و اجازت حاصل کی۔

حجاز سے واپسی کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور مولانا حافظ ابراہیم آروی کے مدرسہ احمدیہ آرہ میں تدریس پر مامور ہوئے۔ مدرسہ احمدیہ آرہ میں آپ کا قیام زیادہ نہ رہا۔ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کی تحریک پر بنارس تشریف لے گئے۔ اور وہاں آپ نے مدرسہ سعیدیہ کے نام سے ایک درسگاہ کی بنیاد رکھی اور درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ میں مشغول ہو گئے۔

بنارس کے قیام میں علمائے احناف نے آپ کو بہت زچ کیا۔ آپ سے مناظرے و مباحثے بھی کیے۔ مصائب وآلام سے دوچار کیا، لیکن آپ کے پائے ثبات استقلال میں لغزش نہ آئی۔ آپ نے بڑے تحمل وصبر سے ان کا مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر قدم پر کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کیا۔

مولانا محمد سعید بہت بڑے مناظر بھی تھے۔علمائے احناف سے آپ کے کئی تحریری و تقریری مناظرے ہوئے۔

ایک تقلیدی عالم مولوی عبدالرحمٰن پانی پتی نے ایک رسالہ بنام ''کشف الحجاب'' لکھا جس میں حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین دہلوی اور محی السنۃ مولانا سید نواب صدیق حسن خاں پر طعن و تشنیع کی گئی تھی۔مولانا محمد سعید بنارسی نے اس کے جواب میں ''ہدایۃ المرتاب'' لکھی جس میں پانی پتی کے تمام اعتراضات کا دلائل سے جواب دیا۔

نواب صاحب نے اس جواب کو اس قدر پسند فرمایا کہ پچاس روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ اشاعت و تبلیغ کی غرض سے ایک مطبع ''بنام سعید المطابع'' قائم کیا۔اس مطبع نے توحید و سنت کی حمایت اور شرک و بدعت کی تردید میں لاکھوں ورق شائع کیے۔

مولانا محمد سعید بنارسی نے ۱۸ر رمضان ۱۳۲۲ھ مطابق ۲۷ر نومبر ۱۹۰۴ء بنارس میں انتقال کیا۔

مولانا محمد سعید بنارسی صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

(۱)کشف المغطا عن ازالته الخفاء،(۲)طریق النجاه لاهل الصلاح فی جواب طریق الفلاح،(۳)کسر العرىٰ باقامته الجمعهفی القرىٰ، (۴)برهان الجلی فی رد والدلیل القوىٰ،(۵)تعلیم المبتدی فی تحقیق القرأةللمقتدی، (۶)لقطع حبل بالتامین بالرد علی القول المتین، (۷)السکین تقطع حبل المتین،(۸) سیف الموحدین علی عنق ردا السکین ،(۹)الرد لرد الرد مع ابداء العرة لمولف القرة،(۱۰)الاخبار لجواب الاشتهار،(۱۱)کشف المستور عن لرد مرزا پور،(۱۲)ازاله الثین عن جلاء العین ،(۱۳)رد الترديد الی اهل بردمع قرة العین برد ما وقع فی ضیاء العین،(۱۴)اکرام اهل الایمان، (۱۵)ثبوت تحریری اتاوه مقدمه التقلید،(۱۶)فتاوىٰ سعیدیه ،(۱۷)دفع العظیم عن حدیث رسول اکریم،(۱۸)خلاصه المعتقد والمنقد،

(۱۹)الفوائد التحقیقه من الدرر التفریظه (۲۰)عمارة المساجد بهدم اساس جامع الشواهد،(۲۱)تولیق الحد السدید جوابا علی رساله التحقیق المزید، (۲۲)رد الجواب علی وجه المرتاب، (۲۳) کیفیت مناظرہ مرشد آباد، (۲۴) کیفیت مناظرہ جونا گڑھ)، (۲۵)جواب الجواب سوالات خمسه، (۲۶)اعلام اهل الانصاف عما صدر عن مؤلف تحفت الاحناف،(۲۷)هدایه المرتاب برد فی کشف الحجاب،(۲۸)اقبال الحی رد عبدالحی،(۲۹)کشف الارتیاب عن اجوبته المرتاب،(۳۰)السعی المقبول برد اجابة المسؤل، (۳۱)سیف الابرار علی رأس الاشرار فی جواب فتح الاخیار،(۳۲)توبہ نامہ،(۳۳) کیف مقدمات مسجد بڑ تلے بنارس،(۳۴) ترجمہ فیصلہ مولانا مبارک حسین مصنف بنارس۔

عبدالرحمٰن

مولانا عبدالرحمٰن بن مولانا محمد سعید بنارسی ۶ر شعبان ۱۳۱۷ھ کو بنارس میں پیدا ہوئے۔علوم اسلامیہ کی تحصیل مولانا سید عبدالکبیر بہاری، مولانا حکیم عبدالمجید بنارسی، مولانا سید جلال الدین احمد جعفری ہاشمی اور اپنے والد ماجد مولانا محمد سعید بنارسی سے حاصل کی۔

فراغت کے بعد متاہلانہ زندگی میں ایسے اُلجھے کہ درس و تدریس کی طرف توجہ نہ دے سکے۔اور ۳۶ برس کی عمر میں ۱۶ر ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۲ر مارچ ۱۹۲۵ء کو سفرِ آخرت اختیار کیا۔

محمد ابوالقاسم سیف

مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی بن مولانا محمد سعید بنارسی علمائے فحول میں تھے۔ جماعت اہل حدیث کے ممتاز عالم دین، مناظر، مدرس، خطیب، مصنف، صحافی اور ممتاز سیاستدان تھے۔ ایک زمانہ تھا کہ برصغیر میں تین علمائے اہلحدیث کا طوطی بولتا تھا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی۔ مولانا ابوالقاسم یکم شوال ۱۳۰۷ھ کو محلہ دارانگر میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "فضل قادر" تھا۔

۷ سال کی عمر میں قرآن مجید سے تعلیم کا آغاز ہوا اور اس کے بعد بالالتزام حفظ کیا۔ مولانا ابوالقاسم بنارسی نے جن اساتذۂ کرام سے جملہ علوم اسلامیہ میں تحصیل کی ان کے نام یہ ہیں:

مولانا سید عبدالکبیر بہاری، مولانا سید نذیر الدین احمد جعفری ہاشمی، مولانا حکیم عبدالمجید بنارسی، مولانا محمد سعید محدث بنارسی، مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی، مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی، شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی، اور علامہ شیخ حسین بن محسن انصاری الیمانی۔

مولانا ابوالقاسم ۱۶ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے اور اس کے بعد اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ سعیدیہ بنارس میں تدریس پر مامور ہوئے۔ آپ نے ساری زندگی تدریس فرمائی اور ۴۰ مرتبہ سے زیادہ صحیح بخاری و مسلم کا درس دیا۔

درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کے ساتھ کتاب و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید و توبیخ کے سلسلہ میں اک ماہنامہ رسالہ بنام "السعید" جاری کیا۔ مگر یہ رسالہ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔

مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی ایک کامیاب مناظر اور مبلغ تھے۔ عیسائیوں، آریہ سماج،

قادیانیوں، شیعوں، اہل بدعت اور منکرین حدیث سے کئی مناظرے کیے۔ آل انڈیا اہلحدیث کانفرس کو منظم و فعال بنانے میں ان کی خدمات نمایاں ہیں۔ آپ آل انڈیا اہل حدیث کانفرس کے بلا تنخواہ سفیر اور واعظ تھے۔

۱۹۳۲ء میں مولانا عبدالمجید سوہدروی نے سوہدرہ میں تین روزہ اہلحدیث کانفرنس کا انعقاد کیا، تو اس میں آپ سوہدرہ تشریف لائے تھے۔ مولانا ابوالقاسم بنارسی حدیث کے معاملہ میں معمولی سی بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ حدیث نبوی ﷺ سے آپ کو بہت زیادہ محبت تھی۔ پٹنہ کے ایک غالی مقلد مولوی عمر کریم نے حدیث صحیح بخاری اور امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ پر بے جا قسم کے اعتراضات کا سلسلہ شروع کیا اور چند ایک رسائل اور اشتہار شائع کیے۔ مولانا ابوالقاسم نے ان سب رسائل اور اشتہارات کا جواب دیا۔

مولانا ابوالقاسم بنارسی نے ۲۵/نومبر ۱۹۴۹ء مطابق ۴/صفر ۱۳۶۹ھ کو انتقال کیا۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں:

"مولانا ابوالقاسم نے اپنے دور میں بڑی شہرت پائی۔ تقریر و تحریر میں ان کا مقام بہت اونچا تھا۔ تدریس و تصنیف میں بھی انہوں نے بڑا نام پایا۔ بہت سے حضرات نے ان سے تحصیل علم کی اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا باعث بنے۔ سیاست میں بھی ان کا دائرہ وسیع تھا۔ آزادی وطن کے لیے بار بار جیل میں گئے اور سزائیں جھیلیں۔ عالی دماغ، بلند ذہن اور اونچے فکر و خیال کے عالم تھے۔ زبان کے میٹھے، دل کے صاف اور عمل و کردار میں اپنی مثال آپ تھے۔"

مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم نے مولانا ابوالقاسم بنارسی کے انتقال پر حسب ذیل تعزیتی شذرہ لکھا۔ شذرہ کا عنوان تھا:

آہ! مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی:

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں ‌ ‌ ‌ ‌ کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی

قیس کی موت تنہا آدمی کی موت نہیں۔ اس کے مرنے سے تو پوری قوم کی عمارت گر

پڑی۔

شکوہ اللہ سے ہے، لوگوں سے نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ زمین کی آبادیاں جوں کی توں قائم ہیں اور دوست ہیں چلے جا رہے ہیں۔

دوستو! موت کے سوا اور کوئی مصیبت ہوتی تو اس کا گلہ اور چارہ سازی بھی ہوتی۔ موت پر کیا گلہ؟

علمی حلقوں میں بالعموم اور جماعت اہل حدیث میں بالخصوص یہ خبر بڑے حزن و ملال سے سنی جائے گی۔ کہ حضرت العلام ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی ۴ رصفر ۱۳۶۹ھ کو جمعہ کے روز ۱۲ بجے فالج کے شدید حملہ سے چل بسے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ؕ

مرحوم یگانۂ روزگار عالم شیوا بیان مقرر اور نکتہ سنج مناظر تھے۔ حدیث وفقہ کی جزئیات پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ اسلامی تاریخ جن سے علمائے عربی کو بہت کم لگاؤ ہوتا ہے۔ مولانا کا خاص موضوع تھا۔ اور پھر اسلامی تاریخ کا وہ حصہ جس کا تعلق محدثین کے سیر وسوانح سے ہے وہ تو گویا انہیں ازبر تھا۔ وقت کی تمام علمی وسیاسی تحریکوں میں نمایاں حصہ لیا، ابتداء ہی سے جمعیت علمائے ہند کے ساتھ رہے اور کئی بار جیل بھی گئے۔

علمی کمالات کے ساتھ ساتھ نہایت محبوب شخصیت رکھتے تھے۔ جس دوست سے ایک مرتبہ ملے اسے ہمیشہ کے لیے گرویدہ بنا لیا۔ آخری بار مرحوم سے مؤائمہ (اعظم گڑھ) میں ملاقات ہوئی۔ کتنا اخلاص، کتنی اپنائیت اور کس درجہ تواضع کے مناظر دیکھنے میں آئے۔ اللہ اللہ! اب یہ مواقع کہاں ملیں گے۔

نظریہ اہل حدیث سے تو مرحوم کو عشق تھا۔ جب تک زندہ رہے اس کی اشاعت وتبلیغ میں کوشاں رہے۔

مرحوم ''غنیمت کنجاہی'' کے تاریخی گاؤں کنجاہ (گجرات، پاکستان) کے ایک غیر مسلم خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت سے اور صلاح و

تقویٰ کی بہت بڑی مقدار سے نوازا۔ اور ان پر اللہ تعالیٰ کا دوگونہ فضل تھا۔ یعنی عقیدہ وعمل کی صحت کے ساتھ علم وفضل کی برکتیں بھی ارزانی ہوئیں۔

ان کی رحلت سے جو جگہ خالی ہوئی ہو وہ آسانی سے پُر نہ ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کی بارش برسائے۔

تصانیف:

مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی ایک کامیاب مصنف بھی تھے۔ آپ صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱)جمع القرآن والحديث، (۲)اللؤلؤ والمرجان فی تكلم المرائة بآيات القران، (۳)قضيه الحديث في حجية الحديث، (۴)لؤلؤ الشرع فی حديث ام زرع، (۵)حصول المرام(عربی ، اُردو)، (۶)اربعين محمدی، (۷)حسن الصناعة فی صلوٰة التراويح بالجماعة، (۸)تحرير الطرفين فی صلوٰة التراويح و تكبير العيدين، (۹)هداية السائل الى احاديث وائل، (۱۰)نافع الاحناف، (۱۱)احسن المسائل، (۱۲)روز مرہ مسائل ضروریہ، (۱۳)کسوٹی معیار اسلام، (۱۴)سوالات از علمائے دین، (۱۵)السعید (ٹریکٹ نمبر۱)، (۱۶)بارہ سوالات کے جوابات، (۱۷)حكم الحاكم فی كنيته ابی القاسم، (۱۸)الافكار على الاذكار. (۱۹)حل مشكلات بخاری مسمی به الكوثر الجاری فی جواب الجرح على البخاری(۳جلد)، (۲۰)لامر المبرم لابطال المحكم (۲۱) ماءٔ حميم للمولو ی عمر كريم، (۲۲)صراط مستقيم لهداية عمر كريم ، (۲۳)الريح العقيم لحسم بناء عمر كريم ، (۲۴)الخزی العظيم للمولوی عمر كريم ، (۲۵)العرجون القديم فی افشاء عمر كريم ، (۲۶) الجرح على ابی حنيفه، (۲۷)السير الحيثيت الى برائة اهل الحديث، (۲۸)دفع بهتان العظيم ، (۲۹)ترجمه كتاب الرد على ابی حنيفه،

(۳۰)قشف الشرفی رد کشرف السر، (۳۱)شرعی باز پرس در فتوٰی جواز عرس، (۳۲)الصول السدید علی مصنف القول السدید ، (۳۳)البتدید لما فی الهتدید ، (۳۴) رمی الجمرتین علی شاك کلمه الشهادتین (۲جلد) ، (۳۵) جمع الرسالتین فی النهی عن قرأة الفاتحة علی القبور والضممتین برفع الیدین مع الکریمتین ، (۳۶) ایضاح المنهج لمؤلف اقامته الحج ، (۳۷) صعود المنجنیق علی صاحب الحق الحقیق ، (۳۸) البرزخ فی روالا نموذج ، (۳۹) علاج درمانده در کیفیت مباحثه ٹانڈہ ، (۴۰) ذکر اهل الذکر ، (۴۱) التنقید فی رد التقلید ، (۴۲) تحفته الصیور علی الغفور، (۴۳) تبصره ، (۴۴) جمع المسائل والعقائد ، (۴۵) تنقید المعیار، (۴۶) اجتلاب المنفقه لمن یطالع احوال الائمه الاربعه ، (۴۷) تذکرة السعید ، (۴۸) سفر بیت الله ، (۴۹) زبان عرب، (۵۰) الاصباح فی رد الایضاح (عربی)، (۵۱) عمدة التحریر فی جواب المنیر وصاحب التفسیر (عربی) ، (۵۲)لیکچر ، (۵۳)اظہار حقیقت ، (۵۴) مرزائیت،(۵۵) قضاء ربانی بردعا القادیانی (فیصله)، (۵۶) جواب دعوت، (۵۷)مولوی غلام احمد قادیانی کے بعض سوالات پر ایک نظر، (۵۸)معیار نبوت، (۵۹)نور اسلام جواب ظہور اسلام، (۶۰)دفع ادهام از ظهور امام ، (۶۱)سوآء الطریق ، (۶۲)ایضاح الطریق لصاحب التحقیق ، (۶۳)تعلیم الاسلام ، (۶۴) الجوائز

ابومسعود قمر

مولانا ابومسعود قمر بنارسی مولانا محمد سعید بنارسی کے تیسرے صاحبزادے تھے۔ اپنی کنیت اور تخلص سے اتنے مشہور ہوئے کہ ان کے نام محمود سے شاید ہی کوئی واقف ہو، بقول حسرت:

عشق نے جب سے کہا حسرت مجھے
کوئی بھی کہتا نہیں فضل الحسن

۲۲ ربیع الاوّل ۱۳۱۳ھ کو بنارس میں پیدا ہوئے۔ مولانا ابومسعود قمر بنارسی نے جملہ علوم اسلامیہ کی تعلیم مولانا سید عبدالکبیر مرحوم بہاری، مولانا حکیم عبدالمجید بنارسی، مولانا سید نذیر الدین احمد جعفری، مولانا عبدالرحمٰن دہلوی (شاہ پوری)، مولانا ابوالقاسم بنارسی اور مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی سے حاصل کی اور حدیث کی سند و اجازۃ مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری اور علامہ شیخ حسین بن محسن انصاری سے لی۔ آپ نے الٰہ آباد یونیورسٹی سے "ملا فاضل" اور پنجاب یونیورسٹی سے "مولوی فاضل" کے امتحانات امتیازی نمبروں میں پاس کیے۔

شعر و سخن کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے اور اسی سلسلہ میں مولانا عبدالرؤف عشرت لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

تکمیل تعلیم کے بعد چندوسی ضلع مراد آباد کالج میں پروفیسر اسلامیات مقرر ہوئے اور اپنی ساری زندگی اسی کالج میں بسر کردی۔ کالج کی تدریس کے ساتھ دین اسلام کی اشاعت اور مسلک اہل حدیث کی اشاعت و تائید و حمایت میں بھی سرگرم عمل رہے۔ اہلحدیث کانفرنسوں میں پابندی سے شریک ہوتے تھے۔

مولانا قمر بنارسی اپنے مسلک (اہلحدیث) میں بہت زیادہ متشدد تھے۔ سیاسی اعتبار سے کانگرس سے وابستہ رہے اور تحریک آزادی وطن میں ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔ کئی بار

اسیر زنداں بھی ہوئے۔ان کی دینی وملی اور سیاسی خدمات کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔آپ نے چندوسی ہی میں ۱۹۷۱ء میں وفات پائی۔

قاری احمد سعید

مولانا احمد سعید بن مولانا محمد سعید بنارسی ۹ رشعبان ۱۳۰۹ھ بنارس میں پیدا ہوئے۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل مولانا سید عبدالکبیر بہاری، مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی، مولانا عبدالرحمٰن شاہ پوری، مولانا عبدالمنان بقاغازی پوری اور اپنے والد مولانا محمد سعید بنارسی سے حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلے کلکتہ کے ایک دینی مدرسہ میں تدریس فرمائی۔ اس کے بعد بمبئی چلے گئے اور وہاں بھی ایک دینی مدرسہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔اس کے بعد مدن پورہ بنارس کے مدرسہ میں آ گئے اور اپنی ساری زندگی اسی مدرسہ میں گزاردی۔

مولانا قاری احمد سعید بنارسی نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ وعظ وتبلیغ کی طرف بھی توجہ کی۔ بنارس اور اس کے گردونواح میں مسلک اہلحدیث کی اشاعت اور توحید وسنت کی ترقی وترویج اور شرک وبدعت کی تردید وتوبیخ میں ان کی خدمات قابل قدر رہیں۔

مولانا قاری احمد سعید بنارسی کی ساری زندگی درس وتدریس اور دعوت وارشاد اور وعظ وتبلیغ میں گزری۔اس لیے تصنیف وتالیف کی طرف توجہ نہ دے سکے۔تاہم ایک کتاب ''تعلیم القرآن'' کے نام سے مرتب فرمائی۔

آپ نے دسمبر ۱۹۷۲ء میں بنارس میں انتقال کیا۔

عبدالآخر

مولانا عبدالآخر بن مولانا محمد سعید بنارسی ۱۷ محرم ۱۳۲۱ھ بنارس میں پیدا ہوئے۔
مولانا سید عبدالکبیر بہاری، مولانا عبدالمجید بنارسی، مولانا سید نذیر الدین احمد جعفری اور مولانا ابوالقاسم بنارسی سے جملہ علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا۔ مدرسہ فیض عام مئو (اعظم گڑھ) میں بھی رہے۔ تکمیل کے بعد داناپور (بہار) کے ایک مدرسہ میں تدریس پر مامور ہوئے۔ بعد میں اپنے آبائی مدرسہ سعیدیہ بنارس میں تدریس فرماتے رہے۔ ۱۹۷۴ء میں وفات پائی۔

(۶)

لکھوی خاندان

۱ حافظ بارک اللہ لکھوی
۲ حافظ محمد لکھوی
۳ محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی
۴ محمد علی مدنی لکھوی
۵ محی الدین لکھوی
۶ معین الدین لکھوی
۷ عبدالقادر لکھوی
۸ عطاء اللہ لکھوی
۹ عبدالرحمٰن لکھوی
۱۰ حبیب الرحمٰن لکھوی
۱۱ شفیق الرحمٰن لکھوی
۱۲ عزیز الرحمٰن لکھوی
۱۳ حفیظ الرحمٰن لکھوی

حافظ بارک اللہ لکھوی

حافظ بارک اللہ بن حافظ احمد بن حافظ محمد امین ۱۱۵۶ھ مطابق ۱۷۴۳ء موضع لکھو کے ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کی ابتداء حفظ قران مجید سے ہوئی۔ چنانچہ حفظ قرآن مجید اور عربی وفارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد حافظ احمد صاحب سے پڑھیں۔

تصوف کی سند اسماعیل لاہوری اور بعد ازاں مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ شاہ غلام علی دہلوی سے حاصل کی اور ان کی بیعت ہوئے۔ یہ سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ تھے۔

حافظ بارک اللہ تقویٰ وطہارت زہد وورع، امانت ودیانت کا پیکر تھے۔ اکل طیّب کا خاص خیال رکھتے تھے۔

کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا پر سختی سے کار بند تھے۔ اور اکل طیّب کو عبادت سے مقدم خیال فرماتے۔ بہت بڑے عبادت گزار، خلوت پسند، کم سخن اور درویش صفت انسان تھے۔ للّٰہیت، خدا خوفی جیسے اوصاف حمیدہ سے متصف تھے۔ صاحب کمالات وکرامات تھے۔ حق گوئی اور بے باکی میں بلند مرتبہ تھے۔ اہل اقتدار سے ملنے سے ہمیشہ گریز فرماتے تھے۔

۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۹ء میں حافظ بارک اللہ لکھوی، نواب جمال الدین خاں سے ناراض ہوکر موضع حاصل پور متصل ہیڈ سلیمانکی رہائش پذیر ہوگئے تھے۔ اس زمانہ میں تحریک مجاہدین زور وشور سے جاری تھی۔ حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ دہلوی بالا کوٹ کے علاقہ میں جہاد کی تیاریوں میں مصروف تھے اور بعض کارکنان خفیہ طور پر مسلمانوں کے لیے چندہ جمع کرنے میں مصروف تھے۔

مولانا غلام رسول مہر مرحوم لکھتے ہیں:

"چنانچہ اسی اثناء میں سید جعفر علی نقوی (م ۱۲۸۸ھ) ریاست ممدوٹ کے نواب

صاحب کے پاس پہنچے تو نواب جمال الدین خاں اس زمانہ میں رئیس تھا۔ اس کے بھائی شمس الدین کی معرفت درخواست کی گئی کہ دریائے ستلج سے پار اُترنے کا بندوبست کیا جائے۔ تیسرے روز نواب سے ملاقات ہوئی تو اس نے صاف جواب دے دیا اور بولا کہ اسی طرح میں سکھوں کی سرکار میں بدنام ہو جاؤں گا۔ ناچار سید جعفر علی نے ممدوٹ سے بہاول پور کا قصد کیا۔ راستے میں بارک اللہ نام کے ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جو اس ممدوٹ سے ناراض ہو کر ریاست بہاولپور کے حدود میں جا بیٹھا تھا۔"

مولانا مہر اپنی دوسری تصنیف سرگزشت مجاہدین میں اس طرح لکھتے ہیں کہ:

"سید جعفر علی نقوی ۱۲۴۵ھ میں مجاہدین کا ایک قافلہ لے کر سید صاحب کی خدمت میں سرحد کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں ریاست بہاولپور سے گزرتے ہوئے حافظ بارک اللہ سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ یہ حافظ صاحب کی جلاوطنی کا زمانہ تھا۔"

نواب جمال الدین خاں کی والدہ نے نواب صاحب سے کہا کہ حافظ بارک اللہ ولی اللہ ہیں تم نے ان کو ناراض کر کے کوئی اچھا نہیں کیا۔ تم ان کو واپس اپنی ریاست میں لے آؤ۔ چنانچہ نواب صاحب حافظ بارک اللہ صاحب کو واپس لکھو کے لے آئے اور معافی کا خواستگار ہوا۔ اور بطور نذرانہ لکھو کے کا رقبہ حافظ صاحب کو پیش کیا۔ حافظ صاحب نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا: "ہمیں ایسی زمین کی ضرورت نہیں کہ جس کا لگان حکومت کو ادا کرنا پڑے۔ چنانچہ نواب صاحب نے وہ زمین جو پہلے حافظ بارک اللہ کے والد حافظ احمد صاحب کو عطا ہوئی تھی اور جس کا لگان معاف تھا، حافظ بارک اللہ کو واپس کر دی۔ یہ زمین تقسیم ملک کے وقت تک حافظ بارک اللہ کے پاس تھی۔

حافظ بارک اللہ آخری عمر میں آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو گئے۔ آپ نے ۱۱۰ برس کی عمر میں ۱۲۶۶ھ میں انتقال کیا۔

حافظ محمد لکھوی

مولانا حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی ۱۲۲۱ھ لکھو کے ضلع فیروز میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز حفظ قرآن مجید سے کیا۔ علوم مروجہ میں صرف ونحو، منطق، معانی، فقہ، اصول فقہ، تجوید وقرأت وغیرہ اپنے والد حافظ بارک اللہ سے پڑھے۔ اس کے بعد لدھیانہ جا کر مولوی محمد بن عبدالقادر سے استفادہ کیا۔

حدیث کی تحصیل پہلے مولانا احمد علی سہارن پوری سے کی۔ بعد میں مولانا شاہ عبدالغنی مجددی سے بھی استفادہ کیا۔ اس کے بعد حافظ صاحب مولانا سید عبداللہ غزنوی اور مولانا غلام رسول قلندری کے ہمراہ شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث کی تکمیل کی۔

دہلی سے تکمیل تعلیم کے بعد واپس اپنے وطن لکھو کے آئے اور مدرسہ محمدیہ کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی، اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ساری زندگی اس مدرسہ میں قرآن وحدیث کی تدریس فرمائی۔

حافظ لکھوی ایک عظیم مدرس اور معلم تھے۔ تمام علوم اسلامیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ میں ان کی نظر وسیع تھی۔ ایک دینی مدرس اور معلم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب کمالات و کرامات تھے اور پنجابی کے شاعر بھی تھے۔ آپ کی تمام تصانیف پنجابی نظم میں ہیں۔

آپ نے قرآن مجید کی تفسیر پنجابی نظم میں بنام ''تفسیر محمدی'' لکھی۔ اس کے علاوہ احوال الآخرت، زینت الاسلام اور انواع محمدی، پنجابی نظم میں آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ان کے علاوہ حافظ صاحب نے حواشی سنن ابی داؤد (عربی) اور تعلیقات علیٰ مشکوٰۃ المصابیح (عربی) بھی آپ کی تصانیف ہیں۔

حافظ صاحب کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی، مولانا عبدالقادر لکھوی، مولانا غلام نبی الربانی سوہدروی، مولانا رحیم بخش لاہوری، مولانا محمد سلیم لکھوی (برادر خورد)، مولانا عبدالوہاب صدری دہلوی۔

حافظ صاحب نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ وعظ وتبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ شرک وبدعت کی تردید وتوبیخ اور کتاب وسُنت کی اشاعت میں آپ نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ آپ کی تدریسی وتبلیغی خدمات کا اعتراف آپ کے استاد شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی نے بھی کیا ہے۔

۱۳۱۹ھ میں مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے ملاقات کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔ حضرت میاں صاحب کی بینائی کچھ کمزور ہو چکی تھی، حافظ عبدالمنان صاحب حضرت میاں صاحب کے سامنے السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گئے اور میاں صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے پہچانا ہے۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا: ہاں پہچان لیا ہے۔ تم عبدالمنان وزیرآبادی ہو۔ اس کے بعد میاں صاحب نے حافظ عبدالمنان سے فرمایا:

> ”عبدالجبار غزنوی، حافظ محمد لکھوی اور تم نے پنجاب میں توحید وسُنت کی اشاعت کر کے میرے دل کو ٹھنڈک پہنچائی ہے۔ اور مجھے اللہ کی جانب سے پوری اُمید ہوگئی ہے کہ وہ مجھے نجات دے گا۔“

حافظ محمد لکھوی بڑے صالح، عبادت گزار، درویش، خلیق، ملنسار اور زاہد وعابد تھے۔

مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی آپ کے معاصر تھے۔ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ((وَالْعَالِمُ الْكَامِلُ الصَّالِحُ مُحَمَّدُ بْنُ بَارَكَ اللّٰهُ لكهوِى الْفَنْجَابِىُّ))
>
> ”یعنی عالم کامل، صالح بن صالح محمد بن بارک اللہ لکھوی پنجابی۔“

حافظ محمد لکھوی نے ۹۰ سال کی عمر میں ۱۳/صفر ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۷/اگست ۱۸۹۳ء لکھو کے ضلع فیروز پور میں انتقال کیا۔ ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾

محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی

مولانا محی الدین بن حافظ محمد لکھوی ایک عالم باعمل، متبع سنت، ملہم اور صوفی تھے۔ مولانا سید عبداللہ غزنوی سے فیوض برکات حاصل کرنے کے لیے ان کی خدمت میں پیدل غزنی حاضر ہوئے۔ تو انہوں نے ان کا نام محی الدین سے بدل کر عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ اور اس کے بعد وہ محی الدین عبدالرحمٰن کے نام سے مشہور ہوئے۔

مولانا محی الدین عبدالرحمٰن ۱۲۵۲ھ میں لکھو کے ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے۔ ۸ سال کی عمر میں قران مجید ختم کیا۔ ۱۳ سال کی عمر میں کا(؟) کتابیں پڑھ لیں اور ۱۷ سال کی عمر میں دہلی تشریف لے گئے اور مولانا بشیر الدین قنوجی اور مفتی صدر الدین دہلوی سے اکتساب فیض کیا۔

دہلی میں فراغت تعلیم کے بعد واپس لکھو کے آ کر اپنے والد بزرگوار کے قائم کردہ مدرسہ محمد یہ میں تدریس پر مامور ہوئے۔ اسی اثناء میں علم آخرت اور سلوک کا شوق پیدا ہوا۔ تین سال کی ریاضت کے بعد اپنے خادم کے ہمراہ بسوئے غزنی مولانا سید عبداللہ غزنوی سے ملاقات اور ان سے اکتساب فیض کے لیے پیدل روانہ ہوئے۔ غزنی میں مولانا سید عبداللہ غزنوی سے ملاقات ہوئی تو آپ کے خادم نے مولانا عبداللہ غزنوی کی خدمت میں عرض کی:

"پدر ایں در پنجاب چراغ است"

مولانا عبداللہ غزنوی نے فرمایا:

"ایں ان شاء اللہ آفتاب خواہد شد"

مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی بڑے خدارسیدہ، عابد، ذاکر، شب زندہ دار، کم سخن، راست باز اور مجاہد انسان تھے۔ تصنع و تکلف سے بالکل مبرا تھے۔ بڑے متبع سنت تھے۔ اکثر خاموش رہتے مگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر ضرور بولتے۔ ساری زندگی کسی کی غیبت نہیں

کی۔ آسیب زدہ مریض آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فوراً شفایاب ہو جاتے۔ تصنیف میں اُردو اور پنجابی نظم میں سات آٹھ رسالے لکھے۔ امام نووی کی اربعین نووی کا ترجمہ پنجابی نظم میں کیا۔ اور ''مسلم الثبوت'' پر حواشی بھی لکھے۔

۱۵/شعبان ۱۳۱۲ھ کو ارادہ حج سے بیت اللہ پہنچے۔ عمرہ ادا کیا۔ اور مدینہ کے سفر پر روانہ ہوئے، راستہ میں مرض ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور ۱۲/ذی قعدہ ۱۳۱۲ھ کو مدینہ میں انتقال کیا اور بقیع الغرقد میں دفن ہوئے۔
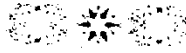
محمد علی مدنی لکھوی

مولانا محمد علی لکھوی مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی کے صاحبزادے تھے۔ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں لکھو کے ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں سکول میں داخل ہوئے۔ اور وہاں صرف تین جماعتیں پڑھیں۔ اس کے بعد انہیں دینی تعلیم حاصل کرنے لگے اور آپ اپنے آبائی مدرسہ محمدیہ میں داخل ہوئے۔ مولانا عبدالقادر لکھوی سے صرف ونحو اور دیگر علوم کی بعض کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مدرسہ غزنویہ امرتسر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے مولانا سید عبدالجبار غزنوی اور بعض دوسرے اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کیا۔ مدرسہ غزنویہ امرتسر سے آپ وزیر آباد تشریف لائے اور استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی سے درس حدیث لیا اور سند حاصل کی۔ مولانا عبدالواحد غزنوی کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے فیض حاصل کیا۔

فراغت تعلیم کے بعد اپنے آبائی مدرسہ میں تعلیم پر مامور ہوئے اور کافی عرصہ آپ نے اس مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

۱۹۲۸ء یا ۱۹۲۹ء میں پہلی بار حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے اور وہاں دس ماہ قیام

رہا۔ پھر مسلسل آنا جانا رہا۔ کبھی دو سال بعد کبھی تین سال بعد، بالآخر آپ نے مدینہ منورہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اور سعودی عرب حکومت نے آپ کو مسجد نبوی میں طلباء کو حدیث پڑھانے پر مامور فرمایا۔ آپ نے نئے انداز سے حدیث کی تدریس کا آغاز کیا۔ جو وہاں کے طلبا کے لیے ایک نیا انداز تھا۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں:

"مولانا محمد علی لکھوی نے مسجد نبوی میں حدیث کی تدریس کا آغاز کیا۔ اس نواح کے طلبا کے لیے وہ بالکل نیا انداز تھا۔ طلباء کے حلقوں میں اس انداز کو بڑی پذیرائی حاصل ہوئی اور سعودی، مصری، سوڈانی، الجزائری، شامی، انڈونیشائی اور افریقی طلباء نے ان سے خوب استفادہ کیا۔ اور وہ حدیث کے نکات سمجھنے کے جدید اسلوب سے آشنا ہوئے۔ ان کے حلقہ درس میں برصغیر پاک و ہند کے طلباء بھی شامل تھے۔ ان سب طلباء کو وہ حدیث کے علاوہ قرآن مجید کا درس بھی دیتے تھے۔ مسجد نبوی میں قرآن و حدیث کے اس درس سے ہزاروں طلباء مستفید ہوئے۔ اور ان کے شاگردوں کے حلقے نے بے حد وسعت اختیار کی۔ اور بہت سے عرب اور غیر عرب ممالک میں ان کے علمی و تدریسی اثر و رسوخ کے پرچم لہرائے۔"

مولانا محمد علی لکھوی نے تقریباً ۴۵ سال مسجد نبوی میں قرآن و حدیث کا درس دیا۔ آپ سے مختلف اسلامی ملکوں کے طلباء نے استفادہ کیا۔ یہ عظیم الشان سعادت ہے۔ جو مولانا محمد علی لکھوی کے حصے میں آئی۔ مسجد نبوی میں ہزاروں طلباء نے آپ سے اکتساب فیض کیا اور انہوں نے مختلف ممالک اور علاقوں میں دین اسلام اور کتاب و سنت کی اشاعت کی۔ یہ مولانا محمد علی لکھوی کا صدقہ جاریہ ہے۔ جس کا اجر انہیں بارگاہ ایزدی سے ہمیشہ ملتا رہے گا۔

مولانا محمد علی لکھوی اعلیٰ اخلاق و ستودہ صفات کے مالک تھے۔ ان کا تعلق ایک علمی خاندان سے تھا۔ ان کے آباؤ اجداد میں بیشتر اصحاب، صاحب کمالات و کرامات تھے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"گفتگو میں وہ مشکل اور دقیق الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ آسان اور عام فہم اسلوب میں بات کرتے تھے جسے ہر شخص آسانی سے سمجھ لیتا تھا۔ مخاطب سے اس کی ذہنی سطح کے مطابق بات کرتے تھے۔ ان کی شخصیت اور علم و فضل کا لوگوں پر بڑا رعب تھا۔ طلباء ان سے کچھ پوچھ لینے اور ان سے بات کرنے کی اپنے میں جرأت نہ پاتے تھے۔

۱۹۲۰ء میں انجمن اہلحدیث پنجاب کی تشکیل ہوئی اور ان کے پہلے صدر مولانا عبدالقادر قصوری اور ناظم اعلیٰ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری منتخب ہوئے۔ اور اس کے ساتھ ایک مجلس عاملہ بھی بنائی گئی۔ مجلس عاملہ کے ارکان میں مولانا محمد علی لکھوی بھی شامل تھے۔

مولانا محمد علی مدنی نے ۱۹ر دسمبر ۱۹۷۳ء کو مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔ قمری تاریخ ۲۲ر ذی قعدہ ۱۳۹۳ھ تھی۔ قمری حساب سے ان کی عمر ۸۶ سال اور عیسوی حساب سے ۸۳ سال تھی۔
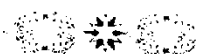
محی الدین لکھوی

مولانا محی الدین لکھوی مولانا محمد علی مدنی لکھوی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ جو ۱۹۱۴ء کو لکھو کے ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں میں پاس کیا۔ دینی تعلیم اپنے آبائی مدرسہ مرکز الاسلام محمدیہ لکھو کے میں مولانا عطاء اللہ لکھوی سے حاصل کی۔ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے بھی سلسلۂ تلمذ رہا۔ آپ ابتداء ہی سے عبادت گزار، درویش منش اور صوفی تھے۔ ان کا شمار اپنے دور کے اولیائے کرام میں ہوتا تھا۔ بہت بڑے راست باز اور صاف گو تھے۔ ان کے وعظ میں بڑا اثر تھا۔ لوگ ان کا وعظ بڑے شوق اور ذوق سے سُنتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان میں بڑی تاثیر رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی

دعا بھی قبول فرماتا تھا۔ بڑے جامع الکمالات تھے۔ ساری زندگی دنیا سے کنارہ کش رہے۔ ۱۹۵۱ء میں لوگوں نے انہیں مغربی پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کا ممبر منتخب کرا دیا۔ اس کے لیے نہ تو آپ کسی شخص کے پاس ووٹ لینے گئے اور نہ ہی الیکشن پر کوئی کیمپ لگایا۔ لوگوں نے خود ہی اس کا انتظام کیا اور آپ بھاری اکثریت سے ممبر منتخب ہو گئے۔

شورش کاشمیری مرحوم نے اس وقت چٹان میں لکھا کہ ''مولانا محی الدین لکھوی جیسے انسان اگر ممبر منتخب ہو جائیں تو اس ملک کی یکسر تقدیر بدل سکتی ہے۔ ان ہی کی طرح کے لوگوں کو حکومت میں آنا چاہیے۔ مگر ہم کیا کریں کہ ان جیسے نیک سیرت، درویش منش اور صاحب کردار لوگ ہم کہاں سے لائیں۔

مولانا محی الدین لکھوی نے غالباً اسمبلی کے ایک دو اجلاس ہی میں شرکت کی اور ماحول کو اپنے خلاف مزاج اور ناشائستہ پا کر مستعفی ہو گئے۔

مولانا محی الدین بہت مؤثر، دل نشیں اور دل پذیر وعظ فرماتے تھے۔ تبلیغ دین اور اذکار مسنونہ میں زیادہ تر مصروف رہتے تھے۔ مولانا اُردو اور پنجابی میں شعر بھی کہتے تھے اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ (شاعرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت سے حسان تخلص کرتے تھے۔

مولانا لکھوی نے دو شادیاں کیں جن سے نو (۹) بیٹیاں اور سات (۷) بیٹے ہوئے۔ بڑے بیٹے حافظ محمد لکھوی عالم باعمل تھے۔ جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں حدیث کے استاد تھے۔ مولانا محی الدین کی زندگی میں ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ بقیہ تمام بیٹے تعلیم و تدریس سے منسلک ہیں۔ چھ میں سے پانچ نے علوم اسلامیہ اور عربی میں ایم اے کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ چھٹے بھی جامعہ محمدیہ اوکاڑہ سے فارغ التحصیل ہیں۔ ان میں سے حافظ محمد احمد لکھوی، گورنمنٹ ہائی سکول دیپالپور میں استاد ہیں۔ محمد حامد لکھوی بھی اسی ادارے میں تدریسی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں۔ محمد حمود لکھوی، گورنمنٹ کالج اوکاڑہ میں استاد ہیں۔ ڈاکٹر محمد حماد لکھوی شعبۂ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب میں استاد ہیں۔ محمد حمید لکھوی، گورنمنٹ پبلک ہائی

سکول دیپالپور میں پڑھاتے ہیں جب کہ محمد زید لکھوی ڈسٹرکٹ پبلک سکول اوکاڑہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا محی الدین لکھوی کی تمام اولاد کو نیکی، علم اور شرف کی دولت عطا کی ہے اور یہ سب اپنے اسلاف کی مسند ارشاد پر فائز ہیں۔

مولانا محی الدین لکھوی نے ۲۸ر فروری ۱۹۹۸ء کو انتقال کیا۔

معین الدین لکھوی

مولانا معین الدین لکھوی مولانا محمد علی لکھوی کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ ۱۹۲۱ء مطابق ۱۳۳۶ھ موضع لکھو کے ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالا تو سکول میں داخل کر دیے گئے اور گورنمنٹ ہائی سکول فیروز پور سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ دینی تعلیم کا آغاز مدرسہ محمدیہ لکھو کے سے کیا۔ پہلے اپنے والد گرامی مولانا محمد علی لکھوی سے اور پھر اپنے ماموں عطاء اللہ لکھوی سے پڑھا۔

۱۹۴۲ء میں مولانا احمد علی لاہوری کے دورۂ تفسیر میں شریک ہوئے اور ان سے تفسیر قرآن میں امتیازی سند حاصل کی۔ ۱۹۴۳ء میں امام العصر مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دورۂ حدیث مکمل کیا۔

تکمیل تعلیم کے بعد اپنی آبائی درسگاہ میں تدریس پر مامور ہوئے۔ مولانا معین الدین لکھوی کی دینی اور سیاسی خدمات لائق اعتنا ہیں۔ تحریک پاکستان میں ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔ ۱۹۵۳ء کی قادیانی تحریک میں حصہ لیا اور اسیر زنداں ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں آپ اوکاڑہ کی میونسپل کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اور ۱۹۵۸ء میں دوبارہ ممبر چنے گئے۔ ۱۹۸۵ء، ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۷ء میں تین بار قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۸۰ء میں مرحوم جنرل ضیاء الحق نے انہیں مجلس شوریٰ کا ممبر نامزد کیا۔

جماعت اہلحدیث منظم اور فعال بنانے میں بھی ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں متفقہ طور پر جمعیۃ اہل حدیث کے امیر منتخب ہوئے اور تقریباً ۱۴۔۱۵ سال وہ اس منصب پر فائز رہے۔ اس اثناء میں انہوں نے بڑی خدمات انجام دیں۔ متحدہ مرکزی جمعیۃ کے رہنما کی حیثیت سے بھی ان کے جماعتی کارنامے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

مولانا معین الدین لکھوی ایک کامیاب مدرس اور معلم ہیں۔ تقریباً ۴۵ سال تک تدریس فرماتے رہے اور آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔

مولانا عبداللہ امجد چھتوی اور مولانا عبدالحلیم شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ اوکاڑہ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

مولانا معین الدین لکھوی شخصیت و کردار کے اعتبار سے انتہائی باوقار سنجیدہ، سلیقہ شعار، تجربہ کار سیاستدان، شریف النفس، کریم الطبع، منکسر المزاج اور عالم باعمل ہیں۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی ان کے خاص دوستوں میں سے ہیں۔ وہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "مولانا معین الدین لکھوی علمی اور روحانی اعتبار سے بڑے خاندان کے فرد ہیں۔ عالم دین اور علاقے میں صاحب اثر ورسوخ، عالم شباب تدین وتقویٰ کے اوصاف سے بہرہ ور، لیکن ان خصائص کے باوصف نہایت خوش مزاج اور طبع اوصاف کے مالک ہیں۔"

مولانا معین الدین لکھوی تصنیف وتالیف کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔

اب تک ان کے درج ذیل رسائل شائع ہو چکے ہیں:

(۱) پنجاب کا عظیم مصلح (مولانا حافظ محمد لکھوی کے حالات)، (۲) قانون دیت، (۳) قانون شہادت۔

بچپن ہی سے افتاء و تحقیق کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ اپنے ایک فتاویٰ کا مجموعہ بھی مرتب کیا ہے۔

مولانا معین الدین لکھوی بڑے با اخلاق ہیں۔ راقم کی جب بھی ملاقات ہوئی، بڑی محبت اور خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔ ہر ملاقات پر راقم سے یہ ضرور فرماتے ہیں کہ میں بڑا مصروف رہتا ہوں۔ مگر آپ کے مضمون ضرور پڑھتا ہوں علمائے کرام کا تعارف کرانے میں آپ بہت اچھا سلیقہ اختیار کرتے ہیں۔ جماعت اہلحدیث کے اکابرین کا تعارف کراتے ہیں۔ اور ان کی علمی و دینی خدمات سے لوگوں کو روشناس کراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

مولانا معین الدین ۱۹۴۷ء سے جامعہ محمدیہ اوکاڑہ کے ناظم چلے آ رہے ہیں۔ بقول مولانا محمد اسحاق بھٹی ان کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ مولانا معین الدین کی شادی مولانا محمد بن ابراہیم جوناگڑھی مرحوم کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ ان کے تین صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں ہیں:

صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

① بارک اللہ انجم ایم اے، ② ڈاکٹر زعیم الدین عابد ایم بی بی ایس، ③ ڈاکٹر عظیم الدین زاہد ایم بی بی ایس۔

عبدالقادر لکھوی

مولانا عبدالقادر بن مولوی حکیم محمد شریف بن حافظ بارک اللہ ۱۸۳۴ء مطابق ۱۲۴۹ھ لکھو کے ضلع فیروز مشرقی پنجاب میں پیدا ہوئے۔ حکیم محمد شریف اپنے والد اور بھائی حافظ محمد لکھوی کی طرح مخلص، متقی، متدین، صاحب ذکر و فکر، صاحب ریاضت و عبادت، عابد، زاہد اور شب زندہ دار انسان تھے۔

مولانا عبدالقادر لکھوی نے تعلیم کا آغاز اپنے تایا حافظ محمد لکھوی سے کیا اور علوم آلیہ و

عالیہ کی تکمیل فرمائی۔ اس کے بعد مدرسہ غزنویہ امرتسر میں داخل ہوئے اور مولانا سید عبدالجبار غزنوی سے تفسیر، حدیث اور فقہ میں اکتساب فیض کیا۔

امرتسر سے فارغ ہو کر آپ استاد پنجاب شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے حدیث کی سند حاصل کی۔

وزیر آباد سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد واپس وطن لکھو کے پہنچے اور اپنے آبائی مدرسہ محمدیہ میں تدریس کا آغاز کیا۔ اور اپنی ساری زندگی قرآن و حدیث کی تدریس میں بسر کر دی۔ آپ کی تدریسی زندگی ۵۰ سال کو محیط ہے۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ دعوت و ارشاد سے بھی غافل نہ رہے۔ ان کا حلقۂ تلامذہ بہت وسیع تھا۔ وہ دین کے کام میں اپنے بزرگوں کے دست راست رہے۔ آپ جامعہ محمدیہ کے تیسرے صدر مدرس تھے۔ اوّل مولانا حافظ محمد لکھوی تھے اور دوسرے مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی تھے۔

مولانا عبدلقادر لکھوی بڑے نامور مدرس تھے۔ علم و فضل کے اعتبار سے ایک خاص مقام کے حامل تھے۔ اور علمائے کرام کے نزدیک ان کا درجہ و مرتبہ بہت بلند تھا۔ آپ کی ساری زندگی درس و تدریس میں بسر ہوئی۔ آپؒ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا سید عبدالاوّل غزنوی، مولانا عبدالغفور غزنوی اور مولانا عبدالوہاب دہلوی مولانا عبدالقادر لکھوی نے ۱۹۲۴ء مطابق ۱۳۴۲ھ میں انتقال کیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط
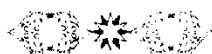
عطاء اللہ لکھوی

مولانا عطاء اللہ بن عبدالقادر بن محمد شریف بن حافظ بارک اللہ ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے کیا۔ آپ کے پہلے استاد قاری عبدالعزیز تھے۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل اپنے والد مولانا عبدالقادر لکھوی سے کی۔ اس کے بعد مدرسہ نعمانیہ لاہور میں داخل ہوئے اور وہاں مولانا غلام احمد سے استفادہ کیا۔ رام پور اور سہارن پور کا بھی سفر کیا اور ان مقامات پر علمائے کرام سے مستفیض ہوئے۔

حدیث کی تحصیل حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنوی سے کی اور ۱۹۰۵ء میں آپ علوم اسلامیہ کی تکمیل سے فارغ ہوئے۔

تکمیل تعلیم کے بعد ۱۹۰۵ء میں اپنے آبائی مدرسہ محمدیہ لکھوکے میں تدریس کا آغاز فرمایا اور اپنی زندگی کے آخری ایام تک آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ ان کا عہد تدریس جامعہ محمدیہ کا سنہری دور ہے۔ بے شمار علمائے کرام نے آپ سے استفادہ کیا۔ اور لوگ دُور دُور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سے اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ آپ کا حلقہ تلمذ بہت وسیع ہے۔ ۴۴ سال تک آپ نے مدرسہ محمدیہ لکھوکے میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی، مولانا عطاء اللہ حنیف، مولانا محی الدین لکھوی، مولانا معین الدین لکھوی، مولانا سید مولا بخش کوموی، مولانا حافظ محمد اسحاق حسینوی، مولانا حکیم عبدالعزیز حسینوی، مولانا عبدلقادر عارف حصاری، حافظ عبدالرشید گوہڑوی، مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، میاں محمد باقر جھوک دادو اور مولانا محمد اسحاق گوہڑوی۔

مولانا عطاء اللہ لکھوی بڑے متبحر عالم متواضع اور اپنے عزم وارادہ میں نہایت مستقل تھے۔

مولانا قاضی محمد اسلم فیروز پوری مرحوم لکھتے ہیں:

”مولانا عطاء اللہ لکھوی، غزنوی اور دہلوی علماء کے شاگرد تھے۔ درس و تدریس میں بڑا نام پایا۔ اپنے دور میں صرف ونحو کے امام مانے جاتے تھے۔ نہایت سادہ، وجیہہ اور شب زندہ دار انسان تھے۔ حسن اخلاق اور خندہ پیشانی سے پیش آنا ان کا لازمہ حیات تھا۔ شیریں گفتگو، ہلکے پھلکے لطائف، حسن اخلاق، حسن تبسم نے ان کی شخصیت کو چندے آفتاب اور چندے ماہتاب بنا دیا تھا۔ اُستاد پنجاب کے لقب سے ملقب تھے۔“

مولانا معین الدین لکھوی لکھتے ہیں کہ:

”مولانا عطاء اللہ لکھوی نے ۴۴ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ بڑے بڑے قابل اہل علم آپ کے شاگردوں میں ہیں۔ اسی وجہ سے آپ اُستاد پنجاب کے لقب سے مشہور ہیں۔ جامعہ محمدیہ کا وجود اور بقا سب سے زیادہ آپ کی کوششوں کی مرہون منت ہے۔“

مولانا عطاء اللہ لکھوی نے ۲۶ر نومبر ۱۹۵۲ء کو انتقال کیا۔

عبدالرحمٰن لکھوی

مولانا عبدالرحمٰن لکھوی مولانا عطاء اللہ لکھوی کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ اپنے والد بزرگوار سے علوم اسلامیہ میں تحصیل کی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث، اصول تفسیر، منطق و فلسفہ پر عبور و استحضار حاصل ہے۔ گوجرانوالہ، ساہیوال، رینالہ خورد، ملتان اور دیگر مقامات پر علم و آگہی کے فیوض و برکات پھیلاتے رہے۔ بڑے ملنسار، خوش اخلاق، زاہد و عابد ہیں۔

حبیب الرحمٰن لکھوی

مولانا حبیب الرحمٰن بن مولانا عطاء اللہ لکھوی ۱۹۱۵ء میں لکھو کے ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے۔ سکول کی تعلیم مڈل تھی۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل اپنے والد مولانا عطاء اللہ لکھوی سے کی۔ فراغت تعلیم کے بعد مدرسہ محمدیہ لکھوکے میں تدریس پر مامور ہوئے۔ اور قیام پاکستان تک وہاں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد چک نمبر ۱۸/ایل متصل رینالہ خورد رہائش اختیار کی۔ پہلے دارالعلوم ڈھلیانہ میں تدریس فرماتے رہے۔ اپنے والد محترم مولانا عطاء اللہ لکھوی کے انتقال کے بعد جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں ۵ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۶۱ء مدرسہ محمدیہ رینالہ خورد میں تدریس پر مامور ہوئے اور ۱۳ سال تک مسلسل اسی مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

مولانا حبیب الرحمٰن ایک صالح عالم تھے۔ طبیعت انتہائی سادہ، متواضع و منکسر المزاج اور بااخلاق تھے۔ تفسیر، حدیث اور صرف ونحو میں بہت زیادہ استحضار تھا۔

آپ نے ۵۸ سال کی عمر میں ضیق النفس کے مرض سے ۱۶/ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۰/مئی ۱۹۷۳ء انتقال کیا۔

شفیق الرحمٰن لکھوی

مولانا شفیق الرحمٰن لکھوی مولانا عطاء اللہ لکھوی کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ دینی علوم میں اپنے والد کے شاگرد ہیں۔ حافظ صاحب نہایت سادہ، مخلص اور عظیم اسلاف کے وارث ہیں۔ آپ جامعہ ابی ہریرہ رینالہ خورد کے مہتمم ہیں۔ تقریباً ۳۰۔۳۵ سال سے اس

دینی درسگاہ کی خدمت کر رہے ہیں۔

حافظ شفیق الرحمٰن کی مسائل دینی پر بڑی گہری نظر ہے۔ ہر سال رمضان میں مدرسہ کی امداد کے سلسلہ میں سوہدرہ آتے ہیں۔ ان کا درس قرآن سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان کے درس قرآن سے ان کے علمی تبحر اور خاص کر حدیث نبوی میں ان کے اشتغال کا پتہ چلتا ہے۔ بڑے ہی سادہ اور خاموش طبع انسان ہیں۔

عزیز الرحمٰن لکھوی

مولانا عزیز الرحمٰن لکھوی مولانا عطاء اللہ لکھوی کے چوتھے صاحبزادے تھے۔ ۱۹۳۰ء مطابق ۱۳۴۹ھ میں لکھو کے ضلع فیروز میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز لکھو کے ضلع فیروز پور سے کیا اور اپنے والد مولانا عطاء اللہ لکھوی سے بعض کتابیں پڑھیں۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان آئے اور دینی تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دی اور اس سلسلہ میں مختلف اوقات میں جامعہ محمدیہ اوکاڑہ، دارالحدیث محمدیہ ملتان، دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور اور جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں زیرِ تعلیم رہے۔ آپ نے جن اساتذہ کرام سے علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں:

حضرت مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل السلفی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا شریف اللہ خاں سواتی، مولانا محمد عبدہ اور مولانا حافظ محمد اسحاق حسینوی۔

تکمیل تعلیم کے بعد جامعہ محمدیہ رینالہ خورد میں تدریس پر مامور ہوئے۔ اور اس کے ساتھ جامع مسجد اہلحدیث رینالہ خورد کے خطیب بھی تھے۔

مولانا پروفیسر عبدالرحمٰن لدھیانوی اور مولانا حفیظ الرحمٰن لکھوی آپ کے خاص

شاگردوں میں ہیں۔ان کی دینی و ملی خدمات قدر کے قابل ہیں۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں بھرپور کردار ادا کیا۔اور ۲ ماہ تک سنٹرل جیل ساہیوال میں محبوس رہے۔مولانا حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی کم سخن ، مخلص ، دیانتدار ، متقی ، شب زندہ دار انسان تھے۔انہوں نے اپنے ماحول میں تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ دعوت و ارشاد کا کام کیا۔ان کی تعلیمی و تبلیغی مساعی کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت سے نوازا۔

مولانا حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی نے ۲۲ ستمبر ۱۹۹۱ء کو انتقال کیا۔

حفیظ الرحمٰن لکھوی

مولانا حفیظ الرحمٰن لکھوی بن حبیب الرحمٰن بن عطاء اللہ بن عبدالقادر لکھوی ۱۰ جولائی ۱۹۴۳ء لکھو کے ضلع فیروز پور (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔عصری تعلیم منشی فاضل اور بی اے ہے۔مختلف دینی مدارس سے تعلیم حاصل کی۔ان کے اساتذہ میں ان کے والد مولانا حبیب الرحمٰن اور تایا مولانا عبدالرحمٰن لکھوی کے علاوہ مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی اور حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ اجمعین شامل ہیں۔جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے بھی سند حاصل کر چکے ہیں۔

تکمیل کے بعد مختلف دینی مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں۔جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں بھی تدریس فرمائی۔آج کل جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لاہور کے ناظم ہیں۔ ان کی تقریر بڑی مؤثر اور دلنشین ہوتی ہے۔تین چار کتابیں بھی ان کے قلم سے نکل چکی ہیں۔ بڑے بااخلاق اور ملنسار ہیں۔

(۷)

خاندانِ غزنویہ (امرتسر)

1. سید عبداللہ غزنوی
2. محمد بن عبداللہ غزنوی
3. سید عبدالجبار غزنوی
4. سید عبدالواحد غزنوی
5. سید عبدالرحیم غزنوی
6. سید عبدالاوّل غزنوی
7. سید عبدالغفور غزنوی
8. سید محمد داؤد غزنوی
9. سید اسمٰعیل غزنوی
10. حافظ محمد زکریا غزنوی
11. سید ابوبکر غزنوی
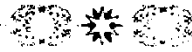
سید عبداللہ غزنوی

مولانا سید عبداللہ غزنوی بن محمد بن محمد شریف ۱۲۳۰ھ میں ''قلعہ بہادر خیل'' غزنی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنی والدہ محترمہ سے حاصل کی جو ایک صالحہ خاتون تھیں۔ جب آپ میں کچھ شعور پیدا ہوا تو علامہ شیخ حبیب اللہ قندھاری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علامہ شیخ حبیب اللہ قندھاری مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ دہلوی سے مستفیض تھے۔ مولانا سید عبداللہ غزنوی حضرت علامہ قندھاری کی خدمت میں پیدل سفر کر کے جاتے تھے۔ حضرت علامہ قندھاری فرمایا کرتے تھے کہ یہ شخص دینی مسائل کی تحقیق کے سلسلہ میں دور دراز کا سفر کر کے آتا ہے اور مسائل کی بڑی تحقیق کرتا ہے۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عبداللہ غزنوی جب دوبارہ تشریف لے گئے تو آپ کے حالات سے متعجب ہو کر شیخ حبیب اللہ قندھاری نے علماء قندھار کی بھری مجلس میں کہا: ''مسائل دینیہ چنانکہ ایں شخص می فہمد من خود نمی فہم'' (دینی مسائل کو جس طرح یہ شخص سمجھتا ہے میں خود نہیں سمجھتا)''

علامہ حبیب اللہ قندھاری حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی عظمتوں کے نہ صرف قائل تھے، بلکہ ہر وقت ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے۔ چنانچہ سید عبداللہ غزنوی کے سفر میں مولانا غلام رسول قلعوی اور حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی شریک تھے۔ ان تینوں حضرات نے میاں صاحب سے تفسیر، حدیث اور فقہ میں استفادہ کیا۔ جب آپ کی تعلیم مکمل ہونے کے قریب تھی کہ دہلی میں ہنگامہ آزادی برپا ہو گیا۔ انگریزوں نے اس کو غدر کا نام دیا اور تاریخ میں اس کو ۱۸۵۷ء کا غدر لکھا جاتا ہے۔

دہلی سے واپسی کے بعد آپ نے افغانستان میں توحید اور اتباع سنت کی طرف لوگوں کو

دعوت دی۔ اور بدعات اور مشرکانہ رسوم کے خلاف آواز اُٹھائی تو عوام وخواص اور علمائے سوء آپ کے خلاف ہو گئے۔ چنانچہ آپ کی شکایت امیر کابل دوست محمد خاں سے کی گئی۔ امیر دوست محمد خاں نے آپ کو بلایا، اور آپ کے مخالف علماء سوء بھی وہاں پہنچ گئے۔ امیر دوست محمد خاں نے کہا کہ ان سے مناظرہ کیا جائے۔ لیکن علمائے سوء نے آپ سے مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم مناظرہ میں شکست کھا جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے امیر دوست محمد خاں سے آپ کے خلاف جھوٹے الزامات عائد کیے اور بالآخر امیر دوست محمد خاں نے آپ کی جلاوطنی کا حکم صادر کر دیا۔ کافی عرصہ آپ ملک سے باہر رہے۔ اس کے بعد آپ دوبارہ واپس وطن تشریف لے گئے تو تھوڑے ہی عرصہ بعد امیر دوست محمد خاں نے ہرات میں انتقال کیا اور شیر علی خاں ملک کا امیر ہوا۔ علمائے سوء نے امیر شیر علی خاں کو بھی آپ کے خلاف اکسایا تو اس نے بھی آپ کی جلاوطنی کا حکم دے دیا۔ آپ حیران تھے کہ اب میں کہاں جاؤں۔ چنانچہ آپ ایک غار میں چھپ گئے، انہی دنوں آپ کو الہام ہوا:

﴿ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾

"پس جن لوگوں نے ظلم ڈھایا تھا، ان کی جڑ کاٹ دی گئی ہے۔ اور تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ جو تمام جہانوں کے پروردگار ہے۔"

اسی زمانے میں شیر علی خاں کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور ذلیل و نامراد ہوا۔ اور ہرات میں جا کر پناہ لی اور اس کے بعد محمد افضل خاں امارت کے منصب پر فائز ہوا۔ اس کو بھی علمائے سوء نے آپ کے خلاف اُکسایا۔ اس نے سردار محمد عمر خاں جو اس وقت مقر کا گورنر تھا، آپ کو گرفتار کرنے کا حکم بھیجا۔ سردار محمد عمر خاں کے مسلح آدمی آپ کو گرفتار کر کے سردار محمد عمر خاں کے پاس لے گئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے صاحبزادگان عالی مقام مولانا عبداللہ بن عبداللہ، مولانا محمد بن عبداللہ اور مولانا عبدالجبار رحمہم اللہ اجمعین بھی ان کے ساتھ گرفتار ہوئے۔ سردار محمد عمر خاں آپ کا نورانی چہرہ دیکھ کر نرم پڑ گیا اور بڑے ادب کے ساتھ آپ کی خدمت میں عرض کی:

"آپ کیوں اس راستے کو نہیں چھوڑ دیتے؟ جو کچھ وقت کے مولوی کرتے ہیں، آپ بھی ان کے ساتھ شریک ہو جائیں۔"

آپ نے جواب میں فرمایا:

"مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں کتاب وسنت کو جاری کروں۔"

علمائے سوء آپ سے مناظرہ و مباحثہ سے گھبراتے تھے۔ انہوں نے مخالفت برائے مخالفت کے اصول کے پیش نظر سب نے متفق ہو کر آپ کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔ لیکن ملا مشکی جو قدرے انصاف پسند تھا، اس نے قتل کے فتویٰ پر دستخط نہ کیے۔ چنانچہ قتل کا فتویٰ واپس لے لیا گیا اور درّے مارنے کا فتویٰ دے دیا۔ چنانچہ آپ کو درّے مارے گئے، گدھے پر سوار کر کے شہر میں پھرایا گیا، داڑھی مونڈھ دی گئی اور آپ کے چہرے کو سیاہی سے سیاہ کیا گیا اور اس کے بعد قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ حضرت سید عبداللہ فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ:

"شہید کو قتل سے اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جتنی کسی کو چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔" (ترمذی)

آپ نے فرمایا: "جب مجھے کابل میں درّے مارے گئے اور مجھے اتنی بھی خبر نہ تھی کہ مجھے مار رہا یا کسی اور کو۔"

جیل سے رہا ہوئے تو علمائے سوء نے پھر بھی آپ کو آرام سے وہاں ٹکنے نہ دیا اور ظالم حکام نے بالآخر آپ کو جلا وطن کر دیا۔ آپ غزنی سے پشاور تشریف لے آئے، پشاور میں تھوڑا عرصہ قیام کرنے کے بعد آپ امرتسر (مشرقی پنجاب) آگئے اور یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

مولانا عبداللہ غزنوی کی ساری زندگی ابتلاء و آزمائش میں گزری۔ جس پر آپ ہمیشہ شاکر رہے۔ جب ذرا سکون ملا تو آپ نے درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ اور آپ نے ایک دینی درسگاہ "مدرسہ غزنویہ" کے نام سے قائم کی۔ جس میں آپ نے درس

وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ سے بے شمار حضرات نے اکتساب فیض کیا۔ وعظ و تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا، لوگوں کو اتباع سنت کی ترغیب دیتے اور اس کے ساتھ شرک و بدعت اور محدثات سے بچنے کی نصیحت بھی کرتے۔ اس کے علاوہ آپ نے توحید، اتباع سنت اور عقائد صحیحہ پر بے شمار رسائل چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کرواتے رہے۔

مولانا سید عبداللہ غزنوی نے ۱۵؍ربیع الاوّل ۱۲۹۸ھ کو امرتسر میں انتقال کیا۔

مولانا سید عبداللہ غزنوی کا شمار اہل اللہ میں ہوتا تھا۔ علمائے اسلام نے ان کے علم و فضل کی بہت زیادہ تعریف کی ہے۔

مولانا سید عبدالحی الحسنی لکھتے ہیں:

''حضرت عبداللہ بن محمد بن محمد شریف غزنوی شیخ تھے۔ امام تھے، عالم تھے، زاہد تھے، مجاہد تھے، رضائے الٰہی کے حصول میں کوشاں تھے۔ اللہ کی رضا کے لیے اپنی جان، اپنا گھربار، اپنا وطن سب کچھ لٹا دینے والے تھے۔ علمائے سوء کے خلاف ان کے معرکے مشہور ہیں۔''

مولانا شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں:

''وہ ہر وقت اور ہر حالت میں خدائے بزرگ و برتر کے ذکر میں ڈوبے رہتے تھے۔ حتٰی کہ ان کا گوشت، ان کی ہڈیاں، ان کے پٹھے اور ان کا ہر ہر موئے بدن اللہ کی طرف متوجہ تھا۔ آپ اللہ عزوجل کے ذکر میں فنا ہو گئے تھے۔''

مولانا سید عبدالجبار غزنوی فرماتے ہیں:

''وہ مرد کامل اور یکتائے روزگار تھے۔ اللہ کی طرف سے الہام اور خطاب سے نوازے جاتے تھے اور انہیں اس کی ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔''

محی السنہ مولانا سید نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں:

''آسمان اگر ہزار بار بھی گردش کرے مشکل ہے کہ اب ایسی جامع کمالات ہستی معرضِ وجود میں آئے۔ وہ محدث بھی تھے اور اللہ سے انہیں ہم کلامی کا شرف بھی

حاصل تھا۔"

اولاد:

آپ کے ۱۲ صاحبزادے اور ۱۵ صاحبزادیاں تھیں۔

صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

مولانا عبداللہ، مولانا محمد، مولانا احمد، مولانا عبدالجبار، مولانا عبدالواحد، مولانا عبدالرحیم، مولانا عبدالستار، مولانا عبدالقیوم، مولانا عبدالقدوس، مولانا عبدالرحمٰن، مولانا عبدالحی۔

اللہ تعالیٰ کا ان پر کرم تھا۔ سب محدث تھے، اور علم دین اور فقر کی دولت سے مالا مال تھے۔

محمد بن عبداللہ غزنوی

مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی حضرت شیخ عبداللہ غزنوی کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ تمام مشقتوں اور پریشانیوں میں اپنے والد کے ساتھ برابر کے شریک رہے۔ ان کی ولادت غزنی کے مقام صاحبزادہ میں ہوئی۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ غزنوی سے کی اور حدیث وتفسیر کی تعلیم حضرت میاں صاحب دہلوی سے حاصل کی۔ فراغت تعلیم کے بعد امرتسر میں سکونت اختیار کی اور درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ میں مصروف ہوئے۔

مولانا محمد بن عبداللہ کو بھی راہِ خدا میں مصائب وآلام سے دوچار کیا گیا۔ آپ کو صرف سنت رسول کی تائید وحمایت میں دہشت زدہ کیا گیا۔ علم وفضل کے اعتبار سے جامع الکمالات تھے۔

مولانا سید عبدالحی الحسنی فرماتے ہیں:

''آپ کے فضل وتقویٰ، دینداری اور شرافت پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔اس کا انکار وہی کرے گا جس کے دل میں ان کے بارے میں کچھ ہو۔''

تصنیف میں ''تفسیر جامع البیان'' کا عربی میں حاشیہ لکھا جو مولانا عبداللہ غزنوی کے ایماء سے میاں فیروز الدین (ساکن جموں) نے چھپوایا اور کتاب مفت تقسیم ہوئی۔

آپ نے شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب ''المسوّٰی من احادیث المؤطا (عربی)'' دہلی سے ۱۲۹۳ھ میں طبع کرا کر شائع کی۔ یہ المسوّٰی کی سب سے پہلی طباعت تھی۔

مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی نے اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ غزنوی کی زندگی میں ۱۲۹۶ھ میں وفات پائی۔

ان کے بارے میں علامہ اقبال اپنے مکتوب ۱۹ دسمبر ۱۹۲۲ء بنام منشی محمد الدین فوق لکھتے ہیں:

''مولوی عبداللہ غزنوی حدیث کا درس دے رہے تھے کہ ان کو اپنے بیٹے کے قتل کیے جانے کی خبر ملی۔ آپ نے ایک منٹ تأمل کیا۔ پھر طلباء کو مخاطب کر کے کہا: ''ما برضائے او راضی ہستیم، ببائید کہ کار خود بکنیم'' (یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہیں ہمیں اپنا کام جاری رکھنا چاہیے) یہ کہہ کر درس میں مشغول ہو گئے۔''

عبدالجبار غزنوی

مولانا سید عبدالجبار غزنوی اپنے وقت کے ولی کامل، راسخ فی العلم، بہت بڑے محدث مستجاب الدعوات، اور یکتائے زمانہ شخصیت کے مالک تھے۔ آپ ۱۲۶۸ھ میں غزنی کے مقام ''صاحبزادہ'' میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز گھر سے ہوا۔ اپنے والد مولانا عبداللہ غزنوی

اور اپنے برادران مولانا محمد بن عبداللہ اور مولانا احمد بن عبداللہ سے استفادہ کیا۔ حدیث کی تحصیل شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے کی۔ آپ بھی اپنے والد کے ساتھ مصائب و آلام سے دوچار ہوئے۔ ۲۰ سال کی عمر میں آپ نے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔

فراغت تعلیم کے بعد امرتسر میں قرآن و حدیث کی تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ مولانا عبداللہ غزنوی نے اپنی درسگاہ کا نام ''مدرسہ غزنویہ'' رکھا تھا۔ آپ نے یہ نام بدل کر ''تقویۃ الاسلام'' رکھ دیا۔

مولانا سید عبدالجبار غزنوی کی ساری زندگی درس و تدریس، دعوت و ارشاد اور وعظ و تبلیغ میں بسر ہوئی۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔

مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا سید اسماعیل غزنوی، مولانا فیض اللہ بھوجیانی، مولانا سید احمد علی غزنوی، مولانا عبدالقادر لکھوی، مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا حافظ عبداللہ روپڑی۔

مولانا سید عبدالجبار غزنوی علم و فضل کے اعتبار سے جامع الکمالات تھے۔ مولانا عبدالحی الحسنی فرماتے ہیں کہ:

> ''میں نے بارہا امرتسر میں آپ کی زیارت کی۔ آپ کو سلف صالحین کے طریقہ پر پایا۔ آپ جب فتویٰ دیتے تو کسی خاص مذہب کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ دلیل کی بنیاد پر فتویٰ دیتے تھے۔ ائمہ مجتہدین کے سلسلہ میں بدگمانی نہیں کرتے تھے۔ جب بھی ان کا ذکر کرتے اچھے انداز میں کرتے تھے۔

مولوی ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی لکھتے ہیں:

> ''مولوی عبدالجبار حدیث اور تفسیر میں بے بدل تھے۔ اپنے ظاہری، باطنی صلاح و تقویٰ کی وجہ سے (خود نہیں) دوسروں نے آپ کو امام صاحب سے خطاب کیا۔ اور بجا طور پر کیا۔''

مولانا سید عبدالجبار غزنوی مطالعہ بہت زیادہ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی

حافظہ کی نعمت سے نوازا تھا۔ عبادت وریاضت بھی بہت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا تھا۔ اللہ کی یاد میں فنا ہو چکے تھے۔ جب کھانا کھاتے تو ہر لقمے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے تھے۔ ہروقت اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھا۔ وہ بہت بڑے زاہد و عابد تھے۔

امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیمؒ کی تصانیف کے بہت شیدائی تھے۔ آپ نے ۲۵ رمضان ۱۳۳۱ھ جمعۃ الوداع کے روز امرتسر میں انتقال کیا۔

عبدالواحد غزنویؒ

مولانا عبدالواحد غزنوی بن مولانا سید عبداللہ غزنوی نیکی، خلوص، للّٰہیت، ذکر و فکر، عبادت وریاضت، دعوت وارشاد، تزکیۂ نفس، طہارت نفس اور اصلاح باطن میں اپنے والد سید عبداللہ غزنوی کا عکس ثانی تھے۔

مولانا عبدالواحد غزنوی نے دینی تعلیم اپنے برادران مولانا محمد، مولانا احمد اور مولانا عبدالجبار غزنوی سے حاصل کی اور اپنے والد سے روحانی فیض حاصل کیا۔ حدیث کی تحصیل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی سے کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ امرتسر میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ بعد میں مولانا سید عبدالجبار غزنوی نے آپ کو مسجد چینیا نوالی لاہور بھیج دیا تاکہ لاہور کے مسلمانوں کو توحید و سنت کی دعوت دے سکیں اور شرک و بدعت سے اجتناب کی تلقین کریں۔

مولانا عبدالواحد غزنوی بڑے عبادت گزار تھے۔ نماز میں خشوع و خضوع بہت زیادہ ہوتا تھا۔ مستجاب الدعوات تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا تھا۔ ان کے درس قرآن اور خطبہ جمعہ میں لوگ کثرت سے آتے تھے۔ مولانا احمد علی لاہوری جو خود ایک بہت بڑے عالم اور جامع الکمالات تھے روزانہ ان کے درس قرآن میں شریک ہوتے تھے اور ان کے فیوض و

برکات سے مستفیض ہوتے تھے۔

مولانا عبدالواحد غزنوی کے سلطان عبدالعزیز مرحوم والئی سعودی عرب کے والد سلطان عبدالرحمٰن سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ آپ جب بسلسلہ تجارت اپنے بھائی مولانا عبدالرحیم غزنوی کے ساتھ کویت تشریف لے گئے تو ان دنوں سلطان عبدالرحمٰن کویت میں جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ انہوں نے مولانا عبدالواحد غزنوی اور مولانا عبدالرحیم غزنوی سے درخواست کی کہ آپ ہمارے ہاں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کریں۔ چنانچہ مولانا عبدالواحد اور مولانا عبدالرحیم نے ۵ سال تک سعودی خاندان کو علم دین پڑھایا۔

۱۹۲۶ء میں سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن نے حجاز فتح کیا اور مکہ معظمہ میں موتمر عالم اسلامی کے انعقاد کا اہتمام کیا۔ اس میں ہندوستان کی تین جماعتوں مجلس خلافت، جمعیۃ علمائے ہند اور آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کو شرکت کی دعوت دی گئی۔

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کی طرف سے درج ذیل چار علمائے کرام نے شرکت کی:

(۱) مولانا ثناءاللہ امرتسری (سربراہ وفد)

(۲) حافظ حمیداللہ (دہلی)

(۳) مولانا عبدالواحد غزنوی (لاہور)

(۴) مولانا سید اسماعیل غزنوی (امرتسر)

مولانا سید عبدالواحد غزنوی نے ۱۹۳۰ء میں امرتسر میں انتقال کیا۔

٭

عبدالرحیم غزنوی

مولانا عبدالرحیم غزنوی بن مولانا عبداللہ غزنوی علمائے فحول میں سے تھے۔ غزنی میں پیدا ہوئے۔ اپنے برادران مولانا محمد، مولانا احمد اور مولانا عبدالجبار غزنوی سے تعلیم حاصل کی

اور اپنے والد حضرت عبداللہ غزنوی سے بھی اکتساب فیض کیا۔

فراغت تعلیم کے بعد اپنے آبائی مدرسہ میں تدریس پر مامور ہوئے۔ دہلی کے مدارس میں کچھ عرصہ تدریسی خدمات انجام دیں۔

مولانا عبدالرحیم اپنے بھائی مولانا عبدالواحد غزنوی کے ساتھ بسلسلہ تجارت کویت گئے۔ وہاں ان دنوں سلطان عبدالعزیز مرحوم والئی سعودی عرب کے والد سلطان عبدالرحمٰن جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ انہوں نے دونوں بھائیوں کے علمی مقام اور مرتبہ کو دیکھتے ہوئے ان کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ہمارے پاس درس و تدریس کا سلسلہ شروع کریں۔ چنانچہ ان دونوں بھائیوں نے ۵ سال تک سلطان عبدالرحمٰن کے خاندان کو علم دین پڑھایا۔

مولانا عبدالرحیم غزنوی جب ہندوستان واپس آئے تو اس وقت کے امیر بہاول پور نے ان کو دعوت دے کر اپنے ہاں بلایا اور منڈی صادق گنج کی شاہی مسجد کا خطیب مقرر کیا۔ آپ نے اس علاقہ میں تادیر توحید و سنت کی دعوت دی اور شرک و بدعت اور محدثات کی تردید کی۔

مولانا عبدالرحیم غزنوی نے ۱۳۴۲ھ میں انتقال کیا۔

سید عبدالاوّل غزنوی

مولانا سید عبدالاوّل بن مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی علمائے فحول میں سے تھے۔ مولانا عبدالقادر لکھوی، مولانا محمد بن عبداللہ اور مولانا سید عبدالجبار غزنوی سے جملہ علوم و فنون میں تعلیم حاصل کی۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کی تحصیل شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے کی۔

تحصیل حدیث کے بعد اپنی ساری زندگی درس و تدریس میں بسر کر دی اور اس کے ساتھ دعوت وارشاد اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ مولانا سید عبدالاوّل غزنوی کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔

مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا حافظ عبداللہ روپڑی آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔

مولانا عبدالاوّل غزنوی تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔

آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) نصرة الباری فی ترجمہ صحیح البخاری (۲ جلد)

(۲) انعام المنعم بترجمة الصحیح المسلم

(۳) الرحمته المهداة الی من برید ترجمة المشکوٰة (۴ جلد)

(۴) ترجمہ "ریاض الصالحین" امام نووی

مولانا سید عبدالاوّل غزنوی نے ۱۳۱۳ھ میں وفات پائی۔
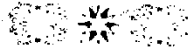
عبدالغفور غزنوی

مولانا عبدالغفور غزنوی بن مولانا محمد غزنوی، مولانا سید عبدالاوّل غزنوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ دینی تعلیم اپنے والد مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی اور مولانا عبدالجبار غزنوی سے حاصل کی۔ حدیث کی تحصیل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی سے کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد امرتسر میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں برسوں تدریس فرماتے رہے۔

۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم تقویۃ الاسلام سے علیحدگی اختیار کر لی اور اپنا ایک علحدہ مدرسہ

بنام ''مدرسہ سلفیہ غزنویہ'' جاری کیا۔

مولانا عبدالغفور غزنوی کے تلامذہ کی فہرست بھی طویل ہے۔

مولانا حافظ محمد گوندلوی اور مولانا محمد اسماعیل السلفی ان کے مشہور تلامذہ میں سے تھے۔ مولوی سید رفیع الدین بخاری سوہدروی جو ایک دیوبندی عالم تھے اور مولانا مفتی محمد حسن امرتسری کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور راقم آثم کے ان سے اچھے تعلقات تھے۔ مجھ سے بارہا فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حدیث کی تحصیل مولانا عبدالغفور سے کی اور ان سے جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور صحیح مسلم کا درس لیا۔

مولوی سید رفیع الدین مرحوم یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:

''مولانا عبدالغفور غزنوی بڑی محنت سے پڑھایا کرتے تھے اور طلباء کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے تھے۔ جب تدریس سے فارغ ہوتے تو مطالعہ شروع کر دیتے۔ امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی تصانیف کے شیدائی تھے اور زیادہ ان دونوں ائمہ کرام کی کتابیں مطالعہ کرتے تھے۔''

مولانا عبدالغفور غزنوی تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔

ان کی تصانیف درج ذیل ہیں:

① حواشی قرآن مجید معروف بہ حمائل غزنویہ
② مشکوٰۃ الانوار تسہیل مشارق الانوار
③ ترجمہ ''ریاض الصالحین'' امام نووی
④ ترجمہ ''بلوغ المرام'' ابن حجر
⑤ الحزب الاعظم

مولانا عبدالغفور غزنوی نے ''انوار الاسلام'' کے نام سے ایک مطبع قائم کیا تھا جس میں قرآن مجید اور کتب حدیث کے بعض تراجم شائع کیے۔ اس سے مسلک اہلحدیث کو بہت فروغ حاصل ہوا۔

مولانا عبدالغفور غزنوی نے ۱۹۳۵ء میں انتقال کیا اور ان کے انتقال کے بعد مدرسہ سلفیہ غزنویہ اپنے منبع یعنی مدرسہ تقویۃ الاسلام امرتسر میں مدغم ہوگیا۔ بمصداق:

﴿ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ ﴾

سید محمد داؤد غزنوی

مولانا سید داؤد غزنوی برصغیر (پاک و ہند) کے ممتاز عالم دین، شعلہ نوا خطیب، علوم اسلامیہ کے متبحر عالم، انشاء پرداز، صحافی اور جلیل القدر سیاستدان تھے۔ مولانا داؤد غزنوی ؒ کا تعلق ایک علمی خاندان سے تھا۔ آپ کے دادا عارف باللہ، مولانا السید عبداللہ غزنوی کا شمار اولیائے کرام میں ہوتا ہے۔ جو غزنی سے ہجرت کر کے امرتسر (مشرقی پنجاب) میں آباد ہو گئے تھے۔ ان کے علم و فضل اور زہد و ورع کا اعتراف علمائے اسلام نے کیا ہے۔

مولانا حکیم سید عبدالحی الحسنی ؒ لکھتے ہیں:

''حضرت عبداللہ بن محمد بن محمد شریف الغزنوی شیخ تھے۔ امام تھے، عالم تھے، زاہد تھے، مجاہد تھے، رضائے الٰہی کے حصول میں کوشاں تھے، اللہ کی رضا کے لیے اپنی جان، اپنا ملک، اپنا وطن سب کچھ لٹا دینے والے تھے۔ علمائے سوء کے خلاف ان کے معرکے مشہور ہیں۔'' (نزہۃ الخواطر: ۳۰۲/۷)

مولانا عبداللہ غزنوی ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۱ء میں غزنی میں پیدا ہوئے اور ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۸۷۹ء میں امرتسر (مشرقی پنجاب) میں وفات پائی۔

مولانا سید داؤد غزنوی کے والد حضرت امام مولانا سید عبدالجبار غزنوی ؒ بھی علمائے ربانی میں سے تھے۔ ان کی ساری زندگی امرتسر میں قرآن و حدیث کی تدریس میں بسر ہوئی۔ دنیا اور اہل دنیا سے الگ تھلگ رہتے تھے اور اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے اور مخلوق کو اللہ

کی طرف بلانے میں مشغول رہتے۔ امامت کے مرتبہ پر فائز تھے۔ ۱۲۶۸ھ میں غزنی میں پیدا ہوئے اور رمضان ۱۳۳۱ھ میں امرتسر میں انتقال کیا۔ (نزہتہ الخواطر: ۲۱۹/۸)

مولانا سید داؤد غزنویؒ ۱۸۹۵ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم امام مولانا سید عبدالجبار غزنویؒ، مولانا سید عبدالاوّل غزنوی اور مولانا گل محمد سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کو دہلی بھیج دیا گیا جہاں آپ نے حدیث کی تحصیل استاد الاساتذہ حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری سے کی اور علوم نقلیہ کی تحصیل مولانا سیف الرحمٰن کابلی سے کی۔

مولانا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ حضرت مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ کے شاگرد تھے۔ حضرت میاں صاحب فرمایا کرتے تھے:

"میرے درس میں دو (۲) عبداللہ آئے ہیں۔ ایک عبداللہ غزنوی اور دوسرے عبداللہ غازی پوریؒ۔"

مولانا عبدالحی الحسنی نے لکھا ہے کہ:

"مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری سربرآوردہ فقیہ تھے اور اس قدر تبحر علمی کے باوجود اور درس وتدریس میں اس قدر مشغول ہونے کے باوصف و نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔" (نزہتہ الخواطر: ۲۸۷/۸)

دہلی سے فراغت تعلیم کے بعد مولانا سید داؤد غزنوی واپس امرتسر آ گئے اور بڑی مستعدی اور ذوق وشوق کے ساتھ اپنی آبائی درسگاہ یعنی مدرسہ غزنویہ میں تفسیر اور حدیث کی تدریس کا کام سرانجام دینے لگے اور ایک عرصہ تک کتاب وسنت کے چشمۂ صافی سے تشنہ کامانِ علم کی دینی پیاس بجھاتے رہے۔ اس زمانے میں دعوت وتبلیغ کے ساتھ تحریک آزادی وطن کے لیے بھی سرگرم عمل ہوئے اور سیاسی میدان میں قدم رکھا۔

یہ دور ۱۹۱۹ء کا تھا۔ ۱۹۱۹ء کا سال انگریزی دور کا دورِ استبداد تھا۔ ملک میں مارشل لا نافذ تھا۔ مولانا سید داؤد غزنوی نے انگریزی حکومت کے خلاف آواز اُٹھائی اور حکومت کے خلاف تقریروں کا سلسلہ شروع کیا۔ مولانا غزنوی ایک شعلہ نوا خطیب تھے، وہ حکومت کے

خلاف تقریر کرتے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ آگ کے انگارے برسا رہے ہیں۔

۱۹۲۱ء میں جمعیۃ العلماء ہند کی تشکیل ہوئی تو اس کی تاسیس میں اہم کردار ادا کیا۔ ابتدا میں مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ پھر مدتوں نائب صدر رہے۔ ۱۹۲۱ء میں حکومت کے خلاف ایک تقریر کی پاداش میں تین سال کے لیے اسیر زنداں ہوئے۔ ۱۹۲۴ء میں رہا ہوئے اور ایک سال بعد ۱۹۲۵ء میں دوبارہ جیل بھیج دیے گئے۔ ۱۹۲۶ء میں رہا ہوئے اور ۱۹۲۷ء میں تیسری بار حوالۂ زنداں ہوئے۔

۱۹۲۹ء میں مجلس احرار قائم ہوئی تو اس میں شمولیت اختیار کی۔ اور اس کے پہلے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ دو ڈھائی سال تک مجلس احرار کے سیکرٹری رہے۔ ۱۹۳۲ء میں تحریک کشمیر میں گرفتار ہوئے۔

۱۹۴۲ء میں کانگرس سے استعفا دے کر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور شمولیت کے بعد مولانا غزنوی نے ہندوستان کے تقریباً سب بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور مسلمانوں کے سامنے ہندو اور انگریز دونوں کے عزائم بے نقاب کیے اور ان کے خلاف آگ لگا دی۔ مسلم لیگ میں مولانا داؤد غزنوی کی شمولیت سے جماعت کو بہت زیادہ قوت حاصل ہوئی۔

مولانا سید داؤد غزنوی جہاں ایک بلند مرتبہ عالم دین اور خطیب تھے وہاں آپ ایک کامیاب صحافی بھی تھے۔ یکم اپریل ۱۹۲۷ء کو آپ نے امرتسر سے ہفتہ وار اخبار ''توحید'' جاری کیا۔ توحید ایک بلند پایہ دینی، علمی اور تحقیقی اخبار تھا۔ اس میں برصغیر کے ممتاز اور مقتدر علمائے کرام کے مضامین چھپتے تھے جن میں چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مولانا محی الدین احمد قصوری، مولانا عبدالواحد غزنوی، مولانا محمد علی قصوری اور مولانا سید سلیمان ندوی رحمہم اللہ اجمعین وغیرہم۔

۱۹۴۷ء میں جماعت اہلحدیث کو منظم اور فعال بنانے کے لیے جماعت اہلحدیث کی ازسرِنو تنظیم کی اور مغربی پاکستان جمعیۃ اہلحدیث کے نام سے جماعت کی تشکیل کی اور اس سلسلہ

میں مولانا محمد اسماعیل السلفی، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، مولانا عبدالمجید سوہدروی اور دوسرے مقتدر علمائے کرام کا تعاون حاصل کیا۔ چنانچہ مولانا غزنوی جمعیۃ اہل حدیث مغربی پاکستان کے پہلے صدر اور مولانا محمد اسماعیل السلفی جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔

حکومت پاکستان نے آئین کی تشکیل کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمی بورڈ مولانا سید سلیمان ندویؒ کی سربراہی میں بنایا۔ ممبران کی تعداد ۳۱ تھی۔ اور یہ سب کے سب ملک کے مقتدر علماء تھے۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی بھی ان ۳۱ علماء میں شامل تھے۔ ۱۹۶۲ء میں مدینہ یونیورسٹی قائم ہوئی تو مولانا سید داؤد غزنوی کو اس کی مشاورتی کونسل کا رکن نامزد کیا گیا۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے علم و فضل اور ان کے تبحر علمی کا برصغیر کے ممتاز اکابرین نے اعتراف کیا۔

مولانا ظفر علی خان نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا:

قائم ہے ان سے ملت بیضا کی آبرو   اسلام کا وقار ہیں داؤد غزنوی
رجعت پسند دیکھ کر ان کو یہ کہنے لگے   آیا ہے سومنات میں محمود غزنوی

۱۹۶۲ء کے شروع ہی سے مولانا سید داؤد غزنوی مسلسل بیمار چلے آرہے تھے۔ اختلاج قلب کی تکلیف تھی۔ علاج معالجہ ہوتا رہا، کبھی طبیعت سنبھل جاتی اور کبھی تکلیف بڑھ جاتی۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۶۳ء کو صبح طبیعت ٹھیک تھی کہ اچانک ساڑھے نو بجے دل کا شدید دورہ پڑا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ دوسرے دن صبح ساڑھے نو بجے جنازہ اُٹھایا گیا۔ جنازہ میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ مولانا محمد اسماعیل السلفی نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبرستان میانی صاحب میں سپرد خاک کیے گئے۔ بقولِ غالبؔ

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

سید اسمٰعیل غزنوی

مولانا سید اسمٰعیل غزنوی بن مولانا عبدالواحد غزنوی امرتسر میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم مدرسہ غزنویہ امرتسر میں حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا عبدالواحد غزنوی اور مولانا سید عبدالاوّل غزنوی شامل ہیں۔

مولانا سید اسمٰعیل غزنوی بڑے فعال اور سرگرم عالم تھے۔ ان کی دینی وملّی اور سیاسی خدمات قابل قدر ہیں۔ آپ نے حاجیوں کی خدمت میں نمایاں حصہ لیا۔ آپ سلطان بن سعود مرحوم کی طرف سے ہندوستان میں امورحج کے نگران تھے اور آپ کا مرتبہ ایک وزیر کے برابر تھا۔ تحریک آزادی میں ان کی نمایاں خدمات ہیں۔

۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود مرحوم نے موتمر عالم اسلامی کا اجلاس مکہ مکرمہ میں طلب فرمایا تھا۔ علماء میں سے آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ کانفرنس کا وفد مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری کی سربراہی میں مکہ مکرمہ گیا تھا۔ اس وفد کے ایک رکن مولانا سید اسماعیل غزنوی بھی تھے۔

مولانا سید اسماعیل غزنوی تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

① استقلال حج، ② تحفہ وہابیہ، ③ جلالتہ الملک ابن سعود، ④ استقلال حجاز، ⑤ اصلاحات حجاز۔

مولانا سید اسماعیل غزنوی نے مغربی پاکستان جمعیتہ اہلحدیث کانفرنس منعقدہ ۴/اپریل ۱۹۵۵ء کی صدارت فرمائی تھی۔ جس میں آپ نے خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا۔ راقم اس کانفرنس میں موجود تھا۔ خطبۂ صدارت میں جب علمائے اہلحدیث کی دینی وملی اور علمی وسیاسی

خدمات کا تذکرہ آیا، تو اس میں مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری کا نام شامل نہیں تھا۔ تو پنڈال میں شور مچ گیا اور ہر طرف سے آوازیں آنا شروع ہو گئیں کہ یہ کیا اندھیر ہے کہ مولانا ثناء اللہ کا نام نہیں لیا گیا، حالانکہ ان کی خدمات کا برصغیر میں کوئی عالم خواہ وہ کسی مسلک کا ہے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ لوگوں کے احتجاج پر مولانا ثناء اللہ امرتسری کا نام شامل کیا گیا۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری کا نام اس لیے شامل نہ کیا گیا کہ ان کی عربی تفسیر "تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن" پر علمائے غزنویہ نے کچھ اعتراضات کیے تھے اور یہ ایک نزاع چل گیا اور آخر سلطان ابن سعود مرحوم نے اس نزاع کو ختم کرایا۔ میرے خیال میں مولانا سید اسمٰعیل غزنوی نے دیدہ دانستہ مولانا امرتسری کا نام لیا نہیں لیا تھا۔

مولانا سید اسمٰعیل غزنویؒ نے ۱۹۶۰ء میں لاہور میں انتقال کیا۔
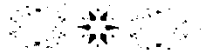
حافظ محمد زکریا غزنویؒ

مولانا حافظ محمد زکریا غزنوی، مولانا عبدالرحیم غزنوی کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا عبدالرحیم غزنوی سے حاصل کی بعد ازاں مدرسہ غزنویہ امرتسر میں مولانا سید عبدالاوّل غزنوی اور مولانا عبدالجبار غزنوی سے بھی استفادہ کیا۔

مولانا حافظ محمد زکریا غزنوی بڑے صاحب فضل و کمال عالم دین تھے۔ ان کی دینی و ملی خدمات قابل قدر ہیں۔ جماعت اہل حدیث کو منظم اور فعال بنانے میں ان کی بہت نمایاں خدمات ہیں:

مولانا عبدالعظیم انصاری لکھتے ہیں کہ:

"حافظ محمد زکریا غزنوی اپنے والد گرامی حضرت مولانا عبدالرحیم غزنوی کی

وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ صادق گنج کی جامع مسجد کی خطابت بھی آپ کے سپرد تھی۔ آپ نے ایک دینی مدرسہ بھی جاری کیا۔ جس میں قرآن و حدیث اور درس نظامی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ خود بھی بساطِ تعلیم پر فائز رہے۔ آپ نامور عالم دین تھے۔ فقہ واصول اور علوم عربیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ رفیع المرتبت بزرگ "عبادت گزار" متدین اور صاحب وکمال تھے۔"

مولانا حافظ محمد زکریا غزنوی کا نکاح مولانا فیض اللہ بھوجیانی کی صاحبزادی سے ہوا تھا۔ آپ نے ۳۰ر دسمبر ۱۹۸۰ء کو منڈی صادق گنج میں انتقال کیا۔

سید ابوبکر غزنوی

مولانا سید ابوبکر غزنوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے دوسرے صاحبزادے تھے اور مولانا سید عبدالاول غزنوی کے نواسے تھے۔ ۱۹۲۷ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ عصری تعلیم ایم اے (عربی)، ایم اے (اسلامیات) اور ایل ایل بی تھی۔

دینی تعلیم اپنے والد مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد شریف اللہ خاں سواتی، اور مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے حاصل کی۔ فراغت تعلیم کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں اسلامیات کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں شعبہ دینیات کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور وہاں سے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے وائس چانسلر ہو گئے۔

پروفیسر سید ابوبکر غزنوی جید عالم دین تھے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ عربی ادب کا انہیں خاص ذوق تھا۔ بہت عبادت گزار اور بہت زیادہ ذکر واذکار کرتے تھے۔ بڑے خوش

اخلاق وملنسار اور پیکر حلم وعلم تھے۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی امیر جمعیتہ اہلحدیث تھے۔ ان کے انتقال کے بعد شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل السلفی کو امیر جمعیت بنایا گیا۔ مولانا سلفی مرحوم پہلے ناظم اعلیٰ تھے۔ چنانچہ ان کے امیر منتخب ہونے پر سید ابوبکر غزنوی کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔ لیکن آپ زیادہ دیر جمعیتہ اہلحدیث کے ساتھ وابستہ نہ رہ سکے۔

سید ابوبکر غزنوی انگریزی اور اُردو کے بڑے اچھے مقرر تھے۔ حکیم محمد سعید شہید نے لاہور میں ایک بین الاقوامی سیرت کانفرنس کا انعقاد کیا۔ اس کے ایک اجلاس میں امام کعبہ عبداللہ بن سبیل، جسٹس حمود الرحمٰن اور سید ابوبکر غزنوی کی تقریریں تھیں۔ راقم اس اجلاس میں موجود تھا۔

امام کعبہ کی تقریر عربی میں ہوئی۔ بعد میں اس کا اُردو ترجمہ ہوا۔ جسٹس حمود الرحمٰن اور سید ابوبکر غزنوی کی تقریریں انگریزی میں ہوئیں۔ میں نے دیکھا کہ سید صاحب روانی سے، انگریزی میں تقریر کر رہے تھے کہ گویا انگریزی ان کی مادری زبان ہے۔ میرے ساتھ حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی مرحوم بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت حکیم صاحب مرحوم نے فرمایا کہ:

"میں نے انگریزی زبان میں پنڈت جواہر لعل نہرو، قائداعظم محمد علی جناح، ڈاکٹر ضیاء الدین اور سر راس مسعود کی تقریریں سُنی ہیں۔ وہ اس طرح روانی سے تقریریں نہیں کرتے تھے کہ جس طرح سید صاحب تقریر کر رہے ہیں۔"

تقریر کے بعد حکیم صاحب اور راقم سید صاحب سے ملے۔ بڑی خندہ پیشانی اور محبت سے ملے۔ حکیم صاحب نے فرمایا:

"آپ نے تو حد کر دی ہے کہ انگریزی میں اتنی روانی سے میں نے اس سے پہلے کسی کی تقریر نہیں سُنی۔"

سید صاحب نے فرمایا: حکیم صاحب یہ آپ کا حسن ظن ہے میں نے سید صاحب سے جمعیتہ اہلحدیث کی نظامت سے علیحدگی کے بارے میں سوال کیا تو سید ابوبکر غزنوی نے فرمایا:

"عراقی صاحب جمیعۃ والے بڑے لوگ ہیں، میں ان کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ میرے اور ان کے خیالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ میں دورُخی کا قائل نہیں ہوں، صاف گو ہوں اور میں معمولی سی فروگزاشت کو پسند نہیں کرتا۔ اس لیے میرا ان کے ساتھ چلنا محال تھا اور میں علیحدہ ہوگیا اور میرا یہ فیصلہ اٹل ہے۔ اس میں رتی بھر بھی لچک نہیں۔ جمعیۃ والے جانیں اور ان کا کام۔ میرا ان سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔"

سید ابو بکر غزنوی مولانا سید داؤد غزنوی کے انتقال کے بعد دار العلوم تقویۃ الاسلام لاہور کے مہتمم مقرر ہوئے اور اس کے ساتھ خطبہ جمعہ دینا بھی آپ کے فرائض میں شامل تھا۔

سید ابو بکر غزنوی ایک اچھے مقرر اور خطیب تھے، بہت عمدہ مصنف بھی تھے۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

1. حقیقت ذکر الٰہی
2. اسلام اور آداب معاشرت
3. اسلام میں گردش دولت
4. عصر حاضر میں استاد اور شاگرد کا رشتہ
5. اسلامی ریاست کے چند ناگزیر تقاضے
6. کتابت حدیث عہد نبوی میں
7. خطبات جہاد
8. واقعہ کربلا
9. اس دنیا میں اللہ کا قانون جزا و سزا
10. قرآن مجید کے صُوَرِی اور معنوی محاسن (ایک اجمالی جائزہ)
11. محمدی انقلاب کے چند خدوخال

⑫ سیدی وابی (مولانا سید داؤد غزنوی کے حالات زندگی اور ان کی علمی و سیاسی خدمات کا تذکرہ)

مولانا سید ابوبکر غزنوی نے ۱۶؍اپریل ۱۹۷۶ء کو لندن میں ایک حادثے میں انتقال کیا۔ چار دن بعد ۲۰؍اپریل ان کی نعش لاہور پہنچی اور انہیں میانی صاحب قبرستان میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

☆

(۸)

خاندان مولانا فیض اللہ بھوجیانی
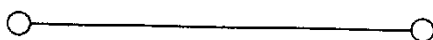
۱ فیض اللہ	۲ عبدالرحمٰن
۳ عبدالرحیم	۴ حافظ بشیر احمد
۵ عبدالرشید	۶ محمد یحییٰ

مولانا فیض اللہ بھوجیانی

مولانا فیض اللہ بن جمال الدین خاں بن خلیل احمد خاں افغان خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی تاریخ پیدائش معلوم نہیں۔

ابتدائی تعلیم قرآن مجید اور عربی و فارسی کی ابتدائی کتب اپنے والد سے پڑھیں۔ اس کے بعد مزید تحصیل علم کے لیے مدرسہ غزنویہ امرتسر میں پہنچے۔ جہاں آپ نے مولانا عبداللہ بن عبداللہ غزنوی اور مولانا عبدالجبار غزنوی سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی اور مولانا عبدالرحیم غزنوی سے بھی استفادہ کیا۔

حدیث کی سند و اجازت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی اور علامہ شیخ حسین بن محسن انصاری استاد محی السنۃ مولانا سید نواب صدیق حسن خاں قنوجی رئیس بھوپال سے حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد آپ نے بھوجیاں میں ایک مدرسہ بنام ''فیض الاسلام'' کی بنیاد رکھی۔ اور اس میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور اس مدرسہ میں آپ آخر عمر تک تدریس فرماتے رہے۔

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مرحوم آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا فیض اللہ علم و فضل کے اعتبار سے ایک جید عالم دین تھے۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان کی نظر وسیع تھی۔ مسائل کی تحقیق و تدقیق میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ ان کی ساری زندگی درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ میں بسر ہوئی۔ اس لیے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ مولانا عطاء اللہ مرحوم کے بیان کے مطابق ایک دو رسائل لکھے تھے۔

مولانا عطاء اللہ حنیف بیان کرتے تھے کہ مولانا فیض اللہ بعض مسائل میں منفرد تھے۔ مثلاً آپ کا موقف یہ بھی تھا کہ رمضان المبارک میں دن کے آخری حصے میں یعنی نماز عصر سے نماز مغرب تک مسواک نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے روزے دار کے منہ کی وہ بو زائل

ہو جاتی ہے جو حدیث کی رو سے اللہ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

تحریک مجاہدین جو حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی نے شروع کی تھی، اس تحریک سے بھی مولانا فیض اللہ خفیہ طور پر وابستہ تھے۔ اور خفیہ طور پر چندہ جمع کر کے مجاہدین کو بھیجتے تھے۔

مولانا عبدالعظیم انصاری لکھتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ پولیس نے چھاپہ مار کر آپ کو گرفتار کرلیا۔ مکان کی تلاشی بھی لی لیکن کوئی چیز برآمد نہ ہوسکی۔ آپ کے ساتھ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کو بھی گرفتار کیا گیا۔ اور یہ دونوں بزرگ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ حکومت ان کے خلاف کوئی ثبوت فراہم نہ کرسکی۔ اس لیے انہیں رہا کر دیا گیا۔''

مولانا فیض اللہ اخلاق ستودہ اور اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔ بڑے غیور تھے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں بڑے سخت تھے۔

مولانا عبدالعظیم انصاری لکھتے ہیں کہ:

''مولانا فیض اللہ کے علمی مرتبہ، خاندانی وجاہت اور غزنوی خاندان سے تعلقات کی بنا پر عوام آپ کے بے حد گرویدہ اور عقیدت مند تھے۔ آپ انتہائی غیور وجسور تھے۔ خلاف اسلام کوئی کام ہوتا نظر آتا تو فوراً سختی سے روکتے۔ کسی شخص کی جرأت نہ تھی کہ آپ کے سامنے گستاخی سے پیش آئے۔ مستورات شرم و حیا اور خوف کی وجہ سے آپ کا سامنا نہیں کرتی تھیں۔ جب آپ راستے سے گزرتے یا کسی گلی میں چلتے تو کوئی عورت اپنے مکان سے باہر نکلنے کی جرأت نہ کرتی۔ گاؤں کے لوگ اپنے تنازعات ومناقشات میں آپ کو ثالث اور حکم تسلیم کرتے اور آپ کے فیصلے پر سر تسلیم خم کرتے۔''

مولانا فیض اللہ جامع الکمالات وصاحب کرامات تھے۔ علمائے غزنویہ کے فیض یافتہ تھے۔ زہد وتقویٰ کے پیکر تھے، توحید وسنت کے علمبردار تھے، بڑے متبع سنت تھے۔ مولانا فیض

اللہ نے ۱۹۲۵ء میں انتقال کیا۔ اور ان کی نماز جنازہ مولانا عبدالواحد غزنوی نے پڑھائی۔

﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾

عبدالرحمٰن

مولانا عبدالرحمٰن بن مولانا فیض اللہ ۹۹۔۱۸۹۸ء میں بھوجیاں ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز اپنے والد مولانا فیض اللہ خاں سے کیا۔ اس کے بعد منڈی صادق گنج جا کر مولانا عبدالرحیم غزنوی بن مولانا سید عبداللہ غزنوی سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد واپس بھوجیاں آئے اور اپنے آبائی مدرسہ فیض الاسلام میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور زندگی کے آخری دن تک اس مدرسہ میں تدریس فرماتے رہے۔ آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا عبدالعظیم انصاری، حافظ بشیر احمد بھوجیانی، مولانا محمد داؤد ارشد میاں چنوں۔

مولانا عبدالرحمٰن زہد و ورع، تقویٰ و طہارت، امانت و دیانت میں اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ اخلاق ستودہ اور اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔ تواضع و انکساری کے پیکر تھے۔ بلند اخلاق، اعلیٰ اوصاف، نیک کردار اور للّٰہیت کے باعث اپنے گاؤں میں عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی ان کا ادب و احترام کرتے تھے۔ حج کی سعادت بھی بہرہ ور ہو چکے تھے۔ بقول مولانا عبدالعظیم انصاری، آپ ایک صاحب حال بزرگ اور عارف باللہ تھے۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔ پنجاب میں ہندو مسلم فسادات شروع ہو چکے تھے۔ آپ اپنے گاؤں سے نکلنے کی تیاری کر رہے تھے کہ ۱۶ اگست ۱۹۴۷ء کو

سکھوں نے آپ کو شہید کر دیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

محمد عبداللہ

مولانا محمد عبداللہ بن مولانا فیض اللہ خاں ۱۹۰۲ء میں بھوجیاں ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا فیض اللہ خاں سے حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ محمدیہ لکھو کے ضلع فیروز پور جا کر مولانا عطاء اللہ لکھوی سے استفادہ کیا۔ لکھو کے میں استفادہ کے بعد آپ مولانا عبدالرحیم غزنوی کی خدمت میں منڈی صادق گنج حاضر ہوئے۔ اور ان سے تفسیر، حدیث اور فقہ میں اکتساب فیض کیا۔ منڈی صادق گنج سے آپ مولانا خیر محمد جالندھری جو حنفی مسلک تھے ان سے جالندھر جا کر فقہ و اصول فقہ میں استفادہ کیا۔ جالندھر سے آپ امرتسر تشریف لے گئے اور مدرسہ غزنویہ میں داخل ہوئے۔ وہاں آپ نے مولانا ابو اسحاق نیک محمد سے تفسیر اور حدیث کی تحصیل کی۔

علم طب کی تحصیل طبیہ کالج لکھنؤ سے کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد واپس بھوجیاں آئے اور اپنے آبائی مدرسہ ''فیض الاسلام'' میں تدریس شروع کی۔ آپ مدرسہ میں تمام علوم تفسیر، حدیث، فقہ، اُصول فقہ، اصول حدیث وغیرہ پڑھاتے تھے۔ ۱۹۳۳ء میں مولانا محمد اسماعیل السلفی کی تحریک پر جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں تشریف لائے اور دو سال تک جامعہ محمدیہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد پھر واپس تشریف لے گئے۔ اور اپنے آبائی مدرسہ ''فیض الاسلام'' میں تدریس فرمانے لگے۔

۱۹۳۶ء میں آپ کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالرحیم کی شادی پر مولانا سید محمد داؤد

غزنوی بھوجیاں تشریف لائے۔ مولانا غزنوی مرحوم نے آپ کو مدرسہ غزنویہ امرتسر میں بطور استاد آنے کی دعوت دی۔ جو آپ نے منظور کر لی۔ چنانچہ آپ امرتسر تشریف لے گئے اور کافی عرصہ مدرسہ غزنویہ میں تدریس فرماتے رہے۔

مولانا محمد عبداللہ خوش خصال، نیک سیرت اور بلند اخلاق کے حامل تھے۔ نہایت متحمل مزاج، بردبار، متواضع اور حلیم الطبع تھے۔ مکارم اخلاق سے متصف، جود وسخا اور انکساری کا پیکر تھے۔ نہایت ذہین، معاملہ فہم، صاحب فکر وبصیرت، صاحب فراست، عالی دماغ اور ذہانت وفطانت کا مرقع تھے۔

مولانا محمد عبداللہ نے اپنی ساری زندگی کتاب وسنت کی ترویج اور اشاعت میں گزار دی۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ان کی زندگی کا شعار تھا۔

کتاب وسنت اور مسلک حقہ اہل حدیث کے خلاف معمولی سی بات سننے کو بھی تیار نہ تھے۔ اگر کوئی شخص اہلحدیث کے خلاف طعن وتشنیع کرتا تو فوراً دفاع کے لیے تیار ہو جاتے۔

مولانا عبداللہ اپنی ہر دلعزیزی، علم ودانش، خاندانی شرافت، پسندیدہ اطوار اور اعلیٰ اخلاق وکردار کے حامل ہونے کے باعث مسلمانوں اور غیر مسلموں کی نگاہ میں عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے اور مسلم وغیر مسلم ان کو اپنے تنازعات میں حکم تسلیم کرتے اور ان کے فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔

مولانا محمد عبداللہ علم وفضل کے اعتبار سے علوم آلیہ وعالیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، ادب ولغت، تاریخ وسیر، اسماء الرجال، فلسفہ وحکمت اور منطق میں "دائرۃ المعارف" تھے۔

مولانا عبداللہ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں اپنے گھر بھوجیاں میں سکھوں کے ہاتھوں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ خدا جانے سکھوں نے ان کے لاشہ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

مقدور ہوں تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

تلامذہ:

مولانا محمد عبداللہ کی ساری زندگی درس وتدریس میں گزری۔ اس لیے ان کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں:

شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ گوجرانوالہ، مولانا محمد اسحاق چیمہ، مولانا حافظ محمد ابراہیم کمیر پوری، مولانا محمد عبداللہ فیصل آبادی، مولانا عتیق اللہ بن میاں محمد باقر، مولانا محمد داؤد ارشد میاں چنوں، مولانا حافظ اسماعیل ذبیح، مولانا حافظ عبدالرشید گوہڑوی، مولانا عبدالحق صدیقی، مولانا عبدالعظیم انصاری، مولانا محمد یوسف راجووال، مولانا سیف الرحمٰن الفلاح، مولانا حافظ بشیر احمد بھوجیانی، مولانا محمد یحییٰ میر محمدی، مولانا ابوبکر صدیق سلفی، مولانا ابو السلام محمد صدیق سرگودھا وغیرہم۔

عبدالرحیم

مولانا عبدالرحیم بن مولانا فیض اللہ خاں بھوجیانی ۱۹۱۸ء میں بھوجیاں ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ عصری تعلیم مڈل تھی۔ دینی تعلیم کا آغاز گھر سے ہوا۔ اور اپنے برادران مولانا عبدالرحمٰن اور مولانا محمد عبداللہ سے قرآن مجید ترجمہ کے ساتھ، صرف ونحو اور بلوغ المرام اور مشکوٰۃ اور دیگر کتب درسیہ پڑھیں۔ بعد ازاں جامعہ محمدیہ لکھوکے میں مولانا عطاء اللہ لکھوی سے دیگر علوم میں استفادہ کیا۔ جامعہ محمدیہ میں آپ دو سال زیرِ تعلیم رہے۔ ۱۹۳۷ء میں مدرسہ غزنویہ امرتسر میں داخل ہوئے اور مولانا ابو اسحاق نیک محمد اور مولانا محمد حسین ہزاروی سے حدیث کی بعض کتابیں اور علوم متداولہ فقہ و اصول وغیرہ میں تعلیم حاصل کی۔ مدرسہ غزنویہ میں آپ دو سال تک پڑھتے رہے۔ اس کے بعد آپ دارالحدیث رحمانیہ چلے گئے۔

وہاں آپ نے مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی اور مولانا نذیر احمد رحمانی سے اور دیگر اساتذہ سے تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ میں اکتساب فیض کیا۔ دارالحدیث رحمانیہ میں بھی آپ کا قیام دو سال رہا۔

۱۹۳۸ء میں فارغ ہو کر واپس بھوجیاں آئے اور اپنے آبائی مدرسہ فیض الاسلام میں ۲ سال تک تدریس فرماتے رہے۔ ۱۹۴۱ء میں مدرسہ غزنویہ امرتسر چلے گئے اور ۱۹۴۷ء تک امرتسر میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

مولانا عبدالرحیم علم و فضل کے اعتبار سے ایک جید عالم دین تھے۔ ایک علمی گھرانے سے ان کا تعلق تھا۔ بڑے شفیق اور مہربان استاد تھے۔ طلباء سے ان کا سلوک ہمیشہ ہمدردانہ اور مشفقانہ رہا۔ بڑے بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ بڑے منکسر المزاج، متواضع، متین، سنجیدہ اور شیریں گفتار تھے۔

مولانا عبدالرحیم کے تلامذہ میں چند مشہور یہ ہیں:

مولانا حافظ بشیر احمد بھوجیانی، مولانا حافظ محمد یحییٰ میر محمدی، مولانا محمد یوسف راجووال اور مولانا محمد عبداللہ فیصل آبادی، مولانا محمد رفیق مدن پوری وغیرہم۔

مولانا عبدالرحیم ۲۷ رمضان المبارک مطابق اگست ۱۹۴۷ء سکھوں کے ہاتھوں اپنے گاؤں بھوجیاں میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

﴿ تقبل اللہ مساعیھم واعلیٰ اللہ درجاتھم ﴾

حافظ بشیر احمد بھوجیانی

حافظ بشیر احمد بن مولانا عبدالرحمٰن نے دینی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی اور میاں چنوں میں محمد داؤد ارشد مرحوم کے جاری کردہ مدرسہ فیض الاسلام کے منتظم اور منصرم ہیں۔

عبدالرشید

مولوی عبدالرشید بن مولانا محمد بن عبداللہ بن مولانا فیض اللہ خاں ۱۹۲۹ء میں بھوجیاں میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم کا آغاز اپنے آبائی مدرسہ فیض الاسلام بھوجیاں سے کیا۔ اس کے بعد مدرسہ تقویۃ الاسلام غزنویہ امرتسر، جامعہ محمدیہ لکھوکے، دارالحدیث رحمانیہ دہلی اور جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں زیرِ تعلیم رہے۔

آپ نے مختلف اوقات میں جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں:

مولانا ابواسحاق نیک محمد، مولانا محمد حسین ہزاروی، مولانا محمد عبداللہ (آپ کے والد محترم)، مولانا عبدالرحیم رحمانی بھوجیانی، مولانا عبدالرحمٰن لکھوی، مولانا محمد اسماعیل السلفی، مولانا محمد عبداللہ گوجرانوالہ اور مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری۔

طب کی تعلیم حکیم عبدالرحمٰن اور حکیم محمد ایوب آف بھینی جٹاں سے حاصل کی۔ مولوی عبدالرشید نہایت متواضع، ملنسار اور اخلاق کریمانہ کے حامل ہیں۔ سکونت کوٹ رادھا کشن میں ہے۔

قاری محمد یحییٰ بھوجیانی

قاری محمد یحییٰ بھوجیانی بن مولانا محمد عبداللہ ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز قیام پاکستان کے بعد ہوا۔ قراءت کے لیے قاری فضل کریم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قرآن مجید مولانا حافظ محمد یحییٰ میر محمدی کی زیرنگرانی حفظ کیا۔ دینی تعلیم کا آغاز مدرسہ تقویۃ الاسلام لاہور سے کیا۔ یہاں آپ نے مولانا حافظ عبدالرشید گوہڑوی اور مولانا عبدالرشید نومسلم سے

استفادہ کیا۔ اس کے بعد جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں داخل ہوئے اور حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی اور مولانا ابوالبرکات احمد سے درس نظامی کی تکمیل کی۔

تکمیل کے بعد اسی مدرسہ میں تدریس پر مامور ہوئے اور اپنی ساری زندگی تدریس ہی میں صرف کر دی۔

قاری محمد یحییٰ بڑے ملنسار، خوش اخلاق اور منکسر المزاج تھے۔ بڑے اخلاق اور محبت سے ملتے تھے۔ سوہدرہ کئی بار تشریف لائے۔ ان کی دینی و ملی اور رفاہی خدمات قابل قدر ہیں۔ مجاہدین افغانستان (نورستان) کی بہت زیادہ اعانت کرتے تھے۔

آپ نے ۳ر نومبر ۱۹۹۷ء کو گوجرانوالہ میں انتقال کیا۔

(۹)

علوی خاندان سوہدرہ
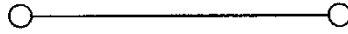
1. حافظ غلام حسین
2. مولوی محبوب عالم
3. غلام نبی الربانی
4. حافظ عبدالحکیم
5. عبدالحمید
6. عبدالمجید خادم
7. حافظ محمد یوسف
8. حافظ عبدالوحید
9. محمد ادریس فاروقی
10. حافظ محمد نعمان

سوہدرہ تاریخ کے آئینے میں

سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ کا ایک قدیم اور تاریخی قصبہ ہے، اور اپنی علمی، مذہبی اور تاریخی روایات کے لحاظ سے ایک خاص امتیاز رکھتا ہے۔ سوہدرہ کی موجودہ شہرت کا سبب خاندان علوی ہے۔ جو برصغیر (پاک و ہند) میں اہلحدیث جماعت میں ممتاز مقام کا حامل ہے۔ اس خاندان کا علمی فیضان راس کماری سے لے کر پشاور تک پھیلا ہوا ہے۔

تاریخ کی قدیم کتابوں میں سوہدرہ کا ذکر ملتا ہے۔ مشہور مؤرخ محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ فرشتہ اور مغل فرمانروا شاہ جہانگیر نے اپنی توزک میں سوہدرہ کا ذکر کیا ہے۔ اکبر ملک نے اپنی کتاب ''دیس پنجاب'' میں بھی سوہدرہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

سوہدرہ سلطان محمود غزنوی کے غلام ملک ایاز نے آباد کیا تھا اور سوہدرہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ملک ایاز نے اس کے سو دروازے بنائے جس کی وجہ سے اس کا نام سودرہ رکھا گیا۔ اور پھر سودرّہ سے سوہدرہ ہو گیا۔

حافظ غلام حسین

خاندان علوی کے بانی حافظ غلام حسین موضع پانڈے ضلع گجرات سے ہجرت کر کے سوہدرہ میں آباد ہوئے تھے۔ حافظ غلام حسین کے والد کا نام بڈھا خان تھا۔ حافظ غلام حسین کا شجرہ نسب ۲۶ ویں پشت پر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ حافظ غلام حسین بڑے دیندار، نیک خصلت اور صاحب کمال انسان تھے۔ ان کی تاریخ وفات کا علم نہیں ہو سکا۔

محبوب عالم

مولوی محبوب عالم حافظ غلام حسین کے صاحبزادے تھے۔ان کے صاحب علم ہونے کا اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے صاحبزادے مولانا غلام نبی الربانی نے ان سے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔مولوی محبوب عالم کو عربی اور فارسی پر مکمل عبور حاصل تھا۔ بڑے اچھے واعظ تھے۔ان کی تاریخ وفات کا بھی علم نہیں ہو سکا۔

غلام نبی الرّبانی

مولانا غلام نبی الربانی بن مولوی محبوب عالم ۲۳ ررمضان المبارک ۱۲۶۵ھ مطابق ۴ ر ستمبر ۱۸۴۷ء کو سوہدرہ میں پیدا ہوئے۔

آپ نے ابتدائی کتابیں اپنے والد مولوی محبوب عالم سے پڑھیں۔اس کے بعد وزیر آباد، جلالپور اور سیالکوٹ میں علی الترتیب مولانا قادر بخش فقیہہ وزیر آبادی، مولانا عبدالباقی جلال پوری اور مولانا غلام مرتضیٰ سیالکوٹی سے علوم معقول ومنقول میں استفادہ کیا۔

حدیث کی تحصیل صاحب تفسیر محمدی حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی سے کی۔اس کے بعد مولانا سید عبداللہ غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اور ان کی صحبت میں رہ کر ان کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوئے۔ بعد ازاں شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے بھی حدیث کی سند و اجازت حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد واپس وطن آ کر وعظ و تبلیغ اور درس و تدریس میں مصروف ہوئے اور سوہدرہ میں کتاب وسنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید میں ان کی خدمات قدر

کے قابل ہیں۔ان کے وعظ و تبلیغ سے سوہدرہ میں توحید و سنت کی اشاعت ہوئی اور شرک و بدعت کا قلع قمع ہوا۔ان کی بدولت سوہدرہ کی ککے زئی برادری اور سوہدرہ کے نواحی قریہ تلواڑہ کے لوگوں نے مسلک اہلحدیث اختیار کیا۔

مولانا غلام نبی الربانی مرجع خلائق اور عالم باعمل تھے۔آپ کا شمار اہل اللہ میں ہوتا ہے۔آپ صاحب کمالات و کرامات تھے۔

صاحب نزہتہ الخواطر فرماتے ہیں:

''آپ بڑے متضرع، متوکل اور باہمت تھے۔اللہ سے بہت زیادہ مدد طلب کرتے تھے۔آپ کسی مخصوص مذہب کا التزام نہیں کرتے تھے بلکہ جس بات پر ٹھوس دلیل مل جاتی اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔آپ کو اس سلسلے میں بڑی بڑی اذیتیں بھی احناف کی طرف سے اُٹھانی پڑیں۔ان لوگوں نے ان کے خلاف ایسا محاذ قائم کیا تھا جس سے بڑا کوئی محاذ کیا بنائے گا۔ان کو بدعتی قرار دیا گیا، مناظرہ کیا اور ہٹ دھرمیاں بھی کیں۔لیکن وہ ثابت قدم رہے، انہوں نے نہ تو مداہنت برتی اور نہ کسی چیز کی پرواہ کی۔''

درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ آپ کا مشغلہ تھا۔تدریس با قاعدہ نہ تھی۔البتہ جو صاحب جو کتاب لائے سو بسم اللہ، امامت اور خطبہ جمعہ، مطالعہ کتب، ذکر و اذکار اور تلاوت قرآن مجید میں زیادہ تر وقت صرف ہوتا تھا۔

تلامذہ یہ ہیں:

مولوی نظام الدین کٹھوروی، مولوی امام خاں نوشہروی، مولوی ہدایت اللہ سوہدروی، مولوی مراد علی کٹھوروی، حافظ محمد حیات سوہدروی، مولوی عبدالعزیز خونی چک ضلع گجرات۔

تصانیف میں پنجابی نظم میں درج ذیل رسائل لکھے:

① تحفة الوالدين لحصول سعادة الدارين

② تحفة المعجزات في تاكيد الصلوٰة

③ تحفة العجلاء المعروف نصيحة النساء

اولاد میں حافظ عبدالحکیم اور مولوی عبدالحمید ہیں۔ان دونوں کو خود اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا۔

﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ط ﴾

مولانا غلام نبی الربانی نے ۴ رذی الحجہ ۱۳۴۸ھ مطابق ۳ رمئی ۱۹۳۰ء سوہدرہ میں انتقال کیا۔

حافظ عبدالحکیم

مولوی حافظ عبدالحکیم بن مولانا غلام نبی الربانی ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء سوہدرہ میں پیدا ہوئے۔علوم مرجہ کی تعلیم والد محترم سے حاصل کی ۔ حدیث کی تحصیل مولانا حافظ عبدالمنانؒ محدث وزیرآبادی سے کی۔

احیائے سنت میں اپنے والد کے دست و بازو تھے۔۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں وفات پا گئے۔

مولانا غلام نبی الربانی نے درج ذیل تاریخ وفات کہی:

گشت تاریخ وفات عبدالحکیم از حق پدید

حرف یا شد............بگیر از............حافظ قرآن مجید

۷۷ ۱۳۲۰ ۱۳۹۷ھ

عبدالمجید

مولانا عبدالحمید مولانا غلام نبی الربانی کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۲ء سوہدرہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم عربی و فارسی کی کتابیں اپنے والد محترم سے پڑھیں۔ اس کے بعد آپ مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تفسیر، صحاح ستہ بشمول مؤطا امام مالک و مشکوٰۃ المصابیح اور فقہ کی کتابیں پڑھیں اور سند حاصل کی۔ محدث وزیرآبادی نے ان کی خوش خصالی کو دیکھتے ہوئے انہیں اپنی دامادی میں لے لیا تھا۔

وزیرآباد سے فراغت کے بعد مولانا عبدالحمید حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی نے آپ کو ایک سفارشی خط بھی حضرت میاں صاحب کے نام دیا۔

حضرت حافظ صاحب نے حضرت میاں صاحب کو لکھا:

''مزاج گرامی بخیر! عزیزم مولوی عبدالحمید سوہدروی آپ کی خدمت میں بغرض تعلیم حاضر ہو رہے ہیں۔ ان کی تعلیم کی طرف خاص توجہ فرمائیں۔ اُمید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔''

حضرت میاں صاحب نے اُستادِ پنجاب کا خط سن کر فرمایا:

''بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست۔''

دہلی سے فراغت کے بعد مولوی عبدالحمید مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی صاحب عون المعبود (شرح ابوداؤد) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بھی تفسیر، حدیث اور فقہ کی تحصیل کی۔ اور حدیث میں سند حاصل کی۔ اس کے بعد آپ علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی کی خدمت میں بھوپال حاضر ہوئے اور ان سے بھی حدیث میں سند و اجازت حاصل

کی۔ یہ واقعہ ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۵ء کا ہے۔

تکمیل تعلیم کے بعد سوہدرہ آئے اور اپنے والد محترم مولانا غلام نبی الربانی کے ساتھ توحید وسنت کی اشاعت اور شرک وبدعت کی تردید میں دست و بازو بنے۔ اور اس کے ساتھ "مدرسہ حمیدیہ" کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی۔ آپ کے تلامذہ میں وہی حضرات شامل تھے جو آپ سے پہلے آپ کے والد محترم سے تعلیم حاصل کر رہے تھے یعنی:

مولوی نظام الدین کٹھوروی، مولوی ابو یحیٰ امام خاں نوشہروی، مولوی ہدایت اللہ، مولوی مراد علی کٹھوروی، حافظ محمد حیات (ساکنین سوہدرہ) اور مولوی عبدالعزیز از خونی چک ضلع گجرات۔

مولانا عبدالحمید بڑے اچھے مبلغ تھے۔ ان کا وعظ بڑا مؤثر ہوتا تھا۔ لوگ بڑی عقیدت سے ان کا وعظ سنتے تھے۔

مولوی ابو یحیٰ امام خاں نوشہروی نے لکھا ہے کہ آپ وعظ سے پہلے عموماً یہ شعر پڑھتے تھے:

غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو   جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

تصنیف میں "عمدة الاحکام عن سید الانام" از علامہ شیخ تقی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبدالغنی بن عبدالواحد بن سرور الجماعیلی المتوفی ۶۱۰ھ کی شرح بنام "زبدة المرام" لکھی۔

مولانا عبدالحمید نے ۷/ جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ مطابق ۲۴/ مئی ۱۹۱۲ء کو انتقال کیا۔ عمر بہت تھوڑی پائی تھی۔ ابھی سنبھلنے ہی نہ پائے تھے کہ مرحوم ہو گئے۔ ۱۳۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۳۰ھ میں دنیا سے سدھار گئے۔

۳۰ سال کو ابتدائے عمر کے طبعی مشاغل میں تقسیم کیجئے۔ عملی زندگی کے پانچ چھ سال سے زیادہ نہ آئیں گے۔ مہلت ملتی تو دنیا میں نام پیدا کرتے۔

حضرت وحشت کلکتوی نے آپ کا قطعہ تاریخ وفات لکھا:

جہاں زماتم عبدالحمید گشتہ سیاہ

شکستہ شد کمر مولوی غلام نبی

زمانه دیده کم و میگونه صلح و تقوىٰ را
همیشه بود و ش درده خدا طلبی
زمان زندگی اوتمام وقف شده
به اتباع طریق پیمبر عربیؐ
چه خود ستم من تاریخ زحتش وحشت
بگفتار هاتف عینی دین چراغ نبی
۱۳۳۰ھ

مولوی ابو یحیىٰ امام خان نوشہروی لکھتے ہیں کہ:

''مولوی عبدالحمید مرض الموت میں بیمار تھے۔ مولوی مراد علی کٹھوروی جو آپ کے شاگرد خاص تھے، انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک دیا ہے جو خود بخود گلیوں میں جل رہا ہے۔ ایک ہوا کا جھونکا آیا اور وہ گل ہو گیا۔ میں نے صبح جا کر یہ خواب مولانا غلام نبی الربانی سے بیان کیا تو آپ نے اس خواب کی یہ تعبیر فرمائی کہ اس بیماری میں مولوی عبدالحمید کا انتقال ہو جائے گا۔ چنانچہ دو ہی دن بعد مولوی عبدالحمید نے انتقال کیا۔''

مولانا غلام نبی الربانی نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی اور اپنے ہاتھوں سے لحد میں اُتارا۔

مولانا عبدالحمید مرحوم زہد و تقویٰ، پرہیز گاری، اخلاص، للّٰھیت، کسر نفسی اور غریب پروری میں نمونہ تھے۔ بقول حضرت وحشت کلکتوی اپنے زمانہ کے مجدد تھے۔

عبدالمجید سوہدروی

مولانا عبدالمجید سوہدروی ایک بلند پایہ عالم دین، خطیب، مقرر، مصنف، ادیب،

دانشور وصحافی، مؤرخ، نقاد اور طبیب حاذق تھے۔ آپ کا تعلق ایک علمی خاندان سے تھا۔ آپ کے والد مولانا عبدالحمید سوہدروی جید عالم دین، محدث اور محقق تھے۔ اور آپ کے دادا مولانا غلام نبی الربانی سوہدروی کا شمار اولیائے کرام میں ہوتا تھا۔ مولانا غلام نبی الربانی حضرت مولانا سید عبداللہ غزنوی سے مستفیض تھے اور صاحب کرامات تھے۔ مولانا عبدالمجید اُستاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کے نواسے تھے۔ اُستاد پنجاب کی شخصیت بھی محتاج تعارف نہیں۔ آپ نے تقریباً نصف صدی تک وزیر آباد میں حدیث نبوی ﷺ کا درس دیا۔ برصغیر (پاک و ہند) کے جید علمائے دین آپ کے شاگرد تھے۔ مثلاً مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی اور شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل السلفی وغیرہم اس لحاظ سے مولانا عبدالمجید نجیب الطرفین تھے۔

مولانا عبدالمجید جنوری ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۲ سال کے تھے کہ ان کے والد مولانا عبدالحمید نے ۲۴ مئی ۱۹۱۲ء کو انتقال کیا۔ اس کے بعد مولانا عبدالمجید کی پرورش آپ کے دادا مولانا غلام نبی الربانی نے کی اور ابتدائی تعلیم بھی آپ نے اپنے دادا ہی سے حاصل کی۔

بعد ازاں آپ حصول تعلیم کے لیے مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کے مدرسہ ''دارالحدیث'' سیالکوٹ میں داخل ہوئے اور ۲۰ سال کی عمر میں مروجہ درسیات سے فراغت حاصل کی۔ اور واپس اپنے وطن سوہدرہ تشریف لائے اور اشاعت دین اسلام و توحید و سنت میں مشغول ہوئے۔ اس کے لیے آپ کو زیادہ محنت نہ کرنا پڑی، اس لیے کہ آپ کے دادا اور والد نے اس سے قبل توحید و سنت کی زمین کو بہت زرخیز کر دیا تھا۔ اس کی آبیاری میں آپ کو زیادہ محنت نہ کرنا پڑی۔

تبلیغ کا ایک ذریعہ اخبار بھی ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالمجید نے بھی اخبار کو بھی ذریعہ تبلیغ بنایا اور ۱۹۲۱ء میں آپ نے ماہنامہ ''مسلمان'' جاری کیا۔ چند سال بعد ''مسلمان'' کو ہفت روزہ کر دیا گیا۔ یہ اخبار ۱۹۴۹ء تک جاری رہا اس کے بعد اس کی اشاعت دوبارہ ماہانہ کر دی گئی۔ اور ۱۹۵۹ء تک ''مسلمان'' ماہانہ جاری رہا۔

۱۹۴۹ء میں آپ نے ہفت روزہ جریدہ ''اہلحدیث'' جاری کیا، یہ اخبار بھی ۱۹۵۹ء تک جاری رہا۔ مولانا عبدالمجید طبیب حاذق بھی تھے۔ آپ ایک طبی رسالہ ماہنامہ ''طبی میگزین'' بھی شائع کرتے رہے۔ یہ رسالہ بھی تقریباً دس سال تک شائع ہوتا رہا۔

یہ تینوں رسائل آپ کی وفات نومبر ۱۹۵۹ء تک شائع ہوتے رہے۔

مولانا عبدالمجید مرحوم ایک بلند نظر عالم، شعلہ نوا خطیب اور مقرر تھے۔ مسائل کی تحقیق پر گہری نظر تھی۔ سیاسیات سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ شروع میں کانگرس سے وابستہ رہے بعد میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

مولانا عبدالمجید ایک کامیاب مصنف بھی تھے۔ آپ نے اسلامی تصانیف کے علاوہ طبی کتابیں بھی لکھیں۔ آپ کی اسلامی تصانیف کی تعداد ۲۳ ہے اور طبی کتابوں کی تعداد ۳۴ ہے۔ آپ کی کل تصانیف ۵۷ ہیں۔

طوالت کے پیش نظر یہاں آپ کی اسلامی کتب کی فہرست پر اکتفا کیا جاتا ہے:

(۱) رہبر کامل (آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ)، (۲) دولت مند صحابہؓ، (۳) سیرت الائمہ، (۴) سیرت عائشہؓ، (۵) سیرت فاطمہؓ، (۶) سیرت امام ابوحنیفہؒ، (۷) نقوش آزاد (مولانا ابوالکلام کے حالات زندگی)، (۸) استاد پنجاب (مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کے حالات زندگی)، (۹) سیرت ثنائی (مولانا ثناء اللہ امرتسری)، (۱۰) داستان مرزا قادیانی، (۱۱) حدیث کی پہلی تا چوتھی کتاب، (۱۲) انتخاب صحیحین، (۱۳) ترجمہ وشرح اربعین امام نووی، (۱۴) ترجمہ وشرح اربعین ابراہیمی، (۱۵) تفسیر سورۃ فاتحہ، (۱۶) حیات النبی ﷺ، (۱۷) ترجمہ تفسیر سورۃ فاتحہ (تفسیر المنار)، (۱۸) سفرنامہ حجاز، (۱۹) ہندو شعراء کا نعتیہ کلام، (۲۰) خطبات ثنائی، (۲۱) انگریز اور وہابی، (۲۲) سفرنامہ حجاز، (۲۳) تحریک وہابیت۔

مولانا عبدالمجید نے ۶ نومبر ۱۹۵۹ء کو لاہور میں انتقال کیا۔ نعش سوہدرہ لائی گئی اور اپنے آبائی قبرستان میں اپنے جدامجد مولانا غلام نبی الربانی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

حافظ محمد یوسف

مولانا حافظ محمد یوسف مولانا عبدالمجید سوہدروی کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ ۱۳۲۷ھ میں سوہدرہ میں پیدا ہوئے۔

دینی تعلیم کا آغاز حفظ قرآن مجید سے کیا۔ آپ نے قرآن مجید مولانا حافظ عبدالرشید مرحوم سے مسجد چینیانوالی لاہور میں حفظ کیا۔ حفظ قرآن مجید کے بعد سوہدرہ واپس آئے اور اپنے پردادا مولانا غلام نبی الربانی سے جملہ علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا اور پھر اس کے بعد مولوی عمرالدین وزیرآبادی سے شرف تلمذ حاصل رہا۔ جہاں سے آپ نے جملہ کتب درس نظامی پڑھیں۔

آپ نے مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات امتیازی نمبروں میں پاس کیے۔ ادیب فاضل کی تیاری مکمل کر چکے تھے اور اس کے لیے امتحانی سنٹر جموں رکھا تھا۔ لیکن ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوگیا اور آپ امتحان نہ دے سکے۔

طب کا امتحان طبیہ کالج امرتسر سے امتیازی نمبروں میں پاس کیا۔ تکمیل تعلیم کے بعد توحید وسنت اور وعظ وتبلیغ میں مصروف ہوئے۔ ذریعہ معاش طب کو بنایا۔

۱۹۵۲ء میں ماہنامہ ''قوانین فطرت'' جاری کیا۔ جو آپ کی وفات تک جاری رہا۔ ۱۹۵۹ء میں مولانا عبدالمجید انتقال کر گئے اور ان کا اخبار جریدہ اہلحدیث بند ہوگیا۔ ۱۹۶۰ء میں آپ نے دوبارہ جاری کیا جو تقریباً ۴ سال تک جاری رہا۔

مولانا عبدالمجید کے انتقال کے بعد اپنی آبائی مسجد کے خطیب وامام اور متولی ہوئے۔ اور اپنے انتقال تک وہ اس منصب پر فائز رہے۔

مولانا حافظ محمد یوسف ایک درویش صفت انسان تھے۔ آپ کی ساری عمر خدمت اسلام میں بسر ہوئی۔ سوہدرہ میں توحید وسنت کی اشاعت اور بدعات ومحدثات کے خاتمہ میں آپ

کی سعی و کوشش کو بڑا دخل ہے۔

حافظ صاحب بڑے حلیم الطبع اور ملنسار تھے۔ استغناء، رجوع الی اللہ، توکّل آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکے تھے۔ صبر و استقلال کے وصف سے متصف تھے۔ تعلیم و افتاء اور رشد و ہدایت کی ادائیگی آپ کی زندگی کا مطمحِ نظر تھا۔ ساری زندگی درس و تدریس جاری رکھی۔ مطالعہ بہت کرتے تھے۔ علوم اسلامیہ پر نظر وسیع تھی۔ حالات حاضرہ سے آگاہ تھے۔ بڑے حاضر العلم تھے۔ قرآن اور حدیث پر ان کا مطالعہ گہرا تھا۔ قرآن مجید بہت زیادہ یاد تھا۔ مسائل کی تحقیق میں ان کو کافی مہارت حاصل تھی۔ ان کی تقریر بڑی سادہ اور بڑی جامع ہوتی تھی۔ کوئی بات قرآن و حدیث کے علاوہ بیان نہیں کرتے تھے۔ راقم آثم کو بھی آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے اور میں وثوق سے کہتا ہوں کہ:

> ”میں نے علماء میں ایسا شریف، ایسا نیک، ایسا درویش، ایسا سادہ مزاج، ایسا مستقل مزاج، خوش اخلاق، شیریں گفتار، باغ و بہار، ایسا مرنجاں مرنج نہیں دیکھا۔ ایسا متقی و پرہیز گار، حلم و علم کا پیکر، ملنسار، تقویٰ وطہارت کا مجسمہ اور ایسا وسیع المشرب اور وسیع الاخلاق کم ہی کہیں نظر آئے گا۔ وہ مذہبی تھے اور سخت مذہبی۔“

مولوی حافظ محمد یوسف نے ۱۵ ر شعبان ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹٦ء سوہدرہ میں انتقال کیا۔ ان کے جنازہ میں سوہدرہ اور اس کے گرد و نواح کے ہر مسلک، ہر فرقہ کے کثیر لوگ شریک تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں سوہدرہ کی تاریخ میں اتنا بڑا جنازہ نہیں دیکھا۔ ان کے جنازہ میں اتنی کثیر تعداد کی شرکت ان کے حسن اخلاق اور شرافت کی دلیل تھی۔ ہر مکتب فکر یعنی اہلحدیث، دیوبندی، بریلوی اور شیعہ شریک تھے اور سب ہی نے آپ کی وفات کو بہت بڑا سانحہ قرار دیا۔

حافظ عبدالوحید

مولانا عبدالمجید خادم نے دوسری شادی مولانا احمد علی لاہوری کی صاحبزادی سے کی۔ اس نیک خاتون کے بطن سے حافظ عبدالوحید اور دولڑکیاں تولد ہوئیں۔ حافظ عبدالوحید ۱۹۴۳ء میں پیدا ہوئے۔ پرائمری پاس کرنے کے بعد ان کو مولانا عبدالمجید نے جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں داخل کرادیا۔ جامعہ محمدیہ میں آپ نے علوم اسلامیہ کی تحصیل مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا محمد عبدہ الفلاح اور مولانا معین الدین لکھوی سے کی۔

۱۹۶۱ء میں آپ نے مدرسہ خدام الدین لاہور سے قرآن مجید حفظ کیا اور تجوید وقرأت کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ڈھاکہ چلے گئے۔ وہاں آپ نے ڈھاکہ یونیورسٹی سے ایف اے کا امتحان پاس کیا اور اس کے بعد کوئٹہ آگئے۔ کوئٹہ کے قیام کے دوران ۱۹۷۲ء میں بی اے اور ۱۹۷۴ء میں ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۶ء کوئٹہ میں مقیم رہے۔ ۱۹۷۷ء میں سوہدرہ آگئے اور وزیرآباد میں پریکٹس شروع کی۔ ساتھ ساتھ دینی اور مذہبی کاموں کی طرف بھی متوجہ رہے۔ ۱۹۸۵ء میں آپ نے اپنی آبائی مسجد میں ''اصحاب صفہ'' کے نام سے ایک دینی مدرسہ جاری کیا۔ جس میں ناظرہ قرآن مجید، حفظ قرآن مجید اور ترجمہ قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ مدرسہ الحمدللہ آج تک جاری ہے اور آپ اس کے سرپرست ہیں۔

حافظ عبدالوحید صاحب قومی وملی کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ سوہدرہ ٹاؤن کمیٹی کے کونسلر بھی رہ چکے ہیں۔ بڑے سرگرم، فعال کارکن ہیں۔ دین کے معاملہ میں معمولی سی مداہنت بھی برداشت نہیں کرتے۔ بڑے حق گو اور بے باک ہیں۔ ساتھ ہی خوش اخلاق اور ملنسار بھی ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں ہوسٹن (امریکہ) چلے گئے۔ وہاں آپ اسلامک سنٹر میں قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے ہیں اور خطبہ جمعہ بھی۔ اور اس کے ساتھ عالمی ادارہ دارالسلام

سے بھی وابستہ ہیں۔

حافظ صاحب بڑے اچھے خطیب اور مقرر ہیں۔ ایک دو سال بعد سوہدرہ تشریف لاتے ہیں۔ جتنے دن ان کا سوہدرہ میں قیام رہے، وعظ و تبلیغ میں اور دوستوں اور عزیزوں کی ملاقات میں مصروف رہتے ہیں۔

محمد ادریس فاروقی

مولوی حکیم محمد ادریس فاروقی بن مولوی حافظ محمد یوسف فاروقی ۱۹۴۴ء میں سوہدرہ میں پیدا ہوئے۔ عصری تعلیم بی اے اور پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ دینی تعلیم کا آغاز اپنے والد حافظ محمد یوسف سے کیا۔ اس کے بعد مدرسہ اہلحدیث جہلم یں داخل ہوئے۔ بعدازاں جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں تکمیل کی۔

فراغت تعلیم کے بعد کوئٹہ چلے گئے۔ وہاں آپ ایک سکول میں دینیات کے اُستاد مقرر ہوئے اور اس کے ساتھ مسجد اہلحدیث غزنویہ کی امامت کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔ کوئٹہ میں کئی سال تک رہے، اس کے بعد اپنے وطن سوہدرہ آ گئے۔ اور اپنے والد حافظ محمد یوسف صاحب کے انتقال کے بعد اپنی آبائی مسجد کے خطیب مقرر ہوئے اور یہ فریضہ آپ اب تک انجام دے رہے ہیں۔

فاروقی صاحب اچھے واعظ و مبلغ ہیں۔ تصنیف و تالیف کا بھی شوق رکھتے ہیں۔ اب تک ان کی درج ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں:

(۱) انوار حدیث

(۲) مقام رسالت

(۳) نبی رحمت

④ مسئلہ تقلید

⑤ سیرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ

⑥ سیرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

یہ کتابیں محض کتابی دنیا میں اضافہ ہیں۔

فاروقی صاحب دوسرے مصنفین کی کتابوں پر حواشی لکھنے پر بہت زیادہ ماہر ہیں۔ طبیہ کالج کوئٹہ کے فارغ التحصیل ہیں۔ ذریعہ معاش طبابت ہے۔ ''ضیائے حدیث'' کے نام سے ایک پندرہ روزہ رسالہ نکالتے ہیں جس کے ''چیف ایڈیٹر'' ہیں۔

حافظ محمد نعمان

حافظ محمد نعمان حکیم مولوی محمد ادریس فاروقی کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ عصری تعلیم ایف اے ہے۔ دینی تعلیم کا آغاز جامعہ سلفیہ فیصل آباد سے کیا اور تکمیل مدرسہ اہلحدیث ستیانہ بنگلہ فیصل آباد سے کی۔ ان دنوں مکتبہ دارالسلام میں شعبۂ تحقیق سے منسلک ہیں۔

بڑے شریف اور ملنسار ہیں۔ اللہ تعالیٰ خوش رکھے۔

(۱۰)

قصوری خاندان

۱ عبدالقادر

۲ عبدالحق

۳ عبداللہ

۴ محی الدین احمد

۵ محمد علی

۶ احمد علی

عبدالقادر

مولانا عبدالقادر قصوری کا شمار ان جلیل القدر علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے دین و مذہب کے ساتھ ملک وملت کی بھی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ مولانا عبدالقادر کا اصل وطن موضع دلاور چیمہ، تحصیل وزیرآباد، ضلع گوجرانوالہ تھا۔ ان کے والد مولوی غلام احمد اور دادا مولوی غلام حسن دونوں عالم دین تھے۔ لیکن حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ مولوی غلام احمد نے مولوی غلام رسول قلعوی کی صحبت اور تبلیغ سے مسلک اہلحدیث قبول کیا اور دلاور چیمہ میں ایک مسجد بنوائی۔ یہاں انہوں نے توحید وسنت کی روشنی پھیلائی، مولوی غلام احمد نے ۱۹۰۱ء میں انتقال کیا۔

مولانا عبدالقادر ۱۸۶۳ء میں ''دلاور چیمہ'' میں پیدا ہوئے۔ ۴ سال کی عمر میں گھر سے دینی تعلیم کا آغاز کیا۔ ان کی رسم بسم اللہ مولانا غلام رسول قلعوی کے ہاتھوں ہوئی۔ گھر میں دینی تعلیم حاصل کرتے رہے، بعد میں اورنٹیل کالج لاہور میں داخل ہوئے اور امتیازی نمبروں میں کامیابی حاصل کی۔ بعد میں قانون کی ڈگری بھی حاصل کی۔

فراغت تعلیم کے بعد وکالت شروع کی اور قصور کی عدالت میں ایک مقدمہ کی پیروی میں پیش ہوئے۔ مولانا عبدالقادر نے مقدمہ جیت لیا۔ اس کے بعد تحصیلدار قصور کے مشورہ سے قصور ہی میں وکالت شروع کر دی۔ اور مستقل طور پر آپ نے قصور میں سکونت اختیار کر لی۔ قصور میں ان کی آمد کا زمانہ ۱۸۸۵ء کا ہے اور بعد میں ''قصوری'' آپ کے نام کا لاحقہ ہوگیا۔

مولانا عبدالقادر نے اپنے پیشہ وکالت میں بہت زیادہ ترقی کی۔ اور ان کے پاس بہت زیادہ مقدمات آنے لگے اور آہستہ آہستہ ان کا شمار پنجاب کے چوٹی کے وکیلوں میں ہونے لگا۔ آپ ایک بہترین اور کامیاب وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ نامور عالم دین بھی تھے۔ ان کا شمار جماعت اہلحدیث کے چوٹی کے علماء میں ہوتا تھا۔ جماعت اہلحدیث کو منظم اور فعال

بنانے میں ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔

۱۹۲۰ء میں مولانا عبدالقادر قصوری نے ملک کی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۲۱ء میں تحریک ترک موالات میں شامل ہوئے اور وکالت چھوڑ دی اور اس وقت آپ کی ماہانہ آمدنی کئی ہزار روپے تھی۔ ۱۹۲۴ء میں ترک موالات عملاً ختم ہوگئی۔ اس کے بعد مولانا کے بیشتر ساتھیوں نے دوبارہ وکالت کا پیشہ اختیار کیا، لیکن مولانا عبدالقادر قصوری نے ایسا نہ کیا۔ آپ نے ہمیشہ کے لیے وکالت کے پیشہ کو خیر باد کہہ دیا۔

۱۹۱۹ء سے پہلے آپ آل انڈیا کانگرس سے وابستہ ہو چکے تھے۔ چنانچہ ۱۹۲۰ء میں آپ کو پنجاب کانگرس کا صدر بنایا گیا اور ۱۹۳۰ء تک آپ پنجاب کانگرس کے صدر رہے۔ مولانا عبدالقادر مجلس خلافت سے بھی وابستہ رہے۔ وہ پنجاب میں مجلس خلافت کے روح رواں تھے اور پنجاب مجلس خلافت کے بھی صدر تھے۔

مولانا عبدالقادر ایک فعال اور سرگرم مذہبی وسیاسی رہنما تھے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں:

”وہ عالم و فاضل اور پرہیز گار بزرگ تھے۔ بہت فیاض اور مہمان نواز تھے۔ نہایت فیاض، انتہائی دیانتدار اور حد درجہ ایثار پیشہ تھے۔ بے حد مستقل مزاج، اصابت رائے میں یگانہ اور صحت فکر میں منفرد، بہت خوددار اور مستقل مزاج تھے۔“

مولانا غلام رسول مہر نے بھی ان کی دیانت وامانت، خودداری اور ان کی مہمان نوازی کا اعتراف کیا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد سے انہیں بہت زیادہ تعلق تھا۔ مولانا ابوالکلام عمر میں ان سے چھوٹے تھے۔ لیکن مولانا عبدالقادر مولانا آزاد کے علم و فضل کے معترف تھے اور مولانا ابوالکلام بھی ان کی بہت زیادہ تکریم کرتے تھے۔

اور جب کبھی آپ پنجاب تشریف لاتے تو مولانا عبدالقادر قصوری کے مہمان ہوتے تھے۔ مولانا عبدالقادر ”الہلال“ اور ”البلاغ“ کے شیدائی تھے۔

مولانا عبدالقادر حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید کی تحریک مجاہدین سے بھی وابستہ تھے اور چمرقند کی جماعت مجاہدین کی بہت زیادہ امداد کرتے تھے۔

مولانا عبدالقادر قصوری کے سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن والیِ سعودی عرب سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ وہ مولانا عبدالقادر کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ ۱۹۲۴ء میں مجلس خلافت کا ایک وفد مولانا سید سلیمان ندوی کی سربراہی میں حجاز گیا تھا جس کے ایک رکن مولانا عبدالقادر قصوری تھے اور دوسرے رکن مولانا عبدالماجد بدایونی تھے۔

۱۹۲۶ء میں مکہ معظمہ میں موتمر عالم اسلامی کا اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اس میں مولانا عبدالقادر سلطان عبدالعزیز کی خصوصی دعوت پر شریک ہوئے تھے۔ سلطان عبدالعزیز نے آپ کو وزارت کی پیش کش کی۔ لیکن آپ نے بعض وجوہات کی بنا پر اس کو قبول نہ کیا۔

مولانا عبدالقادر کی مذہبی اور سیاسی خدمات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں:

> "وہ نہایت مرنجاں مرنج اور وضع دار بزرگ تھے۔ کتنے ہی لوگ سیاست میں ان سے اختلاف رکھتے تھے۔ وہ سیاسی میدان میں بہت سے بڑے بڑے لوگوں سے الگ رائے رکھتے تھے۔ مگر کسی سے کوئی جھگڑا نہ تھا۔ اختلاف رائے کے حدود کو ایک خاص دائرے سے آگے بڑھنے نہیں دیتے تھے۔ ذاتیات پر اتر آنا اور کسی کو حریف بنانا ہرگز ان کا شیوہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جماعت کے چھوٹے بڑے ان کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور اکثر ذاتی معاملات میں ان سے مشورے لیتے تھے۔"

مولانا محمد علی جوہر اپنے دور کے بہت بڑے سیاسی رہنما تھے۔ لیکن بڑے جذباتی تھے۔ مسلک کے لحاظ سے بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۹۲۶ء میں جب سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن نے حجاز پر قبضہ کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور انہوں نے وہاں تمام آثار و مزارات کو مسمار کر دیا تو اس وقت ہندوستان میں کچھ لوگوں نے سلطان کے اس

اقدام سے اختلاف کیا اور سلطان کی مخالفت میں سخت ردّعمل کا اظہار کیا۔ مولانا محمد علی جوہر اس میں شامل تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے سرفہرست تھے۔

دوسرا گروہ سلطان کی حمایت میں تھا اور اس گروہ میں کچھ حضرات پنجاب سے تعلق رکھتے تھے، اور کچھ اصحاب دہلی اور یوپی سے تعلق رکھتے تھے۔ پنجاب سے جو حضرات اس گروہ میں شامل تھے اس کے سرکردہ ارکان میں مولانا ظفر علی خاں، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا غلام رسول مہر، مولانا عبدالواحد غزنوی اور مولانا کفایت اللہ دہلوی، مولوی احمد سعید دہلوی اور مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہ شامل تھے۔

مولانا محمد علی جوہر نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ حجاز کو ایک بین الملّی انتظامی ادارے کی تحویل میں دے دیا جائے، دوسرے گروہ کے ارکان کے نزدیک یہ تجویز قطعی طور پر ناقابل عمل تھی۔

پنجاب سے جو حضرات مولانا محمد علی جوہر کی اس تجویز میں مخالف تھے، مولانا محمد علی انہیں ''پنجابی ٹولہ'' کہا کرتے تھے۔

مولانا عبدالقادر قصوری ایک مستند عالم دین تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی تصانیف سے ان کو خاص لگاؤ تھا۔ وہ ان کی تصانیف کا بالالتزام مطالعہ کرتے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے ان کے دیرینہ تعلقات تھے، دونوں ایک دوسرے کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ مولانا آزاد نے مولانا عبدالقادر قصوری کے خاندان کو ''خاندان سعادت قصور'' کا نام دیا ہے۔

مولانا ظفر علی خاں سے مولانا عبدالقادر کے بہت زیادہ اچھے تعلقات تھے۔ اور مولانا ظفر علی خاں ان کی دینی، ملی اور سیاسی خدمات کے معترف تھے۔ مولانا ظفر علی خاں نے ان کی تعریف میں دو چار نظمیں بھی لکھیں جو ان کے مجموعہ کلام ''بہارستان'' میں درج ہیں۔

مولانا عبدالقادر قصوری نے ۱۶ نومبر ۱۹۴۲ء مطابق ۶ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ لاہور میں

انتقال کیا اور قصور میں دفن ہوئے۔

''مولانا سید سلیمان ندوی نے ان کی وفات پر ''معارف اعظم گڑھ'' میں لکھا کہ:

''مولانا عبدالقادر قصوری پنجاب کے نامور عالم اور وکیل، مجاہد، عربی کے عالم، دینیات کے فاضل اور انگریزی سے واقف تھے۔ مسلکاً اہلحدیث تھے۔ نہایت دیندار، متواضع، ملنسار، پابند وضع، علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی تصانیف کے بڑے شائق تھے اور انہی کی تحقیق پر ان کا عمل تھا۔ مرحوم کو خاکسار سے گوناگوں تعلقات قلبی تھے۔ قومیات میں ہمیشہ ساتھ رہا، خیالات میں بہت زیادہ ہم آہنگی تھی۔''

عبدالحق

مولوی عبدالحق مولانا عبدالقادر سے چھوٹے تھے۔ ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ عصری تعلیم بی اے ایل ایل بی تھے۔ فراغت تعلیم کے بعد گوجرانوالہ میں وکالت شروع کی۔ اور خوب ترقی کی یہاں تک کہ ان کا شمار گوجرانوالہ کے نامور وکلاء میں ہوتا تھا۔

مولوی عبدالحق کے تین بیٹے تھے:

(۱) شبلی، (۲) جنید، (۳) شعیب۔

شبلی:...... رام پور میں کاروبار کرتے تھے اور ان کا کاروبار بہت وسیع تھا۔

جنید:...... ڈاکٹر تھے اور نواب رام پور کے فیملی ڈاکٹر تھے۔

شعیب:...... بھی رام پور میں کاروبار کرتے تھے۔

مولوی عبدالحق کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہوسکی۔

مولوی عبداللہ

مولوی عبداللہ، مولانا عبدالقادر کے چھوٹے بھائی تھے اور تیسرے نمبر پر تھے۔ ۱۸۷۵ء میں دلاور چیمہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۵ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۹۷ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں ایف اے کیا اور ۱۸۹۹ء میں اسلامیہ کالج سے بی اے کیا۔

دینی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ بعد ازاں مولانا فضل حق جو ایک ممتاز عالم دین تھے اور دلاور چیمہ کے رہنے والے تھے، جنہوں نے جامع ترمذی کا اُردو میں ترجمہ کیا تھا، ان سے علوم دینیہ کی تحصیل کی۔

حصول علم کے بعد ۱۹۰۱ء میں مولوی عبداللہ کابل چلے گئے اور امیر حبیب اللہ والئی افغانستان نے ''مکتب حبیب اللہ'' کے نام سے ایک سکول کھولا۔ مولوی عبداللہ کو اس سکول کا ہیڈ ماسٹر مقرر کیا۔ مولوی عبداللہ ۶ سال تک اس سکول میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۹۰۷ء میں مولوی عبداللہ کابل سے واپس وطن آ گئے اور کچھ مدت اپنے گاؤں دلاور چیمہ میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ گیٹ لاہور سے وابستہ ہو گئے اور لاہور کو اپنا مسکن بنالیا۔ اسلامیہ ہائی سکول میں ۵ سال تک تدریس فرمائی۔

مولوی عبداللہ جید عالم دین اور مبلغ اسلام تھے۔ فن مناظرہ میں ان کو خاص مہارت حاصل تھی۔ آپ نے عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے بے شمار مناظرے کیے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر مناظرہ میں کامیاب رہے۔

مولوی عبداللہ بہت بڑے مبلغ تھے۔ آپ نے پنجاب کے مختلف اضلاع میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ خانہ بدوشوں میں اسلام کی بہت زیادہ تبلیغ کی اور انہیں مذہب اسلام سے روشناس کرایا۔ یہ ان کی بہت بڑی دینی خدمت تھی۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں کہ:

''مولوی عبداللہ قصوری اسلام کے وہ مبلغ و داعی تھے، جن کے اسلوب تبلیغ اور طریق تفہیم سے علامہ اقبال بھی متاثر تھے۔''

برصغیر کی تحریک آزادی میں بھی مولوی عبداللہ قصوری کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے ان کو قلبی لگاؤ تھا اور مولانا آزاد بھی ان کی بہت قدر کرتے تھے۔

مولوی عبداللہ قصوری کی صرف دو کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں:

① تفسیر کلمہ طیّبہ

② التبلیغ والجهاد

مولوی عبداللہ قصوری نے ۷۵ برس کی عمر میں ۱۹۴۹ء میں لاہور میں انتقال کیا اور ''قبرستان بدھو کے آوے'' میں دفن ہوئے۔ ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾

اولاد میں تین بیٹے تھے:

غلام احمد فاروق، ممتاز احمد خالد، پروفیسر ابوبکر

محی الدین احمد

مولانا محی الدین احمد قصوری مولانا عبدالقادر قصوری کے بڑے بیٹے تھے۔ اپریل ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ دینی تعلیم اپنے والد مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا فضل حق دلاوری سے حاصل کی۔ عصری تعلیم کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۱۱ء میں بی اے کیا۔

۱۹۱۲ء میں انجمن اسلامیہ گوجرانوالہ کے اسلامیہ ہائی سکول میں ان کا تقرر بطور ہیڈ ماسٹر ہوا، اور آپ اس سکول میں ڈیڑھ سال تک ہیڈ ماسٹر رہے۔

مولانا عبدالقادر قصوری کے مولانا ابوالکلام آزاد سے بڑے گہرے روابط تھے۔

دونوں علماء ایک دوسرے کے علم وفضل کے معترف تھے۔

مولانا محی الدین ہیڈ ماسٹری سے استعفاد ے کر قصور چلے گئے۔

۱۳؍جولائی ۱۹۱۲ء کو مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ سے ہفت روزہ ''الہلال'' جاری کیا۔ مولانا محی الدین احمد نے ''الہلال'' کے لیے ایک مضمون لکھا۔ جس کا عنوان تھا ''صدائے ملت''۔ الہلال کی دعوت کی نسبت اور مضمون نگار کا نام اس طرح مرقوم تھا ''جناب مولوی برکت علی صاحب بی اے، قصور، ضلع لاہور'' (مولانا محی الدین احمد قصوری کا پیدائشی نام برکت علی تھا اوران کی بی اے کی سند پر بھی برکت علی لکھا ہے)

کچھ دنوں بعد مولانا ابوالکلام آزاد نے انہیں کلکتہ بلالیا اور اپنے ''الہلال'' میں مولانا آزاد کے معاون کے طور پر کام کرتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے کلکتہ سے اپنا ایک روز نامہ اخبار ''اقدام'' جاری کیا۔ یہ اخبار صرف دو سال ۱۶۔۱۹۱۵ء تک جاری رہا۔

۳؍مارچ ۱۹۱۶ء کو حکومت بنگال نے مولانا ابوالکلام آزاد کو صوبہ بدر کر دیا اور مولانا آزاد رانچی (بہار) چلے گئے اور بعد میں تین سال کے لیے انہیں رانچی میں نظر بند کر دیا۔ مولانا آزاد ''اقدام'' کے نگران تھے اور اقدام بھی حکومت کو کھٹکتا تھا، اس لیے مولانا محی الدین نے ''اقدام'' بند کر دیا اور آپ کلکتہ سے قصور آ گئے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی رانچی کی نظر بندی کے دوران اپنی مشہور تصنیف ''تذکرہ'' لکھی تھی، یہ کتاب مولانا آزاد نے صرف ۵ ماہ یعنی جون ۱۹۱۶ تا اکتوبر ۱۹۱۶ء میں قلم بند کی۔ کتاب مکمل ہو چکی تھی کہ اکتوبر ۱۹۱۶ء میں مولانا محی الدین احمد قصوری کو بھی حکومت نے گرفتار کرلیا اور تین سال کے لیے ''دوسوہہ'' ضلع ہوشیار پور میں نظر بند کر دیا۔ مولانا آزاد کو جب مولانا محی الدین احمد قصوری کی گرفتاری کی خبر اخبارات کے ذریعہ پہنچی تو انہوں نے اپنی کتاب ''تذکرہ'' کے آخر میں آپ کا ذکر اس طرح کیا:

''یہاں تک لکھ چکا تھا کہ ڈاک ملی اور اخبارات سے معلوم ہوا کہ عزیزی مولوی محی الدین احمد بی اے کو قصور میں تلاشی کے بعد گرفتار کرلیا گیا ہے۔ شاید نظر بندی

کا معاملہ پیش آئے۔ ان تمام ایام جلا وطنی میں یہ پہلا دن ہے کہ اس واقعہ کے سننے سے دل کو مضطرب اور دماغ کو پراگندہ پاتا ہوں۔

درد مے کیوں نامہ می کرام رقم

کان یجر الدمع ممز وجا یدم

عزیز موصوف بلکہ ان کا پورا خاندان اپنے خصائل ایمانی و جوش اسلامی اور ایثار فی اللہ کے اعتبار سے سلف کے واقعات زندہ کرنے والا ہے اور علی الخصوص اس عزیز کے طلب صادق اور استوار کامل سے تو اپنی چند در چند اُمیدیں وابستہ تھیں۔ افسوس! فتنۂ حوادث نے اس کو بھی نہ چھوڑا۔ مجھے اس سے کب انکار تھا کہ میرے پاؤں میں ایک کے بدلے دس زنجیریں ڈال دی جائیں لیکن دوسروں میں اس کو کیوں شریک کیا جاتا ہے۔ بظاہر عزیز موصوف کا اس کے سوا کوئی جرم نہیں کہ مجھ خانماں خراب سے رسم وراہ رکھتے تھے۔ سبحان اللہ! اپنی آشنا پروری اور دوست نوازی بھی قابل تماشا ہے۔ جب تک اپنا کوئی دشمن نہ بن جائے، ہمارا دوست ہی نہیں ہوسکتا: ؎

اے پیہم نفسان آتشم از من بگر یزید

ہر کس کہ شور ہم رہ ما دشمن خویش است

پرسوں ایک عزیز کو خط لکھتے ہی یہ رباعی ذہن میں آئی تھی:

تھا جوش خروش اتفاقی ساقی

اب زندہ دلی کہاں ہے باقی ساقی

میخانہ نے رنگ و روپ بدلا ایسا

میکش میکش رہا نہ ساقی ساقی

تین سال بعد رہا ہو کر قصور آئے تو رولٹ ایکٹ کے ہنگامے شروع ہو گئے۔ ان ہنگاموں میں مولانا محی الدین احمد قصوری کو پھر گرفتار کرلیا گیا اور ان کے ساتھ ان کے والد

مولانا عبدالقادر قصوری بھی گرفتار ہوئے اور ایک عرصے تک دونوں باپ بیٹا جیل میں رہے۔

جیل سے رہا ہونے کے بعد مولانا محی الدین احمد قصوری نے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا اور اپنے چچا مولوی عبداللہ قصوری کے ساتھ مل کر ایک جماعت بنام ''اہلحدیث دعوت و تبلیغ'' بنائی۔ مولانا محی الدین نے اپنا مرکز تبلیغ پونا کو بنایا اور بہت جلد اس جماعت کے دعوتی اثرات مدراس، احمد آباد اور بمبئی تک پھیل گئے۔

مولانا محی الدین قصوری اخلاق ستودہ اور اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں کہ:

''مولانا محی الدین احمد قصوری خوش طبع، زبان میں مٹھاس، چہرے پر متانت نمایاں، مزاج میں شگفتگی، مہمان نواز، بلند اخلاق، عربی فارسی میں عبور، انگریزی کے ماہر، بہت اچھے مترجم، وسیع النظر عالم دین تھے۔''

قرآن مجید پر بڑا استحضار تھا۔

جمعیت اہلحدیث کو فعال اور منظم بنانے میں ان کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔ ۱۹۴۸ء سے وہ جمعیت اہلحدیث سے وابستہ ہوئے، مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ ۱۹۵۶ء میں جمعیت کے ناظم تعلیمات بنائے گئے۔ اپریل ۱۹۶۵ء جمعیت اہلحدیث کی سالانہ کانفرنس منعقدہ سیالکوٹ کے صدر تھے اور بعد میں جمعیت اہلحدیث کے ناظم نشر و اشاعت بھی رہے۔

مولانا محی الدین احمد حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک مجاہدین سے بھی وابستہ رہے اور جہاں تک ہوسکا، وہ جماعت مجاہدین سے مالی تعاون کرتے رہے۔

مولانا عبدالقادر قصوری کے سلطان ابن سعود سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ ان کے انتقال کے بعد سلطان سعود بن عبدالعزیز سعودی عرب کے بادشاہ ہوئے اور جب وہ اپریل ۱۹۵۴ء میں پاکستان کے دورے پر تشریف لائے تو سعودی عرب کے سفیر متعینہ پاکستان نے جن حضرات کو سلطان سعود کے استقبال اور ملاقات کے لیے کراچی آنے کی دعوت دی، ان میں مولانا محی الدین احمد قصوری، مولانا محمد علی قصوری اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی شامل تھے۔

تصانیف:

مولانا محی الدین احمد قصوری کی زندگی بڑی ہنگامہ خیز رہی۔ تاہم کچھ وقت نکال کر مضامین و مقالات لکھتے رہتے تھے۔ ان کے علمی و تحقیقی مضامین ''الہلال (کلکتہ)، اقدام (کلکتہ)، توحید (امرتسر)، الاعتصام (لاہور) اور ماہنامہ رحیق (لاہور) میں شائع ہوئے۔

ان کی تصانیف یہ ہیں:

(۱) تفسیر سورۃ فاتحہ، (السید رشید رضا، صاحب المنار کی تفسیر کا ترجمہ ہے)

(۲) ترجمہ تفسیر سورۂ نور ابن تیمیہ''

(۳) شان قرآن

(۴) ترجمہ صراط مستقیم

(۵) تفسیر سورۃ یوسف

(۶) تفسیر آیت کریمہ ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾

مولانا محی الدین احمد قصوری باغ جناح لاہور میں ہر اتوار درس قرآن دیتے تھے۔ راقم آثم کو ان کا درس قرآن سننے اور ان سے شرف ملاقات حاصل ہے۔ بڑی محبت اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔

مولانا محی الدین احمد قصوری نے ۸۲ سال کی عمر میں ۲۴ رجنوری ۱۹۷۱ء مطابق ۲۶ رذی قعدہ ۱۳۹۰ء لاہور میں انتقال کیا۔ اور اپنے آبائی قبرستان قصور میں اپنے والد مولانا عبداللہ قصوری کے پہلو میں دفن ہوئے۔

مولانا محی الدین احمد کے ۴ بیٹے اور ۵ بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں:

صلاح الدین، معین الدین احمد قریشی (سابق نگران وزیر اعظم پاکستان) سلمان قریشی (ڈی آئی جی ریٹائرڈ)، بلال قریشی

محمد علی

مولانا محمد علی قصوری مولانا عبدالقادر قصوری کے دوسرے بیٹے تھے۔ اگست ۱۸۹۲ء میں قصور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قصور میں پائی۔ اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان امتیازی نمبروں میں پاس کیا۔ ۱۹۱۱ء میں انگلستان گئے اور کیمبرج یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ جولائی ۱۹۱۴ء واپس وطن آئے۔ اسی مہینے کی ۲۸ تاریخ کو عالمگیر جنگ شروع ہوئی جسے جنگ عظیم اوّل کہا جاتا ہے۔ یہ جنگ نومبر ۱۹۱۸ء تک جاری رہی۔

مولانا محمد علی قصوری نے دینی تعلیم اپنے والد مولانا عبدالقادر اور دوسرے جلیل القدر علمائے کرام سے حاصل کی تھی۔

انگلستان سے واپسی کے بعد مولانا محمد علی نے سیاست میں قدم رکھا، ان کا گھرانہ فرنگی سامراجیوں کی مخالفت میں پیش پیش تھا۔ اس لیے قدرتی طور پر مولانا محمد علی انگریز سے شدید نفرت رکھتے تھے۔

چنانچہ جب آپ انگلستان سے واپس آئے تو برطانوی حکومت کی طرف سے انہیں کئی اعلیٰ ملازمتوں کی پیش کش ہوئی لیکن انہوں نے کوئی ملازمت اختیار نہ کی، اس لیے کہ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا:

> ''برطانوی سامراج سے ملک کو نجات دلائی جائے اور باشندگان برصغیر کو متحد کرنے کی کوشش کی جائے۔''

انہی دنوں مولانا محمد علی قصوری کو خفیہ ایجنسیوں کے ذریعہ اطلاع ملی کہ انگریز روس سے گٹھ جوڑ کر کے افغانستان پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ مولانا محمد علی اسی سلسلہ میں دہلی گئے اور ممتاز سیاسی رہنماؤں سے تبادلۂ خیال کیا۔ چنانچہ ان سیاسی رہنماؤں نے یہ فیصلہ کیا کہ مولانا محمد علی قصوری افغانستان جائیں اور افغانستان کی حکومت کو اس خطرہ سے آگاہ کریں۔

چنانچہ مارچ ۱۹۱۵ء میں مولانا محمد علی قصوری کابل پہنچے، امیر حبیب الہ خاں والئی افغانستان تھے، ان سے گفتگو ہوئی تو انہوں نے مولانا محمد علی کو کابل میں قیام کرنے کا مشورہ دیا اور اس کے ساتھ ''حبیبیہ کالج'' کا پرنسپل مقرر کر دیا۔

اس وقت کابل میں انگریزوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ انہوں نے در پردہ مولانا محمد علی کے کے خلاف محاذ بنانا شروع کیا اور آپ کے قتل کا منصوبہ بھی بنایا۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور بالآخر مولانا محمد علی کو افغانستان چھوڑنا پڑا۔

جناب ندیم کوموی مرحوم اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

> ''مولانا محمد علی کو کابل کے ''حبیبیہ کالج'' کے پرنسپل رہنے کا بھی موقع ملا، لیکن طبیعت آزادی کی خوگر تھی، ملازمت کی پابندیاں ان کی قوت برداشت سے باہر تھیں۔ کابل ان دونوں برٹش سامراج کی خوفناک سازشوں کا مرکز تھا اور مولانا کا کابل میں قیام ان کے حق میں نقصان دہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے امیر کابل کو ان کے اخراج کے لیے دباؤ ڈالا۔ امیر حبیب اللہ خاں باوجودیکہ مولانا سے کافی مانوس تھا لیکن برٹش دباؤ سے وہ ان کے اخراج پر مجبور ہو گیا۔ چنانچہ مولانا کو افغانستان چھوڑنا پڑا۔''

مولانا محمد علی قصوری اور ان کا خاندان حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریک مجاہدین سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ اور اس تحریک کو زندہ رکھنے کے لیے مولانا محمد علی نے یاغستان کو اپنا مستقر بنایا۔ چنانچہ مولانا محمد علی یاغستان پہنچے، وہاں آپ کا والہانہ استقبال ہوا۔ مرکز مجاہدین میں جو شخص وہاں جاتا تھا اس کا نام تبدیل کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد علی کا نام ''محمد سلیمان'' رکھا گیا تھا۔

مولانا محمد علی نے یاغستان میں اپنی تقریروں اور وعظوں میں لوگوں کو انگریزی سامراج کے خلاف ابھارا۔ چنانچہ لوگ ان کی تقریروں سے بہت متاثر ہوئے اور وہ لوگ انگریزوں کے علاقے میں گھس کر حملے کرنے لگے۔ جس سے حکومت کو نہایت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔

مولانا محمد علی کا قیام چمرقند کے مرکز مجاہدین میں تھا۔

ندیم کوموی لکھتے ہیں کہ:

''قیام چمرقند میں مولانا محمد علی قصوری نے مجاہدین کے ہمراہ برٹش سامراج کے خلاف زبردست جدوجہد کا آغاز کیا اور گورنر صوبہ سرحد کو اس حد تک پریشان کیا کہ اس نے دہلی کے گورنر جنرل کو مولانا سے ہند کی پابندیاں اُٹھانے کا مشورہ دیا۔ گورنر جنرل نے اس مشورہ کو قبول کر کے مولانا کو ہندوستان میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔''

چنانچہ مولانا محمد علی واپس ہندوستان آئے، اپنے قیام یاغستان کے دوران مولانا محمد علی نے ایک کتاب ''مشاہدات' کابل و یاغستان' مرتب کی جو مطبوع ہے۔

مولانا محمد علی قصوری ۴ سال بعد ہندوستان آئے تھے اور ابھی آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ انہیں معہ اپنے والد مولانا عبدالقادر اور بڑے بھائی مولانا محی الدین احمد قصوری گرفتار کر کے پابند سلاسل کر دیا گیا۔ لیکن تھوڑے دنوں بعد آپ کو رہا کر دیا گیا لیکن مولانا عبدالقادر اور مولانا محی الدین احمد کو رہا نہ کیا گیا۔

مولانا محمد علی یاغستان سے واپس تو آ گئے لیکن مجاہدین سے تعلق برابر قائم رہا۔ اور مجاہدین چمرقند کی باقاعدہ مالی امداد کرتے رہے اور مجاہدین اکثر معاملات میں ان سے مشورہ بھی لیتے تھے۔

مولانا محمد علی قصوری ایک جید عالم دین تھے اور انگریزی سامراج کے خلاف ان کے عزائم بڑے سخت تھے۔ وہ کسی صورت میں بھی انگریز سے مصالحت کرنے کی خواہش مند نہ تھے۔ انگریزوں نے ان کو لالچ بھی دیا۔ سفارت کے عہدہ کی پیش کش بھی کی لیکن آپ نے ان کی ہر قسم کی پیشکش کو قبول نہ کیا۔

مولانا محمد علی قصوری اوصاف و محاسن کے لحاظ سے بلند مرتبہ و مقام کے حامل تھے۔ بڑے ایثار پیشہ، اللہ کی راہ میں زیادہ خرچ کرنے والے، عابد و زاہد، تقویٰ و طہارت کے پیکر،

زہد وورع کے مجسمہ، مبلغ اسلام، ثابت وضابط، منکسر المزاج، حلیم الطبع، اور بہت کم سُخن تھے۔

علوم اسلامیہ کے متبحر عالم، تفسیر اور حدیث کے جید عالم دین، امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی کتابوں کے شیدائی تھے۔

جمعیت اہلحدیث کو منظم اور فعال بنانے میں ان کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔ ۱۹۴۸ء میں جب مغربی پاکستان جمعیت اہلحدیث کا قیام عمل میں تو مولانا سید محمد داؤد غزنوی نے ان کو مجلس عاملہ کا ممبر نامزد کیا۔ ۱۹۵۴ء مغربی پاکستان جمعیت اہلحدیث کی سالانہ کانفرنس ملتان میں ہوئی، تو مولانا محمد علی قصوری اس کے صدر تھے۔ اس میں آپ نے جو فاضلانہ خطبہ صدارت ارشاد فرمایا وہ جماعت اہلحدیث کے لیے سرمایہ صد افتخار کی حیثیت رکھتا ہے۔

مولانا محمد علی قصوری تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ ان کے علمی و تحقیقی اور تاریخی مقالات ''توحید'' (امرتسر) اور'' الاعتصام'' (لاہور) میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ تصیف میں ان کی درج ذیل کتابیں ہیں:

① اللہ کی بادشاہت (یہ ایک مصری عالم کی کتاب کا ترجمہ ہے)

② مشاہدات کابل و یاغستان...... یہ مولانا محمد علی قصوری کی بڑی عمدہ تصنیف ہے اس میں ہندوستان کی انگریزی حکومت کے خلاف انہوں نے سرگرمی سے جس طرح حصہ لیا اور جس انداز سے جنگ و جہاد میں شرکت کی، اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

مولانا محمد علی قصوری اس کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں:

''مجھ پر جوہر کی رفاقت اور ابوالکلام کی خطابت نے بہت گہرا اثر کیا، اور میرے دل میں یہ عزم پیدا ہو گیا کہ مجھے برطانوی استعمار سے جنگ کے لیے زندگی وقف کر دینی چاہیے، اس سلسلے میں مختلف منصوبے بناتا اور ہندوستان کے چوٹی کے لیڈروں سے تبادلۂ خیال کرتا رہا۔''

③ قرآنی دعوت انقلاب...... اس کتاب میں مولانا محمد علی قصوری نے سورۃ العصر، سورۃ الھمزہ، سورۃ الفیل، سورۃ القریش، سورۃ الماعون اور سورۃ الکوثر کی تفسیر ایک نئے انداز

سے لکھی ہے۔ مولانا قصوری کی یہ کتاب ایک نئے انداز سے بہت عمدہ اور نفیس ہے۔

یہ کتاب مولانا کی صاحبزادی زاہدہ محمد عمر نے کراچی سے شائع کی۔

مولانا محمد علی قصوری نے لارنس گارڈن لاہور میں درس قران کا سلسلہ شروع کیا تھا، جو ہر اتوار نمازِ مغرب کے بعد ہوتا تھا۔ راقم کو دو تین بار آپ کا درسِ قرآن سُننے اور آپ سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل ہے۔

مولانا محمد علی قصوری نے ۱۲؍جنوری ۱۹۵۶ء مطابق ۲۶ جمادی الاوّل ۱۹۷۵ء سمن آباد لاہور میں انتقال کیا اور قصور میں اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔

احمد علی

مولوی احمد علی قصوری مولانا عبدالقادر قصوری کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ ۱۸۹۰ء میں قصور میں پیدا ہوئے، دینی تعلیم خاندانی روایات کے مطابق گھر پر ہوئی۔ عصری تعلیم صرف میٹرک تھی۔

میٹرک پاس کرنے کے بعد امرتسر چلے گئے اور وہاں تجارت کرنے لگے۔ تقسیم ملک کے وقت لاہور آگئے اور مصری شاہ لاہور میں سکونت اختیار کی۔

مولوی احمد علی حلیم الطبع، خوش مزاج اور متواضع طبیعت کے مالک تھے۔ شرافت، نجابت میں اپنے خاندانی وصف کے اعتبار سے بہت زیادہ متصف تھے۔

اُن کا سن وفات معلوم نہیں۔

(۱۱)

(روپڑی خاندان)

۱ حافظ عبداللہ

۲ حافظ محمد حسین

۳ حافظ عبدالرحمٰن مدنی

۴ حافظ حسن مدنی

۵ حافظ اسماعیل

۶ حافظ عبدالقادر

۷ حافظ عبدالغفار

۸ حافظ عبدالوہاب

حافظ عبداللہ

مولانا حافظ عبداللہ روپڑی اپنے علم و فضل کے اعتبار سے ممتاز عالم دین تھے۔ علوم اسلامیہ کے بحر زخار تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، لغت ادب، تاریخ و سیر، اسماء الرجال، منطق و فلسفہ وغیرہ تمام علوم میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مسائل کی تحقیق و تدقیق میں ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ ان کے علم و فضل کا اعتراف ان علمائے کرام نے کیا ہے جو خود علم و فضل کے اعتبار سے بے مثل تھے۔

مولانا محمد حسین بٹالوی نے حافظ صاحب کی زندگی میں فرمایا تھا کہ:

"حافظ عبداللہ روپڑی صاحب علم و فضل ہیں۔ ہندوستان میں ان کی نظیر نہیں۔"

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، صاحب تحفۃ الاحوذی نے فرمایا تھا کہ:

"حافظ عبداللہ روپڑی جیسا ذی علم اور لائق استاد تمام ہندوستان میں کہیں نہیں ملے گا۔"

مولانا حافظ عبداللہ ۱۳۰۴ھ میں کمیر پور ضلع امرتسر (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام میاں روشن دین تھا۔ تعلیم کا آغاز ناظرہ قرآن مجید سے ہوا اور اس کے بعد مولوی عبداللہ سے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد آپ کے بڑے بھائی مولوی رکن الدین آپ کو لکھو کے ضلع فیروز پور لے گئے۔ یہاں آپ نے مولانا عبدالقادر لکھوی سے صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مولوی رکن الدین آپ کو میرٹھ لے گئے اور مدرسہ نعمانیہ میں داخل کرا دیا۔ میرٹھ میں آپ نے ایک سال قیام کیا۔ اس ایک سال کے قیام میں آپ نے مزید صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں۔

میرٹھ سے آپ کو مدرسہ غزنویہ امرتسر بھیج دیا گیا۔ امرتسر میں آپ نے مولوی معصوم علی ہزاروی، مولوی محی الدین اور مولوی عبدالصمد سے فقہ، اصول فقہ اور منطق و فلسفہ کی کتابیں

پڑھیں۔ تفسیر و حدیث کی تحصیل مولانا سید عبدالاوّل غزنوی اور حضرت الامام سید عبدالجبار غزنوی سے کی۔

مدرسہ غزنویہ امرتسر میں تحصیل کے بعد حافظ صاحب دہلی تشریف لے گئے۔

حافظ صاحب خود فرماتے ہیں:

''میں نے تفسیر، حدیث اور فنون کی ابتدائی کتابیں امرتسر مدرسہ غزنویہ میں پڑھیں۔ فنون کی تکمیل باقی تھی۔ اس سلسلے میں عازم دہلی ہوا۔ میاں صاحب (سید نذیر حسین محدث دہلوی) میرے دہلی پہنچنے سے ۸ سال پہلے وفات پا چکے تھے۔ میں ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ کو دہلی پہنچا اور ان کی وفات ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء کو ہوئی۔''

دہلی میں حافظ صاحب نے تفسیر و حدیث کی بعض کتابیں مولانا حافظ عبداللہ محدث غازی پوری سے اور منطق واقلیدس کی کتابیں مولوی محمد اسحاق منطقی سے پڑھیں۔

دہلی میں حافظ عبداللہ کا قیام تین سال رہا۔ ۱۹۱۳ء میں مولانا عبدالجبار غزنوی کا انتقال ہوگیا، جس سے آپ کو شدید صدمہ پہنچا۔ ۱۹۱۳ء ہی میں حافظ صاحب دہلی سے رام پور چلے گئے اور مدرسہ عالیہ رام پور میں ایک سال زیرِ تعلیم رہے۔ رام پور کے ایک سال کے قیام میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے ''مولوی فاضل'' کا امتحان پاس کیا۔ رام پور میں آپ کے استاد مولوی محمد امین پشاوری اور مولوی فضل حق رام پوری تھے۔

۱۹۱۴ء میں آپ نے علوم اسلامیہ کی تکمیل کی اور امرتسر واپس آ گئے۔ ایک سال امرتسر میں قیام کے بعد ۱۹۱۵ء میں آپ روپڑ ضلع انبالہ چلے گئے اور ۱۹۳۸ء تک یعنی ۲۲ سال آپ روپڑ میں مقیم رہے۔ روپڑ میں آپ نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا جس میں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

روپڑ کے قیام میں ۱۹۳۳ء میں ۲۶ ر رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ مطابق ۵ ر فروری ۱۹۳۳ء آپ نے ہفت روزہ ''تنظیم اہلحدیث'' جاری کیا۔ جو الحمدللہ آج تک جاری ہے اور

دین اسلام کی خدمت اور توحید و سنت کی اشاعت میں مصروف ہے۔

حافظ عبداللہ صاحب بہت عمدہ مدرس اور معلم بھی تھے۔ آپ کا بیان بڑا عالمانہ اور جاندار مگر آسان لب و لہجہ میں ہوتا تھا۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں:

شیخ محمد عمر بن ناصر نجدی، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی، حافظ محمد اسماعیل روپڑی، حافظ عبدالقادر روپڑی۔

۱۹۳۸ء میں حافظ صاحب روپڑ سے امرتسر منتقل ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء تک امرتسر میں مسجد مبارک میں قیام پذیر رہے۔ امرتسر میں بھی آپ نے تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہو گیا اور حافظ عبداللہ صاحب امرتسر سے سکونت ترک کر کے لاہور آ گئے اور ماڈل ٹاؤن لاہور میں سکونت اختیار کی اور اس کے ساتھ چوک دالگراں لاہور میں جامع القدس کی بنیاد رکھی اور ایک دینی مدرسہ بنام "جامعہ اہلحدیث" جاری کیا۔ لاہور میں آپ سے جن علمائے کرام نے استفادہ کیا ان میں درج ذیل علمائے کرام مشہور ہیں:

مولانا محمد صدیق بن عبدالعزیز (سرگودھا)، مولانا حبیب الرحمٰن شاہ (راولپنڈی)، مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی، مولانا حافظ ثناء اللہ سرہالوی اور مولانا عبدالسلام کیلانی وغیرہم۔

مولانا حافظ عبداللہ روپڑی ۱۹۱۵ء میں روپڑ آئے۔ ۱۹۲۱ء میں شیخ عطاء الرحمٰن مرحوم نے دہلی میں "دارالحدیث رحمانیہ" کے نام سے ایک درسگاہ کی بنیاد رکھی۔ یہ درسگاہ ایک مثالی درسگاہ تھی۔ (افسوس کہ قیام پاکستان کے بعد یہ درسگاہ ختم ہو گئی)

شیخ عطاء الرحمٰن نے حافظ صاحب کو دارالحدیث رحمانیہ کا مستقل ممتحن مقرر کیا۔ چنانچہ آپ ۱۹۴۷ء تک برابر ممتحن رہے۔

مولانا حافظ عبداللہ روپڑی علم و فضل کے اعتبار سے جید عالم دین تھے۔ امام تھے، مجتہد تھے، مفتی تھے، اخلاق ستودہ، اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔ بہت کم سخن تھے، بہت زیادہ عابد اور زاہد تھے۔ ذکر و اذکار بہت زیادہ کرتے تھے، روزے بہت رکھتے تھے، نماز نہایت خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے۔

راقم نے ان کو پہلی بار مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی نمازِ جنازہ پڑھاتے دیکھا یعنی ۱۲؍جنوری ۱۹۵۶ء کو اس سے پہلے راقم کی ان سے بسلسلہ بعض سوالات کے جوابات خط و کتابت تھی۔ راقم بعد نمازِ جنازہ ان سے ملا۔ تعارف کرایا تو بڑی خندہ پیشانی سے ملے اور خیریت دریافت کی، اس کے بعد لاہور مسجد القدس میں ان سے تین چار بار ملنے کا اتفاق ہوا۔

مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری لکھتے ہیں کہ:

''حافظ عبداللہ روپڑی نہایت صالح، عابد، زاہد، ذاکر، شب زندہ دار تھے۔ مولانا عبدالجبار غزنوی سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ نوجوانی میں بھی قابل رشک حد تک صالح اور نیک نفس تھے۔''

مولانا حافظ عبداللہ نے ۱۱؍ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۰؍اگست ۱۹۶۴ء لاہور میں انتقال کیا اور گارڈن ٹاؤن کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾

تصانیف:

حافظ صاحب ایک کامیاب مصنف بھی تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) درایت تفسیری، (۲) تفسیر القرآن الکریم، (۳) حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح، (۴) ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح، (۵) اہلحدیث کے امتیازی مسائل، (۶) تکبیرات عیدین، (۷) تعلیم الصلوٰۃ (۲ جلد)، (۸) رسالہ نیت نماز، (۹) ارسال الیدین بعد الرکوع، (۱۰) اطفاء الشمعہ فی ظہر الجمعہ بجواب نور الشمعہ فی ظہر الجمعہ، (۱۱) لاؤڈ سپیکر اور نماز، (۱۲) الکتاب المستطاب فی جواب فصل الخطاب (عربی)، (۱۳) احسن الکلام، (۱۴) ریڈیو اور رد یت ہلال، (۱۵) حج مسنون، (۱۶) شرعی نظام، (۱۷) نکاح شغار، (۱۸) لڑکی شادی کیوں کرتی ہے؟، (۱۹) نکاح اور نسوانیت، (۲۰) رسالہ طلاق ثلاثہ، (۲۱) بکرا دیوی، (۲۲) اسلامی داڑھی، (۲۳) بیمہ کی زندگی، (۲۴) وراثت اسلامی، (۲۵) انسانی زندگی کا

مقصد، (۲۶) مودودیت اور احادیث نبویہ، (۲۷) کلمۂ توحید، (۲۸) مسئلہ زیارت قبر نبوی، (۲۹) بدعات مروجہ کی تردید، (۳۰) عرس اور گیارھویں، (۳۱) وسیلہ بزرگان دین، (۳۲) تقلید اور علمائے دیوبند، (۳۳) مسئلہ شرک، دم جھاڑ پر فیصلہ کن بحث، (۳۴) نور محمدی کی پیدائش، (۳۵) حکومت اور علمائے ربانی، (۳۶) المرشد والامام، (۳۷) رسالہ امارت، (۳۸) امامت شرک، (۳۹) نبی معصوم، (۴۰) مرزائیت اور اسلام، (۴۱) اہلحدیث کی تعریف، (۴۲) اہل سنت کی تعریف، (۴۳) طیور ابراہیمی، (۴۴) دعا بحرمت انبیاء، (۴۵) رفع الابہام فی دلیل التمام، (۴۶) توحید الرحمٰن بجواب استمداد عباد الرحمٰن، (۴۷) سماع موتی، (۴۸) ٹھیٹھ اسلام،

حافظ محمد حسین

مولانا حافظ محمد حسین روپڑی حافظ عبداللہ روپڑی کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ کا جائے ولادت موضع ٹوبہ ہے۔ تعلیم کا آغاز ناظرہ قرآن مجید سے کیا۔ اس کے بعد حفظ کی نعمت سے سرفراز ہوئے۔ تمام علوم اسلامیہ کی تحصیل حافظ عبداللہ روپڑی سے کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد ایک سال تک مدرسہ تقویۃ الاسلام امرتسر میں تدریس بھی فرمائی۔

حافظ محمد حسین، حضرت حافظ عبداللہ کو بہت زیادہ محبوب تھے۔ ان کی تربیت حضرت محدث روپڑی نے اپنی نگرانی میں کی تھی۔ اس لیے حافظ محمد حسین تمام عمر حضرت حافظ عبداللہ کے مخلص اور وفادار ساتھی رہے۔ اور زندگی کی تمام مشکلات میں ان کی ہمت و جرأت آپ کے لیے وجہ اطمینان رہی۔

مولانا حافظ محمد حسین روپڑی بڑے عابد، زاہد اور عالم باعمل تھے۔ راقم کو ان کے خطبات جمعہ (جامع القدس اہلحدیث) سننے کا شرف حاصل ہے۔ تقریر بڑے دلنشین انداز

میں کرتے تھے۔

مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری لکھتے ہیں کہ:

حافظ محمد حسین روپڑی عالم باعمل تھے۔ اپنے ہاتھ سے روزی کمانے کے عادی تھے۔ بڑے بہادر، جفاکش اور محنتی تھے۔ حق گو اور راست باز تھے۔ عابد، ذاکر اور زاہد انسان تھے۔

حافظ محمد حسین نے ۲۸ ربیع الاوّل ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء بروز جمعۃ المبارک لاہور میں انتقال کیا۔ اور گارڈن ٹاؤن کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔

مولانا حافظ عبداللہ روپڑی نے ان کے انتقال پر فرمایا تھا:

"افسوس کہ وہ اس وقت مجھے تنہا چھوڑ گئے، جب مجھے بڑھاپے اور ضعف میں ان کی خدمات کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت تھی۔"

حافظ عبدالرحمٰن مدنی

مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی بن مولانا حافظ محمد حسین روپڑی علمائے فحول میں سے ہیں۔ ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ دینی علوم کی تعلیم اپنے تایا حافظ عبداللہ روپڑی سے حاصل کی۔ آپ کا شمار حضرت العلام محدث روپڑی کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے۔ تکمیل تعلیم کے بعد جامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ میں بھی تعلیم حاصل کی۔ اس لیے مدنی کہلاتے ہیں۔

تکمیل تعلیم کے بعد ماڈل ٹاؤن لاہور میں مدرسۃ البنات رحمانیہ اور مدرسہ رحمانیہ کے نام سے دو مدرسے قائم کیے۔ یہ دونوں مدرسے آج تک جاری ہیں اور دین اسلام کی خدمت میں مصروف ہیں۔ آپ ان دونوں مدرسوں کے نگران ہیں۔ ان کے علاوہ ایک علمی و تحقیقی ادارہ "مجلس التحقیق الاسلامی" کے نام سے قائم کیا ہے۔ اور اس ادارہ کے زیر اہتمام ایک ماہوار علمی و تحقیقی رسالہ "محدث" ۱۹۶۸ء میں جاری کیا جو بحمد للہ آج تک جاری ہے اور

خدمت دین اسلام میں مصروف ہے۔ اس رسالہ میں علمی و تحقیقی مقالات شائع ہوتے ہیں۔ اس رسالہ میں ممتاز اہل علم وقلم کے مقالات شائع ہوتے ہیں۔ راقم آثم بھی اس کے قلمی معاونین میں شامل ہے۔

حافظ عبدالرحمٰن مدنی کے علمی و تحقیقی مقالات بھی اس رسالہ میں شائع ہوتے ہیں اور آپ اس رسالہ کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ حافظ عبدالرحمٰن مدنی جامع مسجد رحمانیہ ماڈل ٹاؤن لاہور کے نگران اور خطیب بھی ہیں۔ آپ نے ایک علمی ادارہ ''معہد القضاۃ الشرعی'' کے نام سے بھی قائم کیا ہوا ہے جس کا مقصد قاضی تیار کرنا ہے۔ اور آپ کے تعاون سے کتابی صورت میں شرعی فیصلوں کا ایک انسائیکلو پیڈیا بھی تیار ہو رہا ہے جس کی پہلی جلد عربی اور اُردو زبان میں ''الموسوعۃ القضائیۃ'' کے نام سے ''فلاح فاؤنڈیشن پاکستان'' نے شائع کی ہے۔ جو ''کتاب سرائے'' اُردو بازار، لاہور سے دستیاب ہے۔

حافظ عبدالرحمٰن بڑے خوش اخلاق اور اوصاف حمیدہ کے حامل ہیں۔ بڑے اخلاق سے ملتے ہیں اور اس کے ساتھ بہت مہمان نواز بھی ہیں۔

حافظ حسن مدنی

حافظ حسن مدنی مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی کے صاحبزادے ہیں۔ جامعہ رحمانیہ لاہور کے فارغ التحصیل ہیں۔ بعد ازاں جامعہ الاسلامیہ مدینہ منورہ میں بھی تعلیم حاصل کی۔ اس لیے یہ بھی اپنے والد کی طرح مدنی کہلاتے ہیں۔ ماہنامہ ''محدث'' کے مدیر ہیں، اور ان کے مقالات محدث میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ بڑے با اخلاق اور اوصاف حمیدہ کے حامل ہیں۔ اپنے والد کی طرح یہ بھی بڑے مہمان نواز ہیں۔ مطالعہ کے بہت زیادہ شوقین ہیں۔ علمی اور تحقیقی کتابیں زیادہ تر ان کے زیرِ مطالعہ رہتی ہیں۔

حافظ محمد اسماعیل روپڑی

حافظ اسماعیل روپڑی بن میاں رحیم بخش، حافظ عبداللہ روپڑی کے بھتیجے تھے۔ بڑے شعلہ نوا خطیب، مقرر، واعظ، مبلغ اور مناظر تھے۔ ان کا وعظ بڑا دلنشین اور مؤثر ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں لحن داؤدی عطا کیا تھا۔

قرآن مجید بڑی خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قرآن اب نازل ہو رہا ہے۔ آپ کا اعلیٰ خلق اکثر لوگوں کو متاثر کیا کرتا تھا۔

حافظ اسماعیل روپڑی نے دینی تعلیم اپنے چچا مولانا حافظ عبداللہ روپڑی سے حاصل کی اور اس کے بعد حضرت حافظ روپڑی کے ساتھ روپڑ میں سکونت پذیر ہوئے۔ روپڑ کے گردو نواح میں توحید وسنت کی اشاعت میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔

قیام پاکستان کے بعد لاہور تشریف لے آئے اور جامع القدس اہلحدیث لاہور میں تدریس فرماتے رہے اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری لکھتے ہیں کہ:

"حافظ اسماعیل بن میاں رحیم بخش، حافظ عبداللہ محدث روپڑی کے بھتیجے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں لحن داؤدی عطا کیا تھا۔ پاک و ہند میں ان کے خطابت اور تقریر کا طوطی بولتا تھا۔ ان کی شیریں بیانی مسلم تھی۔ ان کی معجز بیانیوں کو اپنے اور غیر سب تسلیم کرتے تھے۔ وہ خوش بیان، خوش لباس اور خوش خوراک مبلغ تھے۔"

حافظ اسماعیل روپڑی کی ساری زندگی وعظ و تبلیغ میں گزری اس لیے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ تاہم ان کے مضامین گاہے بگاہے تنظیم اہلحدیث لاہور میں شائع ہوتے رہتے تھے۔

مولانا حافظ اسماعیل روپڑی نے ۴رشعبان ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۲رجنوری ۱۹۶۲ء جامع

القدس اہلحدیث چوک دالگراں میں انتقال کیا اور گارڈن ٹاؤن لاہور کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾

ان کا انتقال ایسے وقت میں ہوا جب کہ جماعت اہلحدیث کو ان کی بے حد ضرورت تھی۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

حافظ عبدالقادر روپڑی

مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی بن میاں رحیم بخش، حافظ عبداللہ محدث روپڑی کے بھتیجے تھے۔ ۱۹۱۵ء میں موضع کیر پور ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ۱۱ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ علوم آلیہ کی تحصیل اپنے چچا مولانا حافظ محمد حسین روپڑی اور مولانا قادر بخش پٹیالوی سے کی اور علوم عالیہ کی تکمیل حضرت حافظ عبداللہ محدث روپڑی سے کی۔ ۱۶ سال کی عمر میں علوم آلیہ و عالیہ سے فراغت پائی اور روپڑ ضلع انبالہ اور اس کے گردونواح میں وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید میں آپ کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔

جب حافظ عبداللہ روپڑی نے روپڑ سے ۱۹۳۳ء میں ''تنظیم اہلحدیث'' جاری کیا تو آپ ایک طرح اس اخبار کے نگران اور مدیر و معاون تھے۔ آپ نے بیشتر علمی و تحقیقی اور مذہبی و دینی مقالات تنظیم اہلحدیث میں لکھے۔

حافظ عبدالقادر روپڑی کی دینی و ملی اور سیاسی خدمات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی سیاسی خدمات بے مثال ہیں۔

۱۹۳۵ء میں برطانوی حکومت نے برصغیر کو ایک آئین دیا جس کے تحت ۱۹۳۷ء کے انتخابات ہوئے اور کانگرس کو پورے ہندوستان میں غلبہ حاصل ہوا۔ ۱۹۴۰ء میں مسلمانوں نے لاہور میں ایک قرارداد پاس کی اور الگ ایک اسلامی سلطنت کے قیام کا مطالبہ کیا۔

حافظ عبدالقادر روپڑی ان دنوں نوجوان تھے۔ آپ نے مسلم لیگ سے پورا تعاون کیا اور تحریک پاکستان کی تائید وحمایت میں ہندوستان کے قریہ قریہ جا کر مسلمانوں کو تحریک پاکستان سے روشناس کرایا۔ ان کی سیاسی سرگرمیوں سے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ چنانچہ آپ کو گرفتار کر کے اسیر زندان کر دیا گیا، اور سات سال کی قید کی سزا دی۔ اسی دوران حکومت اور مسلم لیگ کے درمیان ایک مفاہمت کے نتیجے میں بہت سے مسلم لیگی کارکنوں کی طرح ان کی بھی رہائی ہوگئی۔

۱۴راگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشے پر سب سے بڑی اسلامی ریاست اسلامی جمہوریہ پاکستان قائم ہوگئی تو حافظ عبدالقادر روپڑی اپنے خاندان کے ہمراہ لاہور تشریف لے آئے اور چوک دالگراں میں مسجد قدس اہلحدیث اور ایک دینی مدرسہ بنام جامعہ اہلحدیث کی بنا ڈالی اور آپ توحید وسنت کی تبلیغ، مناظروں اور ملی وسیاسی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔

حافظ عبدالقادر ایک شعلہ نوا خطیب تھے۔ آپ کے قوت استدلال کا یہ عالم تھا کہ بہت سے غیر مسلم آپ کی تقاریر سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے تھے اور مسلمانوں میں بہت سے جامد مقلد حضرات تقلید کو ترک کر کے مسلک اہلحدیث قبول کرتے تھے۔ آپ کے خطابات سے متاثر ہو کر مسلک اہلحدیث قبول کرنے والوں کی تعداد ہزاروں سے کم نہیں تھی۔

قیام پاکستان کے بعد جو بھی مذہبی، دینی اور سیاسی تحریکات اُٹھیں، حافظ عبدالقادر روپڑی نے ان تحریکات میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۵۳ء کی قادیانی تحریک میں آپ نے بے مثال قربانیاں پیش کیں۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں بھی آپ کی نمایاں خدمات ہیں۔ دونوں تحریکوں میں اسیر زنداں رہے۔

حافظ عبدالقادر روپڑی کی شخصیت اس قدر ہمہ گیر اور ہمہ صفت تھی کہ جس کی مثال مشکل

ہی سے ملے گی۔ آپ ایک جید عالم دین تھے۔ سحر بیان واعظ اور مبلغ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی فہم وبصیرت عطا کی تھی۔ حدیث نبوی ﷺ سے ان کو والہانہ محبت تھی اور حدیث کے معاملہ میں معمولی سی مداہنت برداشت نہیں کرتے تھے۔ حافظ صاحب اپنے مسلک اہلحدیث میں بہت زیادہ متشدد تھے۔

آپ بہت بڑے مناظر تھے۔ شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری مرحوم کے بعد آپ جماعت اہلحدیث کے مناظر تھے۔

مولانا ثناء اللہ مرحوم امام المناظرین تھے۔ اور حافظ صاحب سلطان المناظرین تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں بے شمار مناظرے عیسائیوں، آریہ سماجیوں، قادیانیوں، شیعوں، منکرین حدیث اور تقلیدیان احناف (بریلوی و دیوبندی) سے کیے۔

حافظ صاحب سے میرا نیاز مندانہ تعلق تھا۔ مرحوم سے جب بھی ملاقات ہوتی، بڑی محبت سے ملتے، شفقت کا برتاؤ کرتے، خوب خاطر تواضع کرتے اور علمائے کرام کے حالات وواقعات سناتے اور دعائیں دیتے، اور جب بھی میں ان سے ملتا تو فرماتے:

> ''آپ جماعت اہلحدیث کے علمائے کرام کے حالات اور ان کی دینی وعلمی خدمات پر جماعتی رسائل میں مضمون لکھتے ہیں، تو میں ان کو پڑھ کر آپ کے لیے دعائے خیر کرتا ہوں۔''

مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی نے ۸۵ سال کی عمر میں ۲۷/شعبان ۱۴۲۰ھ مطابق ۶/دسمبر ۱۹۹۹ء کو لاہور میں انتقال کیا۔ اور گارڈن ٹاؤن کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔

حافظ صاحب کے انتقال کے بعد جماعت اہل حدیث کو خصوصا اور امت مسلمہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے۔ (آمین)

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

حافظ عبدالغفار روپڑی

مولانا حافظ عبدالغفار بن عبدالجبار بن میاں عبدالواحد ممتاز عالم دین ہیں۔ ۱۹۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ عصری تعلیم مولوی فاضل اور ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات ہیں۔ دینی تعلیم جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ اور جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا حافظ عبدالمنان نورپوری، مولانا عبدالحمید، مولانا عبدالسلام، مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی اور حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندلوی شامل ہیں۔

فراغت تعلیم کے بعد مدرسہ دارالحدیث کورٹ روڈ کراچی میں تدریس کا آغاز کیا۔ وہاں تقریباً تین چار سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد آپ لاہور تشریف لے آئے اور جامعہ اہلحدیث جو کہ آپ کے جد امجد حضرت العلام مولانا عبداللہ محدث روپڑی نے قائم کیا تھا، میں حدیث کی تدریس پر مامور ہوئے۔ آج کل آپ صحیح مسلم پڑھاتے ہیں۔

حافظ عبدالغفار روپڑی بڑے پختہ کار، سمجھدار اور فہم وبصیرت کے مالک ہیں۔ علوم اسلامیہ پر ان کی وسیع نظر ہے۔ تنظیم اہلحدیث کے مدیر اعلیٰ بھی ہیں۔ اور ان کے فتاویٰ بھی تنظیم اہلحدیث میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مطالعہ کا بڑا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیم اور حافظ ابن حجرؒ کی تصانیف کے شیدائی ہیں۔

بڑے خوش اخلاق، شریف النفس، حلیم الطبع اور مہمان نواز ہیں۔ راقم سے ان کے دیرینہ تعلقات ہیں۔ بڑے اخلاق سے ملتے ہیں۔ مولانا عبدالقادر روپڑی کے انتقال کے بعد آپ جامع القدس اہلحدیث کے خطیب اور جامعہ اہلحدیث کے نگران و مہتمم ہیں۔

حافظ عبدالوہاب روپڑی

مولانا حافظ عبدالوہاب بن عبدالجبار بن میاں عبدالواحد، کا شمار اس دور کے جید علمائے دین میں ہوتا ہے۔ بڑے پختہ کار عالم، علوم اسلامیہ کے متبحر عالم، تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

۱۹۶۴ء میں پیدا ہوئے۔ عصری تعلیم پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل ہیں۔ دینی تعلیم جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا عبدالحمید، مولانا حافظ عبدالمنان، مولانا عبدالسلام، مولانا جمعہ خاں اور مولانا محمد رفیق سلفی شامل ہیں۔ جامعہ محمدیہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے اُم القریٰ یونیورسٹی مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہاں پانچ سال میں یونیورسٹی کا امتحان امتیازی نمبروں میں پاس کیا۔ ام القریٰ یونیورسٹی میں آپ نے سب سے زیادہ استفادہ علامہ سعید شیرازی سے کیا۔

ام القریٰ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد پاکستان تشریف لائے اور جامعہ اہلحدیث لاہور میں تدریس پر مامور ہوئے۔ تفسیر قرآن اور حدیث میں آپ کو خاص ملکہ حاصل ہے۔ جامعہ اہلحدیث میں سنن ابی داؤد کا درس دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کا درس قرآن بہت معلوماتی ہوتا ہے۔ مسائل کی تفصیل سے وضاحت کرتے ہیں۔

تصنیف میں آپ کی تصانیف سانحہ ابوا شائع ہو چکی ہے۔ علاوہ ازیں سورۃ المائدہ اور سورۃ الفاتحہ کی تفسیر مکمل کر چکے ہیں اور ان کے چھپوانے کی فکر میں ہیں۔

مولانا حافظ عبدالوہاب روپڑی بڑے کثیر المطالعہ ہیں اور مسائل کی تحقیق پر گہری نظر ہے۔ حضرت العلام مولانا عبداللہ روپڑی کی تصانیف کی تنقیح، تخریج اور تحقیق کی ذمہ داری بھی سنبھالے ہوئے ہیں۔ چنانچہ محدث روپڑی کی کتاب ''توحید الرحمٰن'' آپ کی تنقیح و تخریج سے شائع ہو چکی ہے۔

آپ بڑے ملنسار، خوش اخلاق، حلیم الطبع اور متواضع انسان ہیں۔

(۱۴)
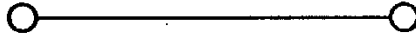
یزدانی خاندان

1. حافظ محمد عبداللہ
2. حافظ عبدالغفور
3. عبدالحلیم صدیقی
4. عزیز الرحمٰن یزدانی
5. حبیب الرحمٰن یزدانی

حافظ محمد عبداللہ

مولانا حافظ محمد عبداللہ بن مولانا امیر اللہ بن مولانا مہتاب الدین نہایت شیریں بیان واعظ اور مبلغ اسلام تھے۔ ان کا وعظ بہت دلنشیں اور مؤثر ہوتا تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا امیر اللہ سے حاصل کی اور تکمیل مولانا جلال الدین سیالکوٹی سے کی۔

مولانا جلال الدین سیالکوٹی مولانا سید عبدالجبار غزنوی اور شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے مستفیض تھے۔

حافظ محمد عبداللہ حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ دہلوی کی تحریک مجاہدین سے وابستہ تھے۔

مولانا عبداللہ عالم باعمل تھے اور مولانا عبدالواحد غزنوی سے ان کے بہت روابط تھے۔

مولانا عبدالواحد غزنوی فرمایا کرتے تھے کہ:

"علم میں میں زیادہ ہوں مگر عمل میں حافظ عبداللہ مجھ سے آگے ہیں۔"

مولانا حافظ محمد عبداللہ کے زہد و تقویٰ اور علم و فضل کے ان کے استاد بھی معترف تھے۔

جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے استاد مولانا جلال الدین سیالکوٹی نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور نمازِ جنازہ پڑھانے کے بعد میت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

﴿ بِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴾

"عمل کرنے والوں کو اس کی مثل عمل کرنا چاہیے"

آپ کا مدفن ہنجانوالی ضلع گوجرانوالہ میں ہے۔

حافظ عبدالغفور

مولانا حافظ عبدالغفور بن حافظ محمد عبداللہ آف ہنجانوالی جامع الکمالات شخصیت تھے۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان کی نظر وسیع تھی۔ خاص کر تفسیر قرآن میں انہیں خاص ملکہ حاصل تھا۔ حدیث نبوی میں بھی ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ آپ نے ساری زندگی درس و تدریس، دعوت وارشاد اور وعظ و تبلیغ میں بسر کر دی۔ آپ کا دائرہ تبلیغ بہت وسیع تھا۔ ہندوستان کے طول وعرض میں تبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے، ان کا وعظ بڑا دلنشیں اور مؤثر ہوتا تھا۔ آپ نہایت شیریں بیان مقرر اور واعظ تھے۔ لوگ دور دور سے آ کر ان کا وعظ سنتے اور ان کے ارشادات عالیہ سے مستفیض ہوتے۔

مولانا حافظ عبدالغفور ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے۔ پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس وقت ان کی عمر ۹ سال تھی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا حافظ محمد عبداللہ سے حاصل کی۔ بعد ازاں مولوی محمد حسین دیوبندی، مولوی محمد دین محمد سیالکوٹی اور مولوی نور محمد آف پٹیالہ، دوست محمد خاں سے علوم آلیہ و عالیہ میں استفادہ کیا۔ اس کے بعد آپ مدرسہ غزنویہ امرتسر تشریف لے گئے، وہاں آپ نے مولانا ابواسحاق نیک محمد اور مولانا عبدالواحد غزنوی سے تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم میں استفادہ کیا۔ آپ مولانا عبدالواحد غزنوی سے روحانی فیوض و برکات سے بھی مستفیض ہوئے۔

۲۲ سال کی عمر میں علوم کی تکمیل کی اور اس کے بعد درس و تدریس پر مامور ہوئے۔ آپ کی تدریسی خدمات نصف صدی تک محیط ہیں۔

آپ تین بار حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ پہلا حج آپ نے مولانا سید اسماعیل غزنوی کی معیت میں کیا۔ سلطان ابن سعود عبدالعزیز سے ملاقات بھی ہوئی اور سلطان نے ان کو بلایا اور قیمتی خلعت سے نوازا۔

مولانا حافظ عبدالغفور کی ساری زندگی درس و تدریس میں گزری، اس لیے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہ دے سکے۔

مولانا حافظ عبدالغفور مغربی پاکستان جمعیت اہلحدیث سے وابستہ رہے۔ آپ مجلس شوریٰ اور مجلس عاملہ کے ممبر تھے۔ آپ نے ۲ر فروری ۱۹۷۵ء موضع ہنجانوالی میں انتقال کیا۔

عبدالحلیم صدیقی

مولانا عبدالحلیم صدیقی بن مولانا حافظ محمد عبداللہ علمائے فحول میں سے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ غزنویہ امرتسر جا کر مولانا ابو اسحاق نیک محمد مرحوم سے تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم میں استفادہ کیا۔

۱۹۳۸ء میں پل شاہدولہ سے ترک سکونت کر کے موضع سکھانہ باجوہ ضلع گوجرانوالہ منتقل ہو گئے اور اپنی ساری زندگی اسی گاؤں میں گزار دی۔

مولانا عبدالحلیم صدیقی بڑے حق گو، بے باک اور نڈر عالم دین تھے۔ دین اسلام اور توحید و سنت کے سلسلہ میں معمولی سی مداہنت بھی برداشت نہ کرتے تھے۔ ان کی حق گوئی کے پیش نظر گاؤں کے تمام لوگ عزت و احترام کرتے تھے۔ قرآن مجید بڑی خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں لحن داؤدی عطا فرمایا تھا۔ علمائے کرام کے بہت قدردان تھے۔ علمائے احناف میں مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا محمد علی جالندھری سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔

مولانا عبدالحلیم صدیقی نے ۷ر ستمبر ۱۹۶۵ء کو انتقال کیا اور ان کی وصیت کے مطابق اپنے آبائی گاؤں ہنجانوالی میں اپنے والد مولانا حافظ عبداللہ مرحوم کے پہلو میں دفن ہوئے۔ نمازِ جنازہ آپ کے برادرِ کلاں مولانا حافظ عبدالغفور نے پڑھائی۔

عزیز الرحمٰن یزدانی

مولانا عزیز الرحمٰن بن مولانا عبدالحلیم صدیقی ۵ر جنوری ۱۹۴۵ء مطابق ۲۰ر محرم الحرام ۱۳۶۴ھ اپنے ننھیال کے چک ۱۱۰ر ایف ضلع بہاول نگر میں پیدا ہوئے۔

عصری تعلیم ایم اے اور فاضل عربی ہے۔ دینی تعلیم جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں مولانا حافظ عبدالمنان نورپوری اور مولانا محمد عبداللہ سے حاصل کی۔

فراغت تعلیم کے بعد بسلسلہ ذریعہ معاش سکول کی ملازمت اختیار کی اور ضلع گوجرانوالہ کے مختلف قصبات اور شہروں میں تعینات رہے ہیں اور اس کے ساتھ دین اسلام کی اشاعت، کتاب و سنت کی ترقی و ترویج اور شرک و بدعت کی تردید و توبیخ میں کوشاں رہتے ہیں۔

۱۹۸۱ء تا ۱۹۹۲ء جامع مسجد اہلحدیث ککے زئیاں سوہدرہ کے خطیب رہے۔ کامونکے ضلع گوجرانوالہ میں سکونت پذیر ہیں۔ جہاں آپ روزانہ بعد نمازِ مغرب مرکزی مسجد اہلحدیث میں طلباء کو ترجمہ قرآن مجید اور حدیث کی کتاب مشکوٰۃ المصابیح پڑھاتے ہیں۔

آپ وسیع المطالعہ ہیں۔ تاریخ پر کافی عبور ہے۔ تفسیر، حدیث سے بھی خاصا لگاؤ ہے۔ دینی مسائل پر اچھی خاصی نظر رکھتے ہیں۔ بہت خوش اخلاق، ملنسار ہیں۔ زہد و ورع کا پیکر ہیں۔

جمعیت اہلحدیث پاکستان سے بھی وابستہ ہیں۔ آج کل جمعیت اہلحدیث ضلع گوجرانوالہ کے سرپرست ہیں۔

تصنیف و تالیف کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔ ان کی ایک کتاب ''سرِّ دلبراں'' اپنے برادر خورد مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی شہید کے حالات میں شائع ہو چکی ہے۔ سیرت پر بھی ایک مختصر کتاب اپنے انداز میں لکھی ہے۔

حبیب الرحمٰن یزدانی

مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی بن مولانا عبدالحلیم صدیقی جماعت اہلحدیث کے ممتاز عالم دین تھے۔ ان کی ساری زندگی خدمت اسلام اور مسلک اہلحدیث کی اشاعت وترقی میں بسر ہوئی۔ آپ ایک شعلہ نوا خطیب، جید عالم دین اور منفرد مقرر تھے۔ وہ ایک بے باک اور نڈر عالم دین تھے۔ جس بات کو حق سمجھتے اس کا اظہار برملا کرتے اور اس سلسلہ میں کسی قسم کا خوف یا ڈر ان کے آڑے نہیں آتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو بے پناہ خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ ایک سادہ مزاج، شریف النفس اور حلیم الطبع انسان تھے۔ اور علامہ اقبال کے اس شعر کے مصداق تھے:

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

ان کا دل آئینے کی طرح صاف تھا۔ بغض کینہ سے پاک تھے، دشمن بھی اگر سامنے آجاتا اور دست تعاون دراز کرتا تو سب کچھ بھول کر اسے معاف کر دیتے۔ مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی کی ساری زندگی توحید وسنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید میں بسر ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے انہیں عشق تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ کے شیدائی تھے۔ عشق نبوی ان کی زندگی کا متاع گراں تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

''سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے عشق ومحبت ہی میری نجات کا ذریعہ ہوگا۔''

یزدانی شہید نے ایک سچے محب وطن کی حیثیت سے پاکستان کی سلامتی، استحکام اور ملک میں اسلامی قانون کے نفاذ کے لیے اپنی ذہانت، ذکاوت اور زبان کو وقف کر دیا تھا۔ اسلام کی سربلندی، توحید وسنت کی اشاعت، ملک کا وقار، عوام کی عزتِ نفس، تہذیب وثقافت کا

تحفظ، ماحول و معاشرے کی اصلاح و تطہیر کے لیے ہمہ تن و ہمہ گیر کام کرنا ان کی زندگی کا مطمح نظر اور نصب العین تھا۔

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی، کبھی پیچ و تاب رازی

مولانا حبیب الرحمٰن جون ۱۹۴۷ء میں پل شاہدولہ ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ جب ہوش سنبھالا تو انہیں دینی تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں داخل کرادیا گیا۔ اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے جامعہ سلفیہ فیصل آباد، مدرسہ ضیاء القرآن منڈی چشتیاں، مدرسہ نصرۃ الحق نسبت روڈ لاہور اور دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور میں زیر تعلیم رہے۔

آپ نے جن اساتذہ کرام سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی ان کے نام یہ ہیں:

مولانا حافظ محمد اسحاق حسینوی، مولانا عبداللہ (گوجرانوالہ)، مولانا بہاؤالدین، مولانا عطاء اللہ حنیف، مولانا حافظ محمد بنیامین اور مولانا عبدالرشید گوہڑوی۔

فراغت تعلیم کے بعد مولانا یزدانی نے اپنی زندگی خدمت اسلام اور مسلک اہلحدیث کی اشاعت اور ترقی و ترویج میں گزاردی۔ اور وعظ و تبلیغ کے ذریعہ آپ نے جو دینی و مذہبی خدمات انجام دیں، وہ تاریخ اہلحدیث کا ایک درخشندہ باب ہے۔

مولانا یزدانی ایک پرجوش خطیب تھے، مجاہد تھے، ادیب تھے۔ ان کی زندگی کا نصب العین ہی دین اسلام کی خدمت اور مسلک اہلحدیث کی اشاعت تھا۔

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرور انجم عشق
کبھی سرمایۂ محراب و منبر
کبھی مولا علی خیبر شکن عشق

مولانا یزدانی کی سیاسی خدمات بھی قابل قدر ہیں۔ انہوں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز

نوابزادہ نصر اللہ خاں کی جمہوری پارٹی سے کیا۔ آپ قومی اتحاد کے ایک مؤثر لیڈر تھے۔ بھٹو آمریت کے خلاف تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس سلسلہ میں اسیر زنداں بھی رہے۔

مولانا یزدانی توحید و سنت کے علمبردار تھے۔ اہل بدع کی نظر میں آپ سب سے بڑے مجرم تھے۔ چنانچہ ۱۴ راگست ۱۹۸۴ء میں کامونکی میں آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ آپ کو شدید کاری زخم آئے۔ آپ کو فوراً ہسپتال لاہور پہنچایا گیا، وہاں ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے آپ کا علاج کیا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ابھی آپ کی زندگی باقی تھی، اور دن بدن روبصحت ہوتے گئے اور آخر آپ گھر تشریف لے آئے۔ اور پھر پوری توانائی سے خدمت دین میں مصروف ہو گئے۔

مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی ستودہ اخلاق اور اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔ زہد وورع اور تقویٰ و طہارت کے پیکر تھے۔ بڑے خوش اخلاق اور ملنسار تھے۔ ان میں سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ آپ بہت زیادہ مہمان نواز تھے۔ راقم آثم ان کی خدمت میں کئی بار کامونکے حاضر ہوا۔ بڑے اخلاق سے ملتے اور بہت زیادہ مہمان نوازی کرتے تھے۔

۲۳ رمارچ ۱۹۸۷ء کو قلعہ چھمن سنگھ راوی روڈ لاہور میں بعد نمازِ عشاء ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں ایک مقرر مولانا یزدانی بھی تھے۔ آپ نے سیرۃ النبی ﷺ پر تقریر فرمائی۔ ان کی تقریر ختم ہوئی تو علامہ احسان الٰہی ظہیر کی تقریر شروع ہوئی۔ علامہ احسان الٰہی نے خطبہ مسنونہ کے بعد تقریر شروع کی کہ بم کا ایک خوفناک دھماکہ ہوا۔ مولانا یزدانی ابھی اسٹیج پر تشریف فرما تھے۔ بم کے دھماکے سے اسٹیج پر موجود افراد مولانا عبدالخالق قدوسی اور محمد خاں نجیب نے تو اسی وقت اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ مولانا یزدانی اور علامہ احسان الٰہی ظہیر دونوں شدید زخمی ہوئے۔ انہیں میو ہسپتال لاہور پہنچایا گیا۔ یہاں ۲۴ رمارچ کو مولانا یزدانی نے انتقال فرمایا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

مولانا یزدانی کی شہادت کے بعد پروفیسر حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی مرحوم نے اپنے

ایک مضمون میں مولانا یزدانی کی شخصیت پر یوں اظہار خیال کیا:

''مولانا یزدانی کی زندگی کا مقصد صرف یہ تھا کہ عقیدہ توحید ہر مسلمان کے دل کی آواز بنا دوں۔''

اوران کے عقیدہ کی روح علامہ اقبال کا یہ شعر ہے:

وہ چنگاری خس و خاشاک سے کس طرح دب جائے
جسے حق نے کیا ہو نیستاں کے واسطے پیدا

مرحوم ایک پر جوش اور نڈر مقرر تھے۔ اخلاص و محبت کا پیکر تھے۔ اب ان کا بدل ملنا مشکل ہے۔ ان کی مقبولیت کا اندازہ ان کے جنازہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک لاکھ افراد سے زیادہ فرزندان توحید شریک ہوئے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے

☆

(۱۳)

کیلانی خاندان
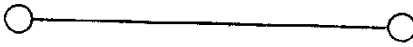
۱ محمد سلیمان
۲ محمد ادریس
۳ محمد اقبال
۴ عبدالرحمٰن
۵ حافظ عبدالحی
۶ عبدالمالک مجاہد
۷ عبدالسلام کیلانی
۸ اکرام اللہ ساجد

کیلانی خاندان

کیلانی خاندان کے سربراہ حاجی محمد عارف تھے۔ جن کے تین بیٹے امام الدین، محمد الدین اور سلطان احمد تھے۔

امام الدین عالم دین تھے اور مدرسہ غزنویہ امرتسر کے فیض یافتہ تھے اور ان کے تین بیٹے تھے:

نور الٰہی، حافظ عبد الحی اور عبد الواحد

نور الٰہی عالم دین نہیں تھے، لیکن علمائے کرام کی مجالس میں بیٹھتے تھے۔ ذریعہ معاش کتابت تھا۔ اور بڑے خوش نویس تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے:

محمد سلیمان، محمد ادریس، عبد الرحمٰن، عبد الغفور

☆

محمد سلیمان

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی کے شاگرد تھے۔ آپ نے تبلیغی مشن کا آغاز استاد محترم کے ارشاد پر علی پور چٹھہ سے کیا۔ وہاں تیرہ برس خدمت دین کرنے کے بعد کھیالی گوجرانوالہ آ گئے۔

مولوی محمد سلیمان ممتاز عالم دین تھے۔ درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ اور تصنیف و تالیف ان کی زندگی کا مشغلہ تھا۔ کھیالی ضلع گوجرانوالہ میں ''جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات'' کے نام سے لڑکیوں کا ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا جو آج تک ان کی یادگار ہے۔ اور توحید و سنت کی اشاعت میں مصروف ہے۔

تصنیف میں بلوغ المرام کی شرح ''سبل الاسلام'' کا ترجمہ کیا جو مطبوع ہے، اس کے علاوہ حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح کا اُردو ترجمہ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل السّلفی نے شروع کیا۔ جس کا صرف ربع اوّل لکھا گیا اور مولانا سلفی نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ مولوی محمد سلیمان کیلانی نے بقیہ کتاب کا ترجمہ کیا اور یہ کتاب ۴ جلدوں میں مطبوع ہے۔

ان کی اولاد میں عبدالوحید، عبدالوکیل اور عبدالحلیم ہیں۔ آج کل مولوی عبدالوحید صاحب اپنے والد گرامی کی مسجد اقصیٰ اہلحدیث میں خطابت و امامت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور مولوی عبدالوحید صاحب کے بیٹے حافظ ساجد قرآن کی تعلیم دے رہے ہیں۔

☆

محمد ادریس

مولانا محمد ادریس کیلانی ممتاز عالم دین تھے۔ خوش نویس کاتب بھی۔ آپ نے ۶۰ سال کی عمر میں اپنے شوق سے قرآن مجید حفظ کیا۔ کیلیانوالہ میں جامع مسجد اہلحدیث کے خطیب و امام تھے۔ اور اس کے ساتھ حفظ قرآن کا ایک مدرسہ بھی قائم کیا ہوا تھا۔

عربی اور اُردو کے بڑے اعلیٰ پایہ کے خوش نویس تھے۔

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کی ''التعلیقات السّلفیہ علی سنن النسائی (عربی)'' اور ''تفسیر احسن التفاسیر'' اور ''فتاویٰ نذیریہ (۳ جلد)'' کی آپ نے کتابت کی تھی۔

مولانا محمد ادریس کیلانی متبحر عالم دین تھے۔ تفسیر و حدیث پر ان کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ تفسیر احسن التفاسیر کی آخری تین جلدوں کی آپ نے تخریج بھی فرمائی تھی۔ علاوہ ازیں آپ نے مکمل صحاح ستہ کی بھی کتابت کی تھی۔

مولانا محمد ادریس کیلانی بڑے حلیم الطبع اور خوش اخلاق تھے۔ راقم کی ان سے ملاقات تین چار دفعہ دفتر ''الاعتصام'' لاہور میں ہوئی۔ بڑی خندہ پیشانی اور محبت سے ملتے تھے۔

مولانا محمد ادریس کے چار صاحبزادے ہیں:

محمد اقبال، محمد ریاض، محمد خالد، ہارون الرشید

☆

محمد اقبال

مولانا محمد اقبال کیلانی بن مولانا محمد ادریس کیلانی معروف عالم دین ہیں اور کنگ سعود یونیورسٹی الریاض (سعودی عرب) میں پروفیسر ہیں۔ آپ ایک بلند مرتبہ مصنف ہیں۔ علوم اسلامیہ پر ان کی نظر وسیع ہے۔ اب تک ان کے قلم سے ۲۰ کے قریب کتابیں نکل چکی ہیں مثلاً:

کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوۃ، کتاب الصوم، کتاب الزکاۃ، کتاب الحج، کتاب الجہاد، کتاب اتباع السنہ، جنت کا بیان، جہنم کا بیان وغیرہ۔

☆

عبدالرحمٰن

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی بن نورالٰہی بن امام الدین بن حاجی محمد عارف ۱۱ نومبر ۱۹۲۳ء میں کیلیانوالہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۱ء میں گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ دینی تعلیم گھر پر ہوئی۔ ۱۹۴۴ء میں فوج میں بھرتی ہوئے اور ۱۹۴۷ء میں فوج کی ملازمت چھوڑ دی۔ اور اپنا خاندانی پیشہ کتابت اختیار کیا۔

۱۹۶۱ء تا ۱۹۸۱ء کے دوران میں ۴۰ کے قریب قرآن مجید کی کتابت کی۔

۱۹۸۱ء میں تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کی۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) اسلام میں ضابطہ تجارت
(۲) مغربی جمہوریت
(۳) خلافت و جمہورت
(۴) عقل پرستی اور انکار معجزات
(۵) سعودی عرب میں نظام زکوٰۃ (عربی سے ترجمہ)
(۶) آئینہ پرویزیت
(۷) شریعت و طریقت
(۸) روح عذاب قبر اور سماع موتی
(۹) احکام ستر و حجاب
(۱۰) اسلام میں فاضلہ دولت کا مقام
(۱۱) سرگزشت نورستان
(۱۲) مترادفات القرآن
(۱۳) قرآن نافہمی کے اسباب اور ان کا حل
(۱۴) الشمس والقمر بحسبان
(۱۵) تفسیر تیسیر القرآن
(۱۶) آنحضرت ﷺ بحیثیت سپہ سالار

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی نے اپنی زندگی میں تین بار حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ سیرت و کردار میں اعلیٰ اخلاق اور اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔ اتباع سنت میں اپنی مثال آپ تھے۔ ۱۸؍دسمبر ۱۹۹۵ء مطابق ۲۵؍رجب ۱۴۱۶ھ کو وسن پورہ لاہور میں نماز ادا کرتے ہوئے بحالت سجدہ انتقال کیا۔

﴿ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ﴾

حافظ عبدالحی

مولانا حافظ عبدالحی کیلانی بن امام الدین بلند پایہ عالم تھے۔ علم و فضل میں اونچا مقام رکھتے تھے۔ ان کی تصنیف "مراۃ القرآن" ہے جو لغات پر بہت اچھی کتاب ہے۔ یہ کتاب اب تک تین مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔

آپ زندگی بھر اپنی آبائی مسجد موضع کوٹ شاہ محمد (چاندی کوٹ) ضلع شیخوپورہ میں خطیب رہے۔ مشہور مسلم لیگی لیڈر چوہدری محمد حسین چٹھہ اسی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ چٹھہ صاحب اور ان کا خاندان موصوف کے بڑے قدر دان تھے۔ آپ نے اپنے گاؤں والوں کو دینی تعلیم دی۔ آپ بڑے عابد، زاہد، قانع، متوکل علی اللہ، درویش صفت، سادہ مزاج، خلیق اور مہمان نواز تھے۔ نماز تہجد اور اشراق اور روزانہ زبانی چھ پارے تلاوت قرآن آپ کا معمول تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو قرآن مجید پر بہت اچھا ضبط تھا۔ آپ کو برادری میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ ہمیشہ کسی نہ کسی کو اپنے پاس رکھ کر دینی تعلیم سے آراستہ کرتے تھے۔ آپ نے اپنی برادری کو بہت فائدہ پہنچایا۔

☆

عبدالمالک مجاہد

مولانا عبدالمالک مجاہد کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ مکتبہ دارالسلام الریاض (سعودی عرب) کے مدیر ہیں۔ عربی، اُردو، انگریزی اور دیگر زبانوں میں قرآن، حدیث، تاریخ اور مذہب اسلام پر پانچ سو کے قریب کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ بڑے فعال اور سرگرم عالم دین ہیں۔ ان میں دین اسلام کی اشاعت کی بہت زیادہ تڑپ ہے۔ بڑے خوش اخلاق اور ملنسار

ہیں۔ مسلک اہلحدیث کو عالمی سطح پر متعارف کرانے میں آپ کا بہت بڑا کردار ہے۔ آپ کی مساعی سے اسلامی لٹریچر کو اس قدر عمدہ اور دیدہ زیب بنایا گیا ہے کہ ہر مسلمان ان کی تعریف کرنے پر مجبور ہے۔ آپ کی کوشش سے بہت سے تدریسی اداروں کو مالی معاونت فراہم کی جا رہی ہے۔ ان دنوں دعوتی اور اصلاحی لٹریچر کو میڈیا کے ذریعے سے پیش کرنے میں مصروف عمل ہیں۔

⁂

عبدالسلام

متبحر عالم دین ہیں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ پھر جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں داخل ہوئے۔ اور ابتدائی جماعتیں پڑھیں۔ پھر لاہور حضرت العلام حافظ عبداللہ محدث روپڑی کی خدمت میں چلے گئے اور ان سے تفسیر وحدیث کی سند لی۔ بعد ازاں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ داخلہ لے لیا فراغت حاصل کرنے کے بعد پاکستان آ گئے اور علماء اکیڈمی میں حدیث اور علوم عالیہ کے استاد تعینات ہوئے۔

آپ کی علوم اسلامیہ پر وسیع نظر ہے۔ بلند اخلاق اور شیریں زبان ہیں۔ بڑی معلوماتی تقریر کرتے ہیں۔ آپ نے چند ایک کتب منشیات اور اسلام، کتاب وسنت کا مقام، عورت کی دیت وغیرہم تصنیف کیں۔

⁂

اکرام اللہ ساجد

مولانا اکرام اللہ ساجد بن عبدالرحیم بن محمد الدین بن حاجی محمد عارف ممتاز عالم دین

ہیں۔ آپ اعلیٰ پایہ کے خوش نویس بھی ہیں۔ اور صاحب قلم بھی ہیں۔ تقریر میں اچھا خاصہ ملکہ رکھتے ہیں۔ ان کا وعظ بڑا مؤثر اور دلنشین ہوتا ہے۔ آپ صحافی بھی ہیں۔

ماہنامہ ''ترجمان الحدیث'' لاہور، ماہنامہ ''محدث'' لاہور اور ماہنامہ ''حرمین'' جہلم کے مدیر و معاون رہ چکے ہیں۔

آج کل جامع مسجد اہلحدیث علی پور چٹھہ میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہیں۔ جمعیت اہلحدیث تحصیل وزیرآباد کے امیر ہیں۔ راقم سے ۱۹۸۲ء سے تعلقات ہیں۔

بڑے حلیم الطبع، شریف النفس اور کم سخن ہیں۔

☆

(۱۴)
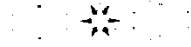
۱۷۔علمائے کرام

اس باب میں تین فصلیں ہیں:

فصل اوّل میں ان علمائے کرام کے حالت درج ہیں جنہوں نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے اوران کی تعداد پچیس (۲۵) ہے۔

مرحومین......۱۹ موجودین......٦

فصل دوم میں ان علمائے کرام کے حالات درج ہیں جن کی حیثیت پدر اور پسر کی ہے۔ان کی تعداد پچیس (۲۵) ہے۔

مرحومین......۲۳ موجودین... ۲

فصل سوم میں ان علمائے کرام کے حالات درج کیے گئے ہیں جو برادران ہیں۔ ان کی تعداد اکیس (۲۱) ہے۔

مرحومین......۱۵ موجودین......٦

فصل اوّل

(۱) ولایت علی عظیم آبادی
(۲) شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی
(۳) محمد حسین بٹالوی
(۴) محمد بشیر سہسوانی
(۵) عبدالمنان وزیر آبادی
(٦) عبداللہ غازی پوری
(۷) قاضی محمد سلیمان منصوری پوری
(۸) احمداللہ پرتاب گڑھی
(۹) عبدالتواب ملتانی
(۱۰) ثناءاللہ امرتسری
(۱۱) ابوالکلام آزاد
(۱۲) محمد ابراہیم میر سیالکوٹی
(۱۳) عبدالستار دہلوی
(۱۴) نذیر احمد رحمانی
(۱۵) حافظ محمد گوندلوی
(۱۶) محمد حنیف ندوی
(۱۷) ابوالبرکات احمد مدراسی
(۱۸) غلام احمد حریری
(۱۹) محمد صادق خلیل
(۲۰) محمد علی جانباز
(۲۱) ارشادالحق اثری
(۲۲) حافظ صلاح الدین یوسف
(۲۳) محمد اسحاق بھٹی
(۲۴) بشیر انصاری
(۲۵) محمد خالد سیف

فصل اوّل

ولایت علی عظیم آبادی

مولانا ولایت علی عظیم آبادی بن مولوی فتح علی عظیم آبادی تحریک مجاہدین کے روح رواں، متبحر عالم مبلغ، بے نظیر محدث، فقہ وحدیث وسلوک کے جامع، توحید خالص کے علمبردار، محدثات وبدعات کے قاطع، کفن بردار مجاہد اور جامع العلوم عالم تھے۔

ولادت:

مولانا ولایت علی ۱۲۰۵ھ میں عظیم آباد پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی فتح علی کا شمار عظیم آباد کے رؤسا میں ہوتا تھا۔ مولوی فتح علی کے خاندان کو عظیم آباد میں امارت و سیادت کا درجہ حاصل تھا۔

تحصیل علم:

خاندانی روایات کے مطابق ۴ برس کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ ذہانت و فطانت اور فراست کا وافر حصہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عنایت فرمایا تھا۔ اس لیے بہت جلد علوم اسلامیہ میں دسترس حاصل کر لی۔ اپنے والد مولوی فتح علی کے علاوہ مولوی رمضان علی مجتہد امامیہ سے بھی استفادہ کیا۔ اس کے بعد لکھنؤ تشریف لے گئے، وہاں آپ نے مولانا محمد اشرف جو جامع علوم معقول ومنقول تھے، ان کی خدمت میں چار سال رہ کر اکتساب فیض کیا۔

سید احمد شہید سے ملاقات اور بیعت:

لکھنؤ میں قیام کے دوران حضرت سید احمد شہیدؒ لکھنؤ رونق افروز ہوئے اور پہلی ملاقات میں ہی ان سے بیعت ہو گئے اور تعلیم چھوڑ کر ان کے ساتھ رائے بریلی تشریف لے گئے اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ شاہ صاحب سے آپ نے

مختلف علوم کی کتابیں پڑھیں۔ عبادت و تعلیم کے بعد پورا وقت اپنے ساتھیوں کی خدمت میں گزارتے۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتے۔ غرض معمولی سے معمولی کام کرنے میں عار محسوس نہ کرتے اور جب کام سے فرصت ملتی تو حضرت سید احمد شہیدؒ کی صحبت میں جا بیٹھتے۔

شانِ للّٰہیت:

مولانا ولایت علی کے والد مولوی فتح علی کو علم ہوا کہ ولایت علی رائے بریلی حضرت سید احمد شہیدؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں تو انہوں نے اپنے ایک ملازم جو بچپن سے مولانا ولایت علی کا خدمتگار تھا، چار سو روپے معہ ملبوسات دے کر آپ کے پاس بھیجا۔ جب ملازم رائے بریلی پہنچا تو آپ کا پتہ کیا تو اس کو بتایا گیا کہ ولایت علی تعمیر مسجد میں مزدوروں میں کام کر رہے ہیں۔ مولانا ولایت علی نے ایک موٹا تہمد باندھ رکھا تھا اور گارے میں لتھڑے ہوئے تھے۔ صورت اس وجہ سے متغیر تھی کہ ملازم ان کو پہچان نہ سکا۔ جب اس نے آپ سے دریافت کیا تو مولانا ولایت علی نے جواب دیا کہ میں ہی ہوں، اس نے مذاق سمجھا اور بہت ناراض ہوا۔ آپ نے کہا اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو جو میرے ساتھ یہ لوگ کام کر رہے ہیں ان سے دریافت کر لیجئے۔ چنانچہ ملازم نے ان لوگوں سے ولایت علی کا دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ عظیم آباد کے رئیس زادے ولایت علی یہی ہیں، تو وہ بہت نادم ہوا۔ آپ سے معافی مانگی اور گلے لگایا اور آپ کی حالت زار دیکھ کر زار و قطار رونے لگا۔ رقم اور ملبوسات آپ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ آپ نے انہیں دیکھا تک نہیں اور دونوں چیزیں حضرت سید احمد کی خدمت میں پیش کر کے واپس آ گئے اور اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

وعظ و تبلیغ:

مولانا ولایت علی رائے بریلی میں حضرت سید احمد سے استفادہ کرتے رہے۔ جب سید صاحب حج کے لیے تشریف لے گئے تو مولانا ولایت علی اپنے وطن واپس آ گئے اور اپنی زندگی کا مشن وعظ و تبلیغ کو بنایا۔ اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ جماعت جمعہ کی پابندی قائم کی۔

آپ ہی کے پند و نصائح سے آپ کے خاندان کے لوگ اور کثیر تعداد میں دوسرے لوگ حضرت سید صاحب سے وابستہ ہوئے۔

مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں کہ انہیں کی کوشش سے ان کا خاندان اور دوسرے اعزہ و اقربا سید صاحب سے وابستہ ہوئے۔ غرض ان سے تعلق رکھنے والوں میں ایک بھی فرد ایسا باقی نہ رہا جس نے سید صاحب کی ارادت کا حلقہ اپنی گردن میں نہ ڈال لیا ہو۔

سفارت:

حضرت سید صاحب نے مولانا ولایت علی کو شاہ زماں والئی کابل اور اس کے وزیر دوست محمد خان کے پاس مراسلات دے کر بھیجا۔ والئی کابل آپ سے بڑی عزت و احترام سے پیش آیا اور شاہی مہمان کے طور پر اپنے پاس رکھا۔ آپ کا قیام کابل میں تقریباً ڈیڑھ ماہ رہا۔ اس دوران آپ وعظ و نصیحت، توحید و اتباع سنت اور تحریض علی الجہاد کرتے رہے اور پنجاب میں مسلمانوں پر سکھوں نے جو ظلم شروع کر رکھا تھا ان کے بارے میں کابل کے مسلمانوں کو آگاہ کیا۔

خلافت اور حیدر آباد دکن روانگی:

حضرت سید صاحب نے ترویج دین حق کے خیال سے مولوی سید محمد علی رام پوری اور مولانا ولایت علی کا انتخاب فرمایا۔ اور ان دونوں بزرگوں کو جنوبی ہند روانہ فرمایا۔ چنانچہ مولانا ولایت علی دعوت و تبلیغ کی غرض سے حیدر آباد دکن کے اطراف میں توحید و سنت کی ترغیب دیتے رہے اور لاکھوں آدمی آپ کے وعظ سے توحید و سنت کے پابند ہوئے۔ دوسری طرف مولوی سید محمد علی رام پوری نے بھی مدراس میں تبلیغ و تعلیم میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔

قیام وطن اور نظم تبلیغ:

مولانا ولایت علی حیدر آباد دکن اور اس کے اطراف میں دعوت و تبلیغ میں مصروف تھے کہ بالاکوٹ میں حضرت سید صاحب کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ دوسری طرف عظیم آباد میں

آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ حضرت سید صاحب کی شہادت سے آپ پر بار عظیم پڑ گیا۔ چنانچہ مولانا ولایت علی حیدر آباد دکن سے برہان پور، سیونی نرسنگھ پور اور جبل پور ہوتے ہوئے عظیم آباد پہنچے اور اصلاح عقائد و جہاد کا مقصد پیش نظر رکھتے ہوئے بنگال، اڑیسہ اور الٰہ آباد میں دعوت و تبلیغ کا منظم سلسلہ قائم کیا۔

جس کی تفصیل مولانا غلام رسول مہر نے اس طرح لکھی ہے:

"مولانا شاہ محمد حسین کو چھپرہ، مظفر پور، ترہٹ اور اطراف پٹنہ کا علاقہ تفویض کیا۔ مولانا ولایت علی کو بنگال، مولوی زین العابدین حیدر آبادی کو الٰہ آباد اور مولوی عباس کو اڑیسہ کا علاقہ تفویض کیا۔ طریق تبلیغ یہ تھا کہ مولانا خود اور ان کے مقرر کیے ہوئے داعی ایک ایک قریے اور ایک ایک موضع میں جاتے، مسلمانوں کو پابند شریعت بناتے اور ارشاد و ہدایت کا مستقل سلسلہ جاری کر دیتے۔"

مولانا ولایت علی عظیم آبادی کی اپنی کیفیت:

آپ کی اشاعت دین میں انتھک کوششیں غرب و شرق، شمال و جنوب کل پر محیط تھیں اور میلوں، کھیتوں، مجمعوں اور کسانوں کے پاس پہنچ کر اللہ کی اطاعت و بندگی کی ترغیب دیتے اور ان کی بدزبانیوں اور غصوں کو شربت کی طرح نوش کر جاتے۔ دینیات کی تعلیم کے لیے اپنے مکان پر بعد نمازِ ظہر تا نمازِ عصر قرآن و حدیث کا درس دیتے۔ قرآن مجید اور بلوغ المرام کا لفظی ترجمہ مردوں اور عورتوں اور بچوں کو پڑھواتے تا کہ لوگ اللہ کی مرضی اور غیر مرضی (امر و نہی) سے آگاہ ہو جائیں۔

تعلیم اور اشاعت کتب:

مولانا ولایت علی نے دینی کتب کی اشاعت کا خاص اہتمام فرمایا۔ چنانچہ آپ نے مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی نبیرہ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی سے مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمہ قرآن مجید اور مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ دہلوی کے چند رسائل منگوا کر مولوی بدیع الزمان بردوانی کے ذریعہ چھپوا کر شائع کیے اور لوگوں میں تقسیم کیے۔

خدا داد تاثیر:

آپ کے وعظ میں بڑی تاثیر تھی۔ قیام وطن کے دوران ہر منگل کو بعد نمازِ مغرب اپنے مکان پر وعظ فرماتے۔ ایک جانب عورتیں ہوتیں اور دوسری جانب مرد۔ سامعین کی مجموعی تعداد پانچ چھ ہزار سے کم نہ ہوتی۔ وعظ میں خدا داد تاثیر تھی جو سُنتا اس کی حالت دگرگوں ہو جاتی۔

محی السنہ مولانا سید نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ:

''مولانا ولایت علی عظیم آبادی نے جامع مسجد میں چند جمعہ تک وعظ کیا۔ مجھ سے کہہ گئے کہ تم کتاب بلوغ المرام ضرور پڑھنا میں اس وقت بارہ تیرہ برس کی عمر کا ہوں گا، اس کہنے کا نتیجہ ایک مدت دراز کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ میں نے بلوغ المرام کی شرح (مسک الختام) لکھی۔ جو اثر سریع میں نے مولوی ولایت علی مرحوم کے وعظ میں پایا کسی کے وعظ میں دیکھا نہ سُنا۔ ان کے پاس بیٹھنے سے دل دنیا سے بالکل سرد ہو جاتا تھا اور دین کا جوش تہ دل سے اُٹھتا تھا۔ یہ مصرع میں نے انہیں سے یاد کر لیا تھا:

ہم طرزِ جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

مولوی عبدالرحیم صادق پوری ''تذکرہ صادقہ'' میں لکھتے ہیں:

''آپ کی ترغیب تحصیل قرآن و حدیث اور وعظ و نصائح سے ملک ہندوستان میں عمل بالحدیث کا چرچا ہوا۔ اور تقلید و تعصب کی بنا کمزور و مضمحل ہونے لگی کیونکہ قرآن و حدیث کی محبت اور ان کی ترویج نے حق کو روشن کر دیا۔ جاء الحق و زھق الباطل''

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (م ۱۴۰۸ھ) لکھتے ہیں:

''آپ نے اسلام کی ہر نوع کی خدمات سرانجام دیں، جہاد کے سلسلہ میں تو آپ سر عسکر تھے، تبلیغی اور تدریسی خدمات میں بھی کوتاہی نہیں فرمائی اور اشاعت علوم دینیہ کے لیے بقدر وسعت کوششیں جاری رکھیں۔''

حج بیت اللہ:

۱۲۴۸ھ میں مولانا ولایت علی عظیم آبادی حج کے لیے تشریف لے گئے۔ سفر حج کے لیے عظیم آباد سے نکلے، بنگال کا دورہ کیا اور قریہ قریہ سفر کرتے ہوئے کلکتہ پہنچے۔ مولوی بدیع الزمان بردوانی کو مصری گنج کی مسجد کا امام مقرر فرمایا۔ اسی دورے میں سورج گنج بھی تشریف لے گئے۔ یہاں مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی آپ کے وعظ سے بہت متاثر ہوئے اور اپنی زندگی خدمت دین اسلام اور قرآن و حدیث کی اشاعت میں بسر کر دی۔ اس کے بعد کلکتہ سے بذریعہ جہاز بمبئی پہنچے اور بمبئی میں دو ماہ قیام کیا اور بمبئی کے دو ماہ بھی وعظ و تبلیغ میں گزارے۔ پھر حجاز تشریف لے گئے اور حج کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔ مکہ معظمہ میں شیخ عبداللہ سراج سے حدیث کی سند حاصل کی اور واپسی پر نجد وغیرہ ممالک اسلامیہ کی سیر کرتے ہوئے یمن پہنچے۔ اور ۱۲۴۹ھ میں امام محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ (م ۱۲۵۰ھ) سے حدیث کی سند حاصل کی اور امام شوکانی کی تصنیف ''الدرر البہیہ'' کا ایک نسخہ ساتھ لائے۔ یہ نسخہ اس وقت صادق پور میں موجود ہے۔ اس کے بعد آپ واپس کلکتہ تشریف لائے اور کلکتہ میں کچھ دن قیام کے بعد اپنے وطن عظیم آباد پہنچے۔

علاقہ مجاہدین میں مولانا ولایت علی کی آمد:

۱۷ شوال ۱۲۶۲ھ مطابق ۹؍ اکتوبر ۱۸۴۶ء کو مولانا ولایت علی علاقہ مجاہدین میں پہنچ گئے۔ مانسہرہ میں مجاہدین کی ایک جماعت نے والہانہ استقبال کیا۔ اور اپنے چھوٹے بھائی مولانا عنایت علی عظیم آبادی سے بھی ملاقات ہوئی۔ ایک دن مانسہرہ میں قیام کے بعد اسلام گڑھ (جس کا پہلا نام فتح گڑھ) تشریف لے گئے۔ وہاں دوپہر کا کھانا کھایا اور ۲۴؍ شوال ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۶؍ اکتوبر ۱۸۴۶ء جمعہ کے دن مولانا عنایت علی نے امارت کا پورا کاروبار مولانا ولایت علی کے سپرد کر دیا۔

مولانا ولایت علی کی مراجعت:

علاقہ مجاہدین میں کچھ عرصہ قیام کے بعد مولانا ولایت علی معہ اپنے بھائی مولانا عنایت علی عظیم آباد تشریف لے گئے تو ان پر معہ اپنے بھائی کے عظیم آباد کی حدود سے باہر جانے پر پابندی عائد کر دی گئی اور یہ پابندی جولائی یا اگست ۱۸۴۹ء میں ختم ہوئی۔

مستقل ہجرت:

۱۳ رشوال ۱۲۶۵ھ مولانا ولایت علی نے مستقل ہجرت کے راستے میں قدم رکھا۔ مولانا یحییٰ علی اور چند دوسرے احباب آپ کے ساتھ تھے۔

مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں کہ:

> "مولانا ولایت علی اس گھرانے کے فرزند تھے جو بہار کے رؤسا میں شمار ہوتا تھا۔ بہت بڑی جائداد کے مالک تھے اور ان کے تمام اقربا بھی رؤسا ہی میں محسوب تھے۔ لیکن دیکھئے عشق حق اور خدمت دین کے جذبۂ صادقہ نے کس طرح ان سے سب کچھ چھڑا دیا۔ اور اس زندگی کی تڑپ دل میں پیدا کر دی جس میں تکلیفوں اور پریشانیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ کارنامے صرف ارباب عزیمت ہی انجام دے سکتے ہیں۔ مولانا ولایت علی اور ان کے اکثر اقرباء سید صاحب کے فیض تربیت سے یقیناً ارباب عزیمت کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔"

مولانا ولایت علی عظیم آباد سے روانہ ہو کر گڈھانہ، کوٹلور، آرہ، غازی پور ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔ اپ نے جس جگہ بھی قیام کیا، وعظ وتبلیغ کرتے رہے اور لوگ ان کا وعظ بھی بڑے ذوق وشوق سے سنتے تھے۔ دہلی میں آپ کا قیام دو ماہ رہا۔ بادشاہ کو بھی وعظ کیا جس پر اس نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔ آپ کے وعظ میں حکیم مومن خان مومن نے شرکت کی تھی۔ مولانا ولایت علی کے وعظ سے بادشاہ اور اس کے اہل خانہ متاثر ہوئے اور جب مولانا ولایت علی وعظ کے لیے شاہی قلعہ پہنچے تو بادشاہ نے آپ کا والہانہ استقبال کیا۔ اور آپ کے ساتھ مصافحہ کیا اور آپ کے علاوہ آپ کے ساتھ تقریباً ۷۵ آدمی شاہی قلعے میں آ گئے۔ ان سب

سے بھی بادشاہ نے مصافحہ کیا۔ وعظ کے بعد بادشاہ نے آپ کو شاہی قلعہ کی سیر بھی کرائی۔

مولانا ولایت علی کی ستھانہ روانگی:

مولانا ولایت علی دہلی سے ستھانہ کے لیے روانہ ہوئے اور جب آپ دریائے جمنا سے پار ہوئے تو رمضان المبارک کا چاند نظر آیا۔ ستھانہ پہنچ کر آپ نے وعظ و تبلیغ اور درس قرآن و حدیث کا سلسلہ شروع کیا اور سامعین کی ایک بڑی تعداد آپ کے وعظ اور درس میں شریک ہوئی۔

وفات:

مولانا ولایت علی ابھی کوئی مجاہدانہ قدم اُٹھانے نہ پائے تھے کہ ۲۲ر محرم ۱۲۶۹ھ مطابق ۵ر نومبر ۱۸۵۳ء بہ عارضہ خناق انتقال کیا اور اپنے مرکز کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ انتقال کے وقت عمر ۶۴ سال تھی۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

تصانیف:

مولانا ولایت علی عظیم آبادی کی زندگی کا بیشتر حصہ وعظ و تبلیغ اور نظم جہاد میں گزرا۔ ظاہر ہے کہ ان مشاغل کے ہجوم میں تصنیف کے لیے وقت نکالنا خاصا دشوار ہے۔ تاہم آپ نے مختلف اوقات میں عربی، فارسی اور اُردو میں رسائل لکھے ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) رسالہ ردِ شرک (فارسی)، (۲) رسالہ عمل بالحدیث (فارسی)، (۳) رسالہ اربعین فی الدین (عربی)، (۴) رسالہ دعوت (اُردو)، (۵) رسالہ تیسیر الصلوٰۃ (اُردو)، (۶) رسالہ شجرہ یا ثمرہ (اُردو)، (۷) رسالہ تبیان الشرک (اُردو)

شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی

مولانا شمس الحق ڈیانوی علم وفضل کے اعتبار سے بلند مرتبہ ومقام کے حامل تھے۔آپ مفسر بھی تھے اور محدث بھی۔ مؤرخ بھی تھے اور محقق بھی ، معلم بھی تھے اور متکلم بھی ، عربی و فارسی کے ادیب بھی تھے اور انشاء پرداز بھی۔اللہ تعالی نے غیر معمولی حافظہ کی نعمت سے نوازا تھا۔مطالعہ اور تحقیق کے عادی تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی ذہانت اور قوت فہم عطا کی تھی۔فقہی مذاہب اور ائمہ کے اختلاف و دلائل پر مکمل عبور رکھتے تھے۔حدیث پر ان کو مجتہدانہ بصیرت حاصل تھی۔

مولانا شمس الحق شریف ، متواضع اور ملنسار تھے۔بڑے مہمان نواز ، فیاض ، حلیم الطبع ، اور اہل علم کے قدردان تھے۔مولانا سید عبدالحی الحسنی فرماتے ہیں:

''وہ بڑے حلیم ، متواضع ، شریف ، پاکدامن ، نیک اور عمدہ طور وطریقہ کے مالک اور اہل علم سے محبت کرنے والے تھے۔''

مولوی محمد زبیر ڈیانوی مرحوم لکھتے ہیں:

''وہ علماء اور محدثین اور طلباء سے بڑی محبت کرتے تھے۔راستبازی ، حیا ، سخاوت ، ثقاہت ، دیانت اور امانت وعدالت سے متصف اور جمعہ وجماعت کے پابند تھے۔''

حدیث وسنت کی تائید وحمایت کے لیے پوری طرح کمربستہ رہتے تھے۔اور اس کی معمولی سی مخالفت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔پٹنہ کے ایک غالی اور جاہل مولوی ڈاکٹر عمر کریم نے حدیث ، ائمہ حدیث اور امام محمد بن اسماعیل بخاری اور ان کی عظیم المرتبت کتاب ''صحیح البخاری'' کے خلاف زبان طعن دراز کی اور اس سلسلہ میں کئی کتابیں اور اشتہار شائع کیے تو آپ نے اپنے تلمیذ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی سے عمر کریم پٹنوی کی تمام کتابوں اور

اشتہارات کا جواب لکھوایا۔ اور اس سلسلہ میں ان کی مالی و علمی اعانت بھی کی۔ علاوہ ازیں اس کے بعد جب مولانا شبلی نعمانی نے ''سیرۃ النعمان'' شائع کی جس میں مولانا شبلی نے حدیث پر کچھ اعتراضات کیے۔ تو آپ نے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی سے اس کا جواب لکھوایا۔ جو ''حسن البیان'' کے نام سے شائع ہوا۔ ''حسن البیان'' کا جواب لکھنے کی آج تک کسی تقلیدی عالم کو ہمت نہیں ہوئی۔

آپ نے امام محمد بن اسماعیل بخاری کی عظمت اور ان کی مایہ ناز کتاب ''صحیح البخاری'' کی عظمت اور اس کے مرتبہ و مقام سے متعلق مولانا عبدالسلام مبارکپوری سے ''سیرت البخاری'' لکھوائی۔

مولانا شمس الحق عظیم آبادی کا ایک عظیم کارنامہ کتب کی اشاعت ہے۔ آپ نے امام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، علامہ ذہبی اور حافظ منذری کی ''مختصر السنن'' ابن قیم کی ''تہذیب السنن'' اور علامہ جلال الدین سیوطی کی ''اسعاف المبطاء'' کو تصحیح و تعلیق کے بعد شائع کیا۔

مولانا عظیم آبادی کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ ان کا کتب خانہ برصغیر (پاک و ہند) کے عظیم کتب خانوں میں شمار ہوتا تھا۔ ان کے کتب خانہ میں سینکڑوں عربی و فارسی کی نایاب و نادر مخطوطات کا ذخیرہ جمع تھا۔ علاوہ ازیں حدیث، شرح حدیث کی نایاب کتابیں ان کے کتب خانہ میں موجود تھیں۔

لیکن یہ بیش قیمت کتب خانہ اب باقی نہیں رہا اور یہ کتب خانہ دو حادثوں کا شکار ہوا۔ پہلا حادثہ ۱۹۴۶ء میں پیش آیا جب کہ ڈیانواں کے اطراف میں مسلم کش فسادات سے متاثر ہو کر بہت سے لوگوں نے مولانا کے آبائی مکان میں پناہ لی۔ اور اس موقع پر ان کا قیام کتب خانہ والے کمروں میں بھی ہوا۔ اس وقت بے توجہی کی وجہ سے بہت سی نادر کتابیں ضائع ہو گئیں اور پناہ گزینوں نے اپنا کھانا پکانے میں چولہوں کی نذر کر دیں۔

۱۹۴۷ء میں مولانا عظیم آبادی کے فرزند ارجمند مولوی حکیم محمد ادریس ڈیانوی ڈھاکہ منتقل ہو گئے اور بقیہ کتب خانہ اپنے ساتھ ڈھاکہ لے گئے، وہاں یہ کتب خانہ ۱۹۷۱ء کی

بنگلہ دیش تحریک میں ضائع ہو گیا۔ یہ دوسرا حادثہ تھا اور اس طرح یہ نایاب کتب خانہ پورے کا پورا ضائع ہو گیا۔ حکیم محمد ادریس صاحب ڈھاکہ جانے سے پہلے کافی ذخیرہ خدا بخش لائبریری پٹنہ کے حوالے کر گئے تھے اور وہ ذخیرہ اب تک محفوظ چلا آ رہا ہے۔

مولانا شمس الحق بن شیخ امیر علی ۲۷/ ذی قعدہ ۱۲۷۳ھ مطابق جولائی ۱۸۵۷ء کو رمنہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۱ سال کے تھے کہ ان کے والد شیخ امیر علی نے ۱۲۸۴ھ میں وفات پائی۔ تو ان کی والدہ ان کو لے کر اپنے والد کے پاس ڈیانواں آ گئیں اور یہاں ان کے ماموں مولوی محمد احسن نے آپ کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا۔ چنانچہ مولانا شمس الحق ڈیانوی نے مختلف اوقات میں جن جن اساتذہ کرام سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی ان کے نام یہ ہیں:

① مولانا محمد ابراہیم نگرنہسوی، ② مولوی حافظ اصغر علی رام پوری، ③ مولوی سید راحت حسین بھوی، ④ مولوی عبدالحکیم شیخ پوری، ⑤ مولوی نور احمد ڈیانوی، ⑥ مولانا فضل اللہ لکھنوی، ⑦ مولانا بشیر الدین قنوجی، ⑧ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، ⑨ علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی

۱۳۱۱ھ میں مولانا شمس الحق حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور حرمین شریفین میں آپ نے آٹھ جلیل القدر مشائخ حدیث سے حدیث کی سند و اجازت حاصل کی۔

حرمین شریفین سے واپسی کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور ایک دینی مدرسہ بنام ''دار الحدیث'' کی بنیاد رکھی۔ آپ سے مستفید ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ عرب اور ایران سے بھی طلباء آ کر ان سے اکتساب فیض کرتے تھے۔ مولانا عظیم آبادی طلباء کو کھانا بھی اپنے پاس سے کھلاتے تھے اور کتابیں بھی خود مہیا کرتے تھے۔ ان کا حلقہ درس بہت وسیع تھا۔

ان کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

① مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی (م ۱۳۶۲ھ)

② مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی (م ۱۳۸۱ھ)

③ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی (م ۱۳۶۹ھ)

④ مولانا عبدالحمید سوہدروی (م ۱۳۳۰ھ)

⑤ مولانا فضل اللہ مدراسی (م ۱۳۶۱ھ)

⑥ مولانا شرف الحق اشرف ڈیانوی (م ۱۳۳۶ھ)

⑦ مولانا ابوعبداللہ محمد زبیر ڈیانوی (م ۱۳۲۹ھ)

⑧ مولانا حکیم محمد ادریس ڈیانوی (م ۱۹۶۰ء)

مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے ۱۹ / ربیع الاوّل ۱۳۲۹ھ مطابق ۲۱ / مارچ ۱۹۱۱ء بروز شنبہ ۶ / بجے صبح ۵۶ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَـیْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾

بقول مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی:

"جس وقت دنیا کا آفتاب طلوع ہوا اسی وقت دین کا آفتاب (شمس الحق) غروب ہوا۔"

تصانیف:

① غاية المقصود في حل السنن ابي داؤد (عربی)

② عون المعبود على سنن ابي داؤد (عربی – ۴ جلد)

③ التعلق المغني على سنن الدار قطني (عربی – ۲ جلد)

④ تعليقات على اسعاف المبطا برجال المؤطا (عربی)

⑤ تعليقات على سنن النسائي (عربی)

⑥ رفع الالتباس على بعض الناس (عربی)

⑦ غنية الالمعي (عربی)

⑧ فضل الباري شرح ثلاثيات البخاري (عربی)

⑨ هدية اللوذعي بنكات الترمذي (عربی)

⑩ اعلام اهل العصر باحكام ركعتي الفجر (عربی)

⑪ هداية النجدين الى حكم المعانقة والمصافحة بعد العيدين (اُردو)

⑫ التحقيقات العلیٰ باثبات فريضة الجمعة فی القریٰ (اُردو)

⑬ النور اللّٰه امع فی اخبار صلوٰة الجمعه عن النبی الشافع (اُردو)

⑭ تحفة المجتهدين الابرار فی اخبار صلوٰة الوتر و قيام رمضان على النبی المختار (عربی)

⑮ القول المبين فی الجهر بالتامين والرد على القول المبين (اُردو)

⑯ القول الصحيحة فی احكام النسكيه (فارسی)

⑰ الرساله فی الفقه (عربی)

⑱ تنقيح المسائل (عربی ، فارسی ، اُردو)

⑲ غاية البيان فی حكم الكمال العنبر والزعفران (عربی)

⑳ القول المحقق (فارسی)

㉑ عقود الجمان فی جواز تعليم الكتابة للنسوان (عربی)

㉒ فتویٰ ردتعزیہ داری (اُردو)

㉓ تذكرة النبلاء فی تراجم العلماء (فارسی)

㉔ تفريح المتذكرینؔ فی ذكر كتب المتاخرين (فارسی)

㉕ نهاية الرسوخ فی معجم الشيوخ (عربی)

㉖ سیرت الشیخ المحدث عبداللہ جھاؤمیاں الہ آبادی (اُردو)

㉗ نخبة التواريخ (فارسی)

㉘ المكتوب اللطيف الی لمحدث الشريف (عربی)

㉙ الوجاره فی الاجازة (عربی)

㉚ النجم الوهاج فی شرح مقدمه الصحيح لمسلم بن الحجاج (عربی)
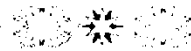
محمد حسین بٹالوی

مولانا محمد حسین بن رحیم بخش ۱۷محرم ۱۲۵۶ھ مطابق ۱۰فروری ۱۸۴۱ء بٹالہ ضلع گورداس پور (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی، اس کے بعد علی گڑھ، لکھنؤ اور دہلی کا سفر کیا۔ دہلی میں مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی، مولانا گلشن علی اور مولانا نورالحسن کاندھلوی سے علوم معقول و منقول، فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۲۸۱ھ میں سند فراغت حاصل کی اور ۱۲۸۲ھ میں تفسیر وحدیث کی تحصیل شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد وطن واپس آئے، اور اپنی مسجد میں بعد نماز فجر درس قرآن شروع کیا۔ آپ کے درس قرآن میں دور دور سے لوگ آکر شرکت کرتے تھے۔

بٹالہ میں آپ نے کافی دیر تک درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے بعد آپ مسجد چینیاں والی لاہور آ گئے اور یہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ لاہور کے قیام میں آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ رمضان میں ۸ رکعت تراویح کی ترویج آپ ہی سے ہوئی۔

۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں آپ نے بٹالہ سے ماہنامہ ''اشاعۃ السنۃ النبویۃ'' جاری کیا۔ جس کا مقصد اسلام اور اہلحدیث مسلک کی اشاعت تھا اور اس کے ساتھ ادیان باطلہ کی تردید۔

مولوی ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی مرحوم لکھتے ہیں کہ:

''جماعت اہل حدیث کا سب سے پہلا رسالہ جس نے کئی سال تک علم و فن کی خدمت کی، عیسائیوں کے الزامات کا جواب دیا اور مرزائے قادیان کی ''کفرہ'' کا استیصال کیا۔''

پروفیسر محمد مبارک لکھتے ہیں کہ:

"اشاعة السنه النبوية" کے ذریعے ایک طرف آپ نے نیچریت (سرسید) کے باطل نظریات اور قادیانیت وعیسائیت کا رد کیا اور دوسری طرف مقلدین احناف سے بھی خوب ٹکر لی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ علمائے احناف اہلحدیث پر بے جا تنقید کرتے تھے۔ مثال کے طور پر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم کے دادا مولوی محمد بن عبدالقادر لدھیانوی نے ۶۵-۱۸۶۴ء میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام "انتظام المساجد باخراج اہل الفتن المفاسد" ہے، جس میں موصوف نے نہ صرف اہلحدیث حضرات کے مسجدوں سے اخراج پر زور دیا بلکہ ان کو قتل کرنے تک کا فتویٰ صادر فرمایا۔"

مولانا محمد حسین بٹالوی نے سب سے پہلے قادیانی فتنہ کا سر کچلا۔ اور مرزا قادیانی کو اتنا زچ کیا کہ تاریخ اہلحدیث میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ بقول مولانا ثناء اللہ امرتسری مسلمانوں کی طرف سے قادیانی فتنہ کا دفاع کے علمبردار مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرحوم تھے۔ مولانا بٹالوی مرحوم نے ہندوستان بھر کے علمائے کرام سے فتویٰ حاصل کر کے شائع کیا۔

مولانا محمد حسین بٹالوی تصنیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

① منع البارى فى ترجيح صحيح البخارى
② اسلامی عقائد
③ المفاتيح فى بحث التراويح
④ هدايه الرب للاباحته الضب
⑤ سجدۂ تعظیم
⑥ الاقتصاد فى حكم الشهادة و الميلاد
⑦ البيان فى الرد البرهان

⑧ البرهان الساطع

⑨ المشروع فی ذکر الاقتداء بالمخالفین فی الفروع

⑩ الاقتصاد فی مسائل الجهاد

⑪ پاک و ہند کے علمائے کرام کا اوّلین متفقہ فتویٰ

مولانا محمد حسین بٹالوی نے ۲۹ رجنوری ۱۹۲۰ء کو انتقال کیا۔ ردّ قادیانیت کے سلسلے میں آپ کی علمی اور فکری خدمات کو ہمیشہ اوّلیت حاصل رہے گی۔ برصغیر کی دینی صحافت میں آپ کا نام جلی الفاظ میں لکھے جانے کے قابل ہے۔
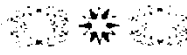
محمد بشیر سہسوانی

مولانا محمد بشیر سہسوانی بن حکیم بدر الدین بے نظیر عالم دین تھے۔ تمام علوم اسلامیہ میں ان کو مکمل دسترس تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ و منطق، تاریخ و سیر، ادب و لغت میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

مولانا سید عبدالحی الحسنی لکھتے ہیں کہ:

''مولانا محمد بشیر علمائے کبار میں سے تھے۔ بہت متقی، پرہیزگار، صالح، صاحب فہم و ذکاء اور جید عالم دین تھے۔ اصول فقہ میں ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

آپ ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حکیم بدر الدین ایک حاذق طبیب تھے۔ اور انہیں شاہان اودھ کے دربار سے ''خان'' کا خطاب ملا تھا۔ دس سال کے تھے کہ ان کے والد نے انتقال کیا اور آپ سہسوان آ گئے۔ اور مولانا سید امیر حسن سہسوانی سے دینی تعلیم کا آغاز کیا۔ اس کے بعد متھرا چلے گئے۔ اور وہاں آپ نے حکیم نور الحسن سہسوانی سے استفادہ کیا۔ مولانا ہدایت اللہ رام پوری سے بھی اکتساب فیض کیا۔ اس کے بعد دہلی تشریف لائے اور حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے تفسیر، حدیث اور فقہ میں تحصیل

کی۔علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے بھی حدیث وسندو اجازت حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد سینٹ کالج آگرہ میں عربی و فارسی کے پروفیسر ہو گئے اور کافی عرصہ آگرہ میں گزارا۔اور گھر پر دینی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور کئی حضرت نے آپ سے استفادہ کیا۔

۱۲۹۵ھ کے شروع میں آپ آگرہ کالج سے علیحدہ ہوکر بھوپال چلے آئے اور محی السنہ مولانا سید نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے بھوپال میں دینی مدارس کا نگران مقرر کیا اور اس کے ساتھ تعلیم وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور وعظ وتبلیغ بھی فرماتے تھے۔

بھوپال کے زمانہ قیام میں مرزا قادیانی نے حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کو مناظرہ کا چیلنج کیا۔حضرت میاں صاحب پیرانہ سالی کی وجہ سے بہت کمزور ہو چکے تھے۔آپ نے بھوپال سے مولانا محمد بشیر سہسوانی کو مرزا قادیانی سے مناظرہ کے لیے بلایا۔چنانچہ مولانا محمد بشیر بھوپال سے دہلی تشریف لے گئے اور مرزا قادیانی سے "حیات مسیح" پر آپ کا تحریری مناظرہ ہوا۔

مولوی ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی مرحوم لکھتے ہیں کہ:

"مرزا قادیانی نے مناظرہ میں تاویلات کے دروازے کھول دیے مگر مولوی صاحب کے بے پناہ استیلائے دلائل کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہنے لگا۔جس سے تنگ آ کر آپ (مرزا صاحب) اسٹیشن دہلی پر اپنے خسر کے استقبال کا حیلہ کر کے باہر نکلے اور پھر لوٹ کر دہلی میں قدم نہ رکھا۔"

بھوپال کے علاوہ مولانا محمد بشیر سہسوانی نے مدرسہ علی جان دہلی اور سہسوان میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔ان کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔تاہم مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی،مولانا ابوسعید شرف الدین محدث دہلوی،مولانا سید اقتدار احمد سہسوانی اور مولانا محمد اسماعیل انصاری سہسوانی۔

تصانیف:

مولانا محمد بشیر سہسوانی کی ساری زندگی درس وتدریس میں گزری۔تاہم تصنیف وتالیف

کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

① البرهان العجاب فی فرضية ام الكتاب

② ايام السفر

③ القول المحمود فی رد جواز السود

④ رساله فی اثبات البيعته المروجه

⑤ صيانة الانسان عن وسوسة الشيخ دحلان (عربی)

⑥ رساله مختصرا لقول المحكم فی زيارة القبر الحبيب الاكرام

⑦ القول المنصور

⑧ اتمام الحجه علی من اوجب الزيارة كالحجة المعروف به السعی الشكور

⑨ الحق الصريح فی اثبات حياة المسيح (اُردو)

یہ کتاب اس مناظرہ کی روئداد ہے جو مرزا قادیانی سے بمقام دہلی بعنوان ''حیات مسیح'' ہوا تھا۔

یہ مناظرہ کتابی شکل میں ۱۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۳۰۹ھ میں مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوا تھا۔ راقم نے اس کتاب کو مولانا عبدالمجید سوہدروی کے کتب خانہ میں بیٹھ کر مطالعہ کیا ہے۔

مولانا محمد بشیر سہسوانی علم و فضل کے آفتاب تھے۔ آپ نے دہلی میں ۲۹ رجمادی الاولی ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۹ رجون ۱۹۰۸ء انتقال کیا اور اپنے استاد حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کے پہلو میں شیدی پورہ کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔

حافظ عبدالمنان وزیرآبادی

اُستاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان وزیرآبادی بن شرف الدین ۱۲۶۷ھ میں قصبہ

کرولی تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ ۹ رسال کی عمر میں نزول الماء کے عارضے سے مکفوف البصر ہو گئے۔ آپ نے حصول تعلیم کے سلسلہ میں گجرات کاٹھیاوار، سورت، بمبئی اور بھوپال کے سفر کیے۔

آپ نے جن اساتذہ سے علوم آلیہ وعالیہ میں تعلیم حاصل کی ان کے نام یہ ہیں:

مولوی برہان الدین ہتاروی، مولوی قل احمد چکوی، مولانا محمد مظہر نانوتوی، مولانا عبدالجبار ناگپوری، مولانا محمد احسن حاجی پوری۔

حدیث کی تحصیل مولانا شیخ عبدالحق بنارسی اور مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے حاصل کی۔ دہلی میں حضرت میاں صاحب کے ہاں ان کے صاحبزادہ مولانا سید شریف حسین دہلوی آپ کے ہم سبق تھے۔

دہلی میں تکمیل کے بعد حضرت سید عبداللہ غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی خدمت میں دو سال رہ کر ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے۔

حافظ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ:

''میری عمر ۲۰ سال کی تھی جب سید عبداللہ غزنوی نے مجھے امرتسر میں درس و تدریس کی مسند پر بٹھایا۔''

امرتسر سے آپ وزیر آباد تشریف لائے اور یہاں ایک دینی مدرسہ بنام ''دارالحدیث'' قائم کیا اور حدیث کا درس دینا شروع کیا۔ آپ کی ساری زندگی درس و تدریس میں بسر ہوئی۔ آپ نے اپنی زندگی میں ۵۰ مرتبہ سے زیادہ صحاح ستہ کا درس دیا۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔

مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی لکھتے ہیں:

" لا اعلم حد فی تلامذہ السید نذیر حسین المحدث الدھلوی اکثر تلامذہ منہ قد ملاء پنجاب بتلامذۃ کانہ ھو۔حافظ الصحاح فی ھذہ العصر "

''میں نے میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگردوں میں کسی کے شاگرد ان سے زیادہ نہیں دیکھے۔ آپ نے پنجاب کو شاگردوں سے بھر دیا۔''

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس زمانے میں صحاح ستہ کے حافظ ہیں۔

حضرت حافظ صاحب کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

(۱) مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری
(۲) مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی
(۳) مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی
(۴) مولانا فقیر اللہ مدراسی
(۵) مولانا قاضی ابوعبداللہ محمد خانپوری
(۶) مولانا عبدالحمید سوہدروی
(۷) مولانا عبدالقادر لکھوی
(۸) مولانا محمد علی لکھوی مدنی
(۹) مولانا عبدالقادر قلعوی
(۱۰) مولانا عبدالعزیز قلعوی
(۱۱) مولانا حافظ محمد گوندلوی
(۱۲) مولانا محمد اسماعیل السلفی

۱۳۲۹ھ میں شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی نے آپ کو پنجاب میں اپنا نائب بناتے ہوئے ان کے سر پر اپنا عمامہ لپیٹا۔

حضرت حافظ صاحب ۱۳۱۹ھ میں حضرت الشیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی سے ملاقات کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت میاں صاحب کی بینائی کچھ کمزور ہو گئی تھی۔ حافظ صاحب السلام علیکم کہہ کر حضرت میاں صاحب کے سامنے بیٹھ گئے اور حضرت میاں صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت مجھے پہچانا ہے؟ حضرت میاں صاحب نے فرمایا:

''ہاں پہچان لیا ہے۔ تم عبدالمنان وزیر آبادی ہو۔ تم نے اور عبدالجبار غزنوی اور حافظ محمد لکھوی نے پنجاب میں توحید و سنت کی اشاعت و تبلیغ کر کے میرے دل کو ٹھنڈک پہنچائی ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ سے قوی اُمید ہے کہ وہ میری نجات کر دے گا۔ میرا گرتا عبدالجبار غزنوی لے گیا ہے اور یہ میری پگڑی ہے یہ تم لے لو۔''

حضرت حافظ صاحب نے میاں صاحب کی یہ پگڑی سنبھال کر رکھ لی اور آپ نے

وصیت کی تھی کہ یہ پگڑی میرے کفن میں استعمال کی جائے۔ چنانچہ یہ پگڑی آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے کفن میں استعمال ہوئی۔

علم وفضل کے اعتبار سے حافظ عبدالمنان بلند مرتبہ و مقام کے حامل تھے۔ مولانا سید عبدالحی الحسنی فرماتے ہیں:

"آپ کو لغت اور نحو پر کامل دستگاہ تھی۔ رجال کی جرح وتعدیل، ان کے طبقات اور تمام فنون حدیث پر کامل دسترس تھی۔ آپ کو احادیث میں عالی و نازلی اور صحیح و ضعیف کے علاوہ قرآن وحدیث کے متن بھی ازبر تھے۔"

مولانا حافظ عبدالمنان نے ۱۶ر رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۶ر جولائی ۱۹۱۶ء وزیر آباد میں انتقال کیا۔ آپ کے سمدھی مولانا ابوعبداللہ عبیداللہ غلام حسن سیالکوٹی (استاد علامہ محمد اقبال) نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبرستان پرانی چونگی سیالکوٹ روڈ میں سپرد خاک کیے گئے۔

مولانا ثناءاللہ مرحوم نے اس دن فرمایا کہ آج اس زمانہ کا "امام بخاری" اس دنیائے فانی سے چلا گیا ہے۔

حافظ عبداللہ غازی پوری

مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری بلند پایہ عالم دین اور محدث تھے۔ جن کی ذات پر علم کو فخر اور عمل کو ناز تھا۔ تدریس ان کے دم سے زندہ تھی۔ جن کے بارے میں شیخ الکل حضرت مولانا محمد نذیر حسین محدث دہلوی فرمایا کرتے تھے:

"میرے درس میں دو عبداللہ آئے ہیں۔ ایک عبداللہ غزنوی اور دوسرے عبداللہ غازی پوری۔"

مولانا حافظ عبداللہ علوم اسلامیہ کے بحر ذخار تھے۔ تمام علوم میں ان کو ید طولیٰ اور

مہارت حاصل تھی۔ تفسیر، حدیث، اصول فقہ، لغت وادب، تاریخ وسیر، اسماء لرجال، فلسفہ ومنطق، کلام اور صرف ونحو میں ان کو مکمل دستگاہ تھی۔

علمی تبحر کے ساتھ زہد وتقویٰ سے بدرجہ کمال متصف تھے۔ بڑے عابد، زاہد، متقی اور پرہیز گار تھے۔ عبادت وریاضت، امانت ودیانت، عدالت وثقاہت اور حفظ وضبط میں اعلیٰ مرتبہ ومقام پر فائز تھے۔ مولانا عبدالحی الحسنی فرماتے ہیں کہ:

"آپ سربرآوردہ فقیہ تھے اور اس قدر تبحر علمی کے باوجود اور درس وتدریس میں اس قدر مشغول ہونے کے باوصف وہ نہایت متقی اور پرہیز گار تھے۔"

مولانا حافظ عبداللہ بن عبدالرحیم بن دانیال ۱۲۶۱ھ میں مئو ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۲ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور اس کے بعد اپنے وطن میں مولوی محمد قاسم مئوی سے تعلیم کا آغاز کیا اور چند ہی کتابیں پڑھی تھیں کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ تحریک آزادی (انگریزوں نے اس کو غدر کا نام دیا) رونما ہوا۔ اس کی زد میں مئو بھی آ گیا۔ چنانچہ آپ کے والد عبدالرحیم صاحب مئو سے نقل مکانی کر کے غازی پور آ گئے۔

جب ذرا سکون ہوا تو آپ کو مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور میں داخل کرا دیا گیا۔ یہاں آپ نے بانی مدرسہ چشمۂ رحمت مولانا رحمت اللہ لکھنوی اور مولانا محمد فاروق چریا کوٹی سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد آپ جون پور چلے گئے اور وہاں آپ نے مولانا محمد یوسف فرنگی محلی سے فقہ، اصول فقہ اور بقیہ نصاب کی کتابیں پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ جون پور سے آپ دہلی تشریف لائے اور شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تحصیل کی اور سند حاصل کی۔

۱۲۹۷ھ میں حافظ عبداللہ غازی پوری حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے حج کی سعادت حاصل کی اور اس کے ساتھ علامہ شوکانی کے تلمیذ شیخ عباس یمنی سے حدیث کی سند واجازت حاصل کی۔

حج سے واپسی کے بعد آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور جس مدرسہ سے

آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز کیا تھا یعنی مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور وہاں آپ مدرس مقرر ہوئے اور سات سال تک اس مدرسہ میں تدریس فرمائی۔ ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء آپ غازی پور سے مولانا حافظ ابراہیم آروی کے مدرسہ احمدیہ آرہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے ۲۰ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں اور ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۶ء آپ نے مدرسہ احمدیہ آرہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور دہلی کو مسکن بنایا۔ دہلی میں آپ نے ۸ برس تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور سینکڑوں طلباء آپ سے مستفیض ہوئے۔

حافظ عبداللہ غازی پوری کی ساری زندگی تدریس میں بسر ہوئی۔

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

"مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری نے درس و تدریس کے ذریعہ بہت زیادہ خدمت کی اور کہا جا سکتا ہے کہ مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کے بعد درس کا اتنا بڑا حلقہ اور شاگردوں کا مجمع ان کے سوا کسی اور کو ان کے شاگردوں میں نہیں ملا۔"

حافظ صاحب کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا محمد سعید محدث بنارسی، مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری، مولانا عین الحق پھلواروی، مولانا عبدالسلام مبارکپوری، مولانا عبدالرحمٰن بقا غازی پوری، مولانا عبدالمنان وفا غازی پوری، مولانا ابوالنعمان، عبدالرحمٰن آزاد مئوی، مولانا ابوبکر محمد شیث جون پوری، مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی۔

مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

① البحر المواج فی شرح مقدمة الصحیح المسلم الحجاج (عربی)
② علم غیب کا فتویٰ
③ رکعات التراویح

(۴) مسئلہ زکوۃ

(۵) الحجة الساطعه فی بیان البحیرہ والسائبہ

(۶) قانون مسجد

(۷) فتویٰ مال زانیہ بعد توبہ

(۸) ابراء اهل الحدیث والقرآن لما فی جامع الشواهد من التهمته والبهتان

(۹) جواب المجتهدین لرد المعتدین

(۱۰) سیرة النبی ﷺ

(۱۱) فصول احمدی (علم صرف میں)

(۱۲) منطق

(۱۳) تسہیل الفرائض (علم میراث میں)

(۱۴) النحو (علم نحو میں)

(۱۵) زکوۃ کا فتویٰ

حافظ صاحب دہلی میں تدریس پر مامور تھے کہ ان کے ایک عزیز لکھنؤ میں انتقال کر گئے اور اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ گئے۔ آپ ان یتیم بچوں کی نگہداشت کے لیے دہلی سے لکھنؤ چلے گئے۔ بالآخر یہیں آپ کا پیمانہ عمر لبریز ہو گیا اور چند دن بیمار رہ کر ۱۷ر صفر ۱۳۲۷ھ مطابق ۲۶ر نومبر ۱۹۱۸ء انتقال کیا اور عیش باغ کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔
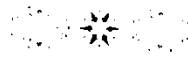
قاضی محمد سلیمان منصور پوری

مولانا قاضی محمد سلیمان منصوری پوری بن قاضی احمد شاہ ایک جلیل القدر سیرت نگار، مفسر، مؤرخ، مناظر، زاہد و عابد، متقی، پرہیز گار، محقق، دانشور، نقاد، مصنف، مقرر، شاکر،

متواضع، با اخلاق، باکردار، صاحب فہم وبصیرت، صاحب کمال وکرامات، وسیع المطالعہ، وسیع المعلومات اور وسیع العلم تھے۔

آپ کا مولد ومسکن ریاست پٹیالہ کا ایک قصبہ منصور پور تھا۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان کی نظر وسیع تھی تورات وانجیل کے بھی مبصر عالم تھے۔ ریاست پٹیالہ میں سیشن جج کے عہدہ پر تعینات تھے۔ ان کی تمام ملازمت دیانت، تقویٰ اور عدل وانصاف کی منہ بولتی تصویر تھی۔ ان میں تعصب بالکل نہیں تھا۔ بڑے وسیع الظرف، حلیم الطبع اور شریف النفس انسان تھے۔

مذہب اسلام کے سچے شیدائی، توحید وسنت کے علمبردار اور شرک وبدعت کے قاطع تھے۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان کو مکمل دسترس تھی۔ بڑے حاضر جواب تھے۔ مسائل کی تحقیق میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری مرحوم لکھتے ہیں کہ:

''ایک دن مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کے ''المکتبۃ السلفیہ'' شیش محل روڈ لاہور میں مولانا عطاء اللہ مرحوم کی موجودگی میں میں نے غازی محمود دھرم پال کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کوئی مسلمان عالم میرے سامنے آنے کا یارانہ رکھتا تھا۔ کوئی بڑی سے بڑی علمی شخصیت میرے سامنے دم نہ مار سکتی تھی، تمام علماء مجھ سے پٹ چکے تھے۔ لیکن ایک عالم کے اخلاق اور ایک کے اخلاص نے مجھے دوبارہ حلقہ بگوش اسلام بنایا اور میرا نام غازی محمود دھرم پال رکھا گیا۔ اس اجمال کی مختصراً تفصیل یہ ہے کہ میں لدھیانہ میں سخت بیمار ہوگیا۔ امرتسر سے شیر پنجاب مولانا ثناء اللہ امرتسری میری عیادت کے لیے لدھیانہ پہنچے اور واپسی کے وقت نہایت خاموشی سے میرے تکیہ کے نیچے پانچ سو روپے رکھ گئے۔ میں نے اسلام کے بارے میں علمائے کرام کو ایک سوالنامہ بھیجا، ان میں علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری بھی شامل تھے، کسی نے مجھے جواب نہ دیا۔ قاضی محمد سلیمان کو جب یہ سوالات ملے تو پوری رات جاگ کر جوابات مکمل کیے۔ گھر والوں نے کہا کہ قاضی صاحب رات

کا وقت ہے، آرام فرمائیں! آپ نے فرمایا: یہ میرا بھائی دھرم پال میرا خط جانے سے پہلے فوت ہو گیا تو اس کے مسلمان نہ ہونے کی ذمہ داری سب سے زیادہ مجھ پر عائد ہو گی۔ دوسرے دن قاضی صاحب کا مفصل جواب مجھے مل گیا۔ جس کی وجہ سے میں دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ ان کا جواب ''استقامت'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ یہی دو شخصیتیں ہیں جو مجھے دوبارہ اسلام کے دائرہ میں واپس لائیں۔''

مولانا قاضی محمد سلیمان منصوری پوری دو بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، دوسری بار آپ نے ۱۹۳۰ء میں حج کیا۔ قاضی صاحب شعر و سخن سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے تھے۔ ایک بار آپ نے شعر میں پیش گوئی فرمائی:

تودۂ خاک[1] کو مت جانیو تربت میری
میرا مرقد میرے احباب کے سینے ہوں گے

آپ کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی۔ ۱۹۳۰ء میں جب آپ دوسری بار حج بیت اللہ سے واپس آرہے تھے کہ جہاز میں آپ نے انتقال فرمایا۔ مولانا سید اسماعیل غزنوی بھی اسی جہاز سے واپس آرہے تھے۔ انہوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ کی لاش کو سمندری لہروں کے حوالہ کر دیا گیا۔ میرے ایک بزرگ حاجی عبدالکریم صاحب ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر بھی اسی جہاز سے بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہو کر اسی جہاز سے واپس آرہے تھے۔ انہوں نے کئی بار راقم کو یہ واقعہ سُنایا ہے:

''میں نے بھی قاضی صاحب کا جنازہ پڑھا تھا، اور جب آپ کی نعش کو سمندری لہروں کے حوالہ کیا گیا تو بڑی بڑی مچھلیاں قریب آکر واپس ہو جاتی تھیں۔ حالانکہ دوسرے کئی آدمی جہاز میں انتقال کر گئے۔ جب ان کی نعشوں کو سمندری لہروں کے حوالہ کیا جاتا تو مچھلیاں فوراً اس نعش کو نگل جاتیں۔ لیکن قاضی صاحب کی نعش کے قریب آکر واپس ہو جاتیں۔ جہاں تک انسان کی نگاہ جاتی ہے ہم

نے دیکھا کہ مچھلیاں قریب آ کر واپس ہو جاتیں۔"
اور یہ سب کچھ ان کی کتاب "رحمۃ للعالمین" کے طفیل تھا کہ مچھلیوں نے سیرت نگار کا احترام کیا۔

مولانا قاضی محمد سلیمان جامع الکمالات اور صاحب کرامات تھے۔ مولانا حکیم محمد عبداللہ آف منڈی جہانیاں لکھتے ہیں کہ:

"قاضی صاحب جب دوسری بار حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے اور مدینہ طیبہ میں قیام پذیر تھے اور ایک دن مسجد نبوی سے نماز پڑھ کر نکل رہے تھے اور مسجد نبوی کے امام صاحب بھی آپ کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ جب قاضی صاحب جوتی پہننے لگے تو امام صاحب نے آپ کی جوتیاں سیدھی کیں۔ قاضی صاحب نے امام صاحب سے فرمایا: حضرت آپ کیا کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ امام صاحب نے جواب میں فرمایا کہ آپ کو اس بات کا علم نہیں کہ میں نے یہ کام کس کے حکم پر کیا ہے۔ آج رات مجھے آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی ہے اور آپ نے مجھے فرمایا: دیکھو! قاضی سلیمان میرا مہمان ہے، اس کی تکریم کرنا۔"

قاضی صاحب کے انتقال پر علامہ سید سلیمان ندوی نے "معارف اعظم گڑھ" میں لکھا:

"وہ مشرقی عالم و فاضل جس کی موت پر ہم کو ماتم کرنا ہے، وہ قاضی محمد سلیمان منصوری پور سابق جج پٹیالہ اور سیرت کی مشہور کتاب "رحمۃ للعالمینؐ" کے مصنف ہیں۔ وہ علم و عمل، زہد و تقویٰ، کمال اور فضل و ورع دونوں کے جامع تھے۔ روشن دل و دماغ تھے۔ ان کے جدید و قدیم خیالات حد اعتدال پر تھے۔ عربی زبان اور علوم دین کے متبحر عالم تھے۔ توراۃ و انجیل پر فاضلانہ نگاہ رکھتے تھے۔ غیر مسلموں سے مناظرہ کے شائق تھے۔ مگر ان کے مناظرہ کا طرز سنجیدگی، متانت اور عالمانہ وقار کے ساتھ تھا۔ مسلکاً اہلحدیث تھے۔ مگر اماموں اور

مجتہدوں کی دل سے عزت اوران کی محنتوں اور جانفشانیوں کی پوری قدر کرتے تھے۔''

قاضی صاحب نے حج بیت اللہ سے واپسی میں جہاز میں دم توڑا۔آہ اس بحرِ ہستی میں خدا جانے کتنے جہاز ڈوبے اور ڈوبیں گے۔

دریں بحر کشتی فروشد ہزار
کہ پیدا نہ شد تختۂ برکنار

قاضی صاحب برصغیر کی ملی وقومی تحریکات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ندوۃ العلماء کے دیرینہ رکن تھے۔آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس سے بھی وابستہ رہے اور ۱۹۲۷ء کی سالانہ کانفرنس آگرہ میں آپ نے صدارت بھی فرمائی۔

انجمن اہلحدیث پنجاب سے بھی وابستہ رہے۔۱۹۲۸ء کے انتخابات میں آپ کو صدر منتخب کیا گیا۔اور مولانا عبدالمجید سوہدروی ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے تھے۔

تصانیف:

قاضی محمد سلیمان بہت عمدہ مصنف بھی تھے۔آپ نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں۔آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

۱۔ الجمال والکمال (تفسیر سورۃ یوسف)
۲۔ خصائص القرآن
۳۔ اسماء الحسنیٰ
۴۔ مسح الجوارب
۵۔ معراج المؤمنین
۶۔ تبیان الاسلام
۷۔ خطبات سلمان
۸۔ اصحاب بدر
۹۔ سفرنامہ حجاز موسوم بہ سبیل الرشاد
۱۰۔ ایک پادری کے آٹھ سوالوں کا جواب
۱۱۔ برہان
۱۲۔ استقامت
۱۳۔ انجیلوں میں خدا کا بیٹا
۱۴۔ علمی وتبلیغی خطوط
۱۵۔ قرآن، توراۃ اور انجیل میں باہمی نسبت
۱۶۔ غایۃ المرام

۱۷ تائید الاسلام
۱۸ مکاتیب سلیمان
۱۹ سید البشر
۲۰ اسوۂ حسنہ
۲۱ مہر نبوت
۲۲ رحمۃ للعالمین (۳ جلد)
۲۳ تاریخ المشاہیر

احمد اللہ پرتاب گڑھی

مولانا احمد اللہ بن امیر اللہ بن فقیر اللہ علمائے فحول میں سے تھے۔ ان کی ساری زندگی درس و تدریس میں بسر ہوئی۔ آپ موضع مبارکپور ضلع پرتاب گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد امیر اللہ حضرت شاہ محمد یعقوب دہلوی اور مولانا سخاوت علی جون پوری سے فیض یافتہ تھے۔

مولانا احمد اللہ نے جن اساتذہ کرام سے علوم آلیہ و عالیہ میں استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں:

میاں پیر محمد، سید محمد امین نصیر آبادی، مولانا ہدایت اللہ جون پوری، مولانا لطف الرحمٰن بردوانی، مولانا سلامت اللہ جے راج پوری، مولانا زین العابدین جون پوری، مولانا احمد سندھی، مولانا قاضی محمد ایوب بھوپالی، مولانا منیر الدین، مولانا محمد اسحاق، مولانا تلطف حسین بہاری، مولانا عبدالرشید لاہوری، مولانا نظام الدین، مولانا محمد بشیر سہسوانی، شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی، علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی، [سند و اجازۂ حدیث] شیخ محمد بن عبداللطیف بن ابراہیم بن حسن نجدی، مولانا شمس الحق ڈیانوی، مولانا قاضی محمد مچھلی شہری۔

تکمیل تعلیم کے بعد اپنی زندگی تدریس کے لیے وقف کر دی اور مسلسل ۲۰ سال تک مدرسہ علی جان دہلی میں تدریس فرماتے رہے۔

دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے قیام پر اس کے پہلے شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور مدت تک آپ اس مدرسہ میں تدریس فرماتے رہے۔

ان کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔

مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولوی عبید اللہ پیغمر پوری، مولوی عبید الرحمٰن پیغمر پوری، مولوی عبدالرؤف مرشد آبادی، مولوی کبیر الدین ڈھاکہ، مولوی عطاء اللہ گورداسپوری، مولوی عبدالواجد عمر آباد مدراس، مولوی عبدالرؤف جھنڈانگری، مولوی عبیداللہ مبارکپوری۔

مولانا احمد اللہ جب دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں شیخ الحدیث تھے تو مدرسہ کے ماہنامہ ''محدث'' کے نگران بھی تھے۔ اس کے علاوہ اپنا ایک علیحدہ رسالہ ۱۹۲۲ء میں ''تبلیغ السنہ'' جاری کیا جو ایک سال کے بعد بند ہو گیا۔

تصانیف:

مولانا احمد اللہ کی ساری زندگی درس و تدریس میں بسر ہوئی تا کہ تصنیف و تالیف سے بھی غافل نہیں رہے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

① تخریج عسقلانی (اس کتاب میں ہدایہ کی احادیث پر جرح و تعدیل کی روشنی میں بحث کی ہے۔)

② القول المتین فی بیان التامین

③ برھان المھداۃ عن مسئلہ الزکاۃ

④ القول المختصر فی زکوٰۃ العشر

⑤ التامل فی الرد علی رسالۃ التوسل بسید الرسل

⑥ تحفہ تبت من اہل سنت

آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ یہ ہے کہ مولانا محمد بشیر سہسوانی نے مسجد مومن والی دہلی میں خلف الامام کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ آپ نے یہ تقریر کتابی شکل میں ''البرہان العجاب فی فرضیۃ ام الکتاب'' کے نام سے چھپوادی۔

مولانا احمد اللہ نے ۱۳۶۳ھ میں انتقال کیا۔

عبدالتواب ملتانی

مولانا عبدالتواب ملتانی بن مولانا قمرالدین ۱۴ رجمادی الثانی ۱۲۸۸ھ کو ملتان میں پیدا ہوئے۔علوم اسلامیہ کی تحصیل اپنے والد مولانا قمرالدین سے حاصل کی اور حدیث کی تحصیل شیخ الکل مولانا محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد ملتان میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور اس کے ساتھ ذریعہ معاش کے لیے اشاعت کتب کا مشغلہ اختیار کیا۔کتابیں خود بھی چھپواتے اور اسلامی ممالک سے بھی منگواتے۔

کتب حدیث اور خاص کر امام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تالیفات سے آپ کو بہت زیادہ شغف تھا۔

مستحق طلباء کو مفت کتابیں فراہم کرتے تھے اور جو علماء کتابوں کی خریداری میں یک مشت رقم نہ دے سکتے تھے ان سے قسطوں میں وصول کرتے تھے اور کبھی آپ نے کتابوں کا حساب نہیں رکھا تھا۔ہر خریدار پر بھروسا کرتے تھے۔

مولانا عبدالتواب بڑے فاضل و عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سادہ مزاج، کم سخن، ملن سار، زہد و ورع کا پیکر، حلیم الطبع، شریف النفس، متواضع، بردبار اور متبع سنت تھے۔

آپ ایک جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ مصنف بھی تھے۔آپ کی بیشتر تصانیف عربی میں ہیں۔تفسیر، حدیث اور فقہ پر مکمل عبور تھا۔

آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

① ترجمہ اُردو شرح بخاری (۸ پارے)

② ترجمہ حواشی بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام (اُردو)

③ تعلیق حاشیہ صحیح مسلم ابی الحسن سندھی (عربی)

④ حاشیہ تحفۃ الودود باحکام المولود (عربی)

⑤ تعلیق مشکوٰۃ المصابیح (عربی)

(۶) تعلیق المصنف ابن ابی شیبہ (عربی)
(۷) تعلیق عون المعبود شرح ابی داؤد (عربی)
(۸) تعلیق مختصر قیام اللیل مروزی (عربی)
(۹) نماز مترجم (اُردو)
(۱۰) الحزب المقبول (اُردو)
(۱۱) الحزب الاعظم (اُردو)
(۱۲) مسند عمر بن عبدالعزیز الاموی (عربی)
(۱۳) شرح حدیث ماذئبان جائعان (ابن رجب) عربی
(۱۴) تعلیقات وحواشی اشارات الی بیان اسماء السبھات
(۱۵) تعلیقات علی کتاب القبل والمعانقہ والمصافحہ لابن الاعرابی (عربی)
(۱۶) حاشیہ صرف بہائی
(۱۷) حاشیہ شرح مائۃ عامل
(۱۸) حواشی تفسیر عزیزی سورۃ مؤمنون

ان کے تلامذہ میں مولانا عزیز زبیدی مشہور عالم دین تھے اور انہوں نے صحیح بخاری کے عربی میں حواشی لکھے ہیں جو منڈی وار برٹن ضلع شیخوپورہ میں ہائی سکول عربی کے اُستاد تھے۔ اور لاہور میں وفات پائی۔

مولانا عبدالتواب نے ۹ رجب ۱۳۶۶ھ کو ملتان میں انتقال کیا۔

ثناء اللہ امرتسری

شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری جیسی جامع کمالات ہستی صدیوں میں کہیں پیدا ہوتی ہے۔

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

مولانا ثناء اللہ پوری ملت اسلامیہ کا مشترکہ سرمایہ تھے۔ وہ بیک وقت مخالفین اسلام کے چوطرفہ حملوں کا جواب دیتے تھے اور فضائے ہندو پاک پر عظمتِ اسلام اور وقار دین محمدی کا پرچم لہراتے تھے۔

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اُٹھایا، اس کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا قلم، شمشیر بے نیام ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بسر کردی۔'' (یادرفتگان)

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ بیک وقت مفسر، محدث اور مقرر تھے۔ دانشور بھی تھے اور نقاد بھی، صحافی بھی تھے اور مبصر بھی، متکلم بھی تھے اور معلم بھی، ادیب بھی تھے اور فن مناظرہ کے تو امام تھے۔ سیاسیات ہند میں اُن کی خدمات آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمہ جہت خوبیوں سے نوازا تھا۔ توکل، زہد و ورع، حلم وصبر، تقویٰ واتقاء، دیانت وامانت، عدالت وثقاہت، متانت وسنجیدگی، حق گوئی و بے باکی، حاضر جوابی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے دینی ومذہبی، قومی وملی اور سیاسی خدمات انجام دیں۔ جن کو آنے والی نسلیں ہمیشہ یاد رکھیں گی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

۱۴ویں صدی ہجری میں اسلامی تحریکات کی نشاۃ وارتقاء میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کا جو نمایاں کردار رہا ہے اور اسلام کے دفاع اور پیغمبر اسلام ﷺ کی ناموس میں جس طرح سرگرم رہے اور دین خالص کی اشاعت، کتاب وسنت کی ترقی وترویج، شرک و بدعت کی تردید وتوبیخ، ادیان باطلہ کا رد اور قومی وملی اور سیاسی خدمات میں آپ کو جو کردار رہا ہے وہ

برصغیر کی اسلامی تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔

تاریخ اہلحدیث کا ایک معتد بہ حصہ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری کی ملی و علمی خدمات کا مرہون منت ہے۔ آپ اپنے وقت کے کامیاب مصلح، ریفارمر، قادرالکلام مناظر ہونے کے علاوہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے عظیم راہنما تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پنجاب کو ایک عظیم مردِ مجاہد عطا فرمایا کہ سرزمین سے ایک جھوٹے نبی کی سرکوبی کے لیے آپ کو پیدا فرمایا۔

ابتدائی حالات:

مولانا ثناء اللہ جون ۱۸۶۸ء مطابق ۱۲۷۷ھ کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام خضر جو تھا۔ سات سال کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ مولانا کے بڑے بھائی کا نام ابراہیم تھا۔ اُنہوں نے رفوگری پر لگا دیا۔ چودہ سال کے ہوئے کہ والدہ نے بھی انتقال کیا۔ اسی سال مولانا ثناء اللہ کو پڑھنے کا شوق ہوا اور مولانا احمد اللہ رئیس امرتسر کے مدرسہ تائید الاسلام میں داخل ہو گئے اور درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

وزیرآباد میں تحصیل علم:

ان دنوں وزیرآباد میں اُستاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی کا درس جاری تھا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسر سے وزیرآباد پہنچے اور اُستاد پنجاب سے تفسیر، حدیث فقہ اور دوسرے علوم میں تحصیل کی۔

وزیرآباد سے دہلی:

وزیرآباد سے مولانا ثناء اللہ تکمیل تعلیم کے بعد دہلی حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور استاد کی سند دکھا کر آپ سے اجازت تدریس حاصل کی۔

دہلی سے سہارنپور اور دیوبند:

دہلی سے مولانا ثناء اللہ سہارن پور مدرسہ مظاہر العلوم میں پہنچے۔ اس مدرسہ میں کچھ

عرصہ قیام کے بعد دیوبند تشریف لے گئے۔ دیوبند میں آپ نے مولانا محمود الحسن (اسیر مالٹا) سے علوم عقلیہ ونقلیہ اور فقہ وحدیث کی تعلیم حاصل کی۔

دیوبند سے کان پور:

دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا ثناء اللہ کان پور مدرسہ فیض عام میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے شیخ الحدیث مولانا احمد حسن کان پوری سے علم معقول و منقول کے علاوہ حدیث میں استفادہ کیا۔

مولانا ثناء اللہ مرحوم لکھتے ہیں:

> ''پنجاب میں مولانا حافظ عبدالمنان مرحوم (اہلحدیث مشرب) میرے شیخ الحدیث تھے۔ دیوبند میں مولانا محمود الحسن اور کان پور میں مولانا احمد حسن استاد العلوم والحدیث میرے شیخ الحدیث تھے۔ (مولانا محمود حسن دیوبند مسلک تھے اور مولانا احمد حسن کان پوری بریلوی مشرب تھے) اس لیے میں نے حدیث کے تینوں اُستادوں سے جو تعلیم سیکھا وہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف تھا۔''

فراغت کے بعد:

کان پور سے فراغت تعلیم کے بعد مولانا ثناء اللہ اپنے وطن امرتسر واپس آئے اور مدرسہ تائید الاسلام میں جہاں سے آپ نے تعلیم کا آغاز کیا تھا درس و تدریس پر مامور ہوئے۔ ان دنوں پنجاب میں اسلام کی مخالفت میں تین گروہ سرگرم عمل تھے۔ عیسائی، آریہ اور قادیانی۔ مولانا ثناء اللہ نے درس و تدریس کا سلسلہ چھوڑا اور تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے۔

تصانیف کی پہلی شاخ (ردّ عیسائیت):

اس وقت عیسائی پادری اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف کتابیں لکھ کر شائع کر رہے تھے۔ مولانا نے سب سے پہلے پادری ٹھاکر دت کی کتاب ''عدم ضرورت قرآن'' کے

جواب میں ''تقابل ثلاثہ'' (تورات، انجیل اور قرآن کا مقابلہ) لکھی۔ اس کے علاوہ مولانا امرتسری نے دوسری کتاب ''جوابات نصاریٰ'' لکھی۔ اس کے بعد عیسائیوں کی طرف سے تین کتابیں شائع ہوئیں، جن کے نام یہ تھے:

① عالمگیر مذہب اسلام یا مسیحیت؟

② دین فطرت اسلام یا مسیحیت؟

③ اصول البیان فی توضیح القرآن

مولانا ثناء اللہ مرحوم نے ان تینوں کتابوں کے جواب میں ''اسلام اور مسیحیت'' لکھی۔ اس کتاب کی اہل علم اور اہل قلم نے بہت تعریف کی اور مولانا امرتسری کو خراج تحسین پیش کیا۔

تصانیف کی دوسری شاخ (تردید آریہ):

آریہ سماج نے بھی ملک میں انتشار پھیلا رکھا تھا۔ آئے دن اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف دل آزار کتابیں شائع کرتے رہتے تھے۔ آریہ سماج کے سوامی دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' کا اُردو ترجمہ شائع کیا جس کے چودھویں باب میں قرآن مجید پر ۱۵۹ اعتراضات کیے۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم نے اس کے جواب میں ''حق پرکاش'' لکھی اور تمام اعتراضات کے مدلل جوابات دیے۔ اس کتاب کا نیا ایڈیشن پروفیسر عبدالجبار شاکر کے ایک فاضلانہ مقدمے کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

اس کے بعد ایک مسلم عبدالغفور مرتد ہو گیا اور آریہ مذہب اختیار کیا اور اپنا نام ''دھرم پال'' رکھا۔ اس نے اپنا مذہب اسلام چھوڑنے پر ''ترک اسلام'' کتاب لکھی۔ اس کتاب کے شائع ہونے پر مسلمانوں میں بڑی بے چینی پھیلی۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم نے اس کے جواب میں ''ترک اسلام'' لکھی۔ اور اس کتاب کے شائع ہونے پر مسلمانوں کو قلبی راحت نصیب ہوئی۔ اس کے بعد دھرم پال نے ''تہذیب الاسلام'' کے نام سے چار جلدوں میں ایک کتاب لکھی۔ مولانا ثناء اللہ نے اس کتاب کا جواب ''تغلیب الاسلام'' کے نام سے چار جلدوں میں دیا۔ اس کے بعد دھرم پال نے ایک اور کتاب ''نخل اسلام'' کے نام سے لکھی۔ مولانا امرتسری نے اس کا جواب ''تبر اسلام'' کے نام سے دیا۔ اس کے بعد دھرم پال نے

چپ سادھ لی تا آنکہ ایک وقت آیا کہ دھرم پال دوبارہ اسلام میں ''غازی محمود دھرم پال'' کے نام سے واپس آ گیا۔

ایک آریہ مبلغ نے ایک کتاب شائع کی جس کا نام تھا ''کتاب اللہ وید ہے یا قرآن'' مولانا ثناء اللہ نے اس کے جواب میں ''کتاب الرحمٰن'' لکھی۔ اس کے بعد آریوں نے ''رنگیلا رسول'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ جس میں رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر ناپاک حملے کیے تھے۔ جس کی وجہ سے مسلمان پریشان ہو گئے۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم نے اس ناپاک کتاب کے جواب میں ''مقدس رسول'' لکھی۔ اس کتاب کے شائع ہونے پر مسلمانوں کو قلبی راحت نصیب ہوئی اور برصغیر کے تمام مسلک کے علمائے کرام نے مولانا ثناء اللہ کو خراج تحسین پیش کیا۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم اپنی اس کتاب کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

تصانیف کی تیسری شاخ (ردّ قادیانیت):

قادیانی فتنہ کے خلاف علمائے اہلحدیث میں سب سے پہلے مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرحوم نے آواز اٹھائی۔ مرزا قادیانی سے مناظرے ومباحثے کیے اور جب تک زندہ رہے اس دجال کو اتنا زچ کیا کہ اس دجال نے مولانا بٹالوی مرحوم کے خلاف ہرزہ سرائی شروع کر دی۔ مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ نے برصغیر پاک و ہند کے تمام مسالک کے علمائے کرام سے مرزا قادیانی کے خلاف پہلا فتویٰ کفر حاصل کر کے شائع کیا کہ مرزا قادیانی اور اس کے پیروکار دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے یہ فتویٰ اپنے استاد شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے حکم پر برصغیر کے علمائے اسلام سے حاصل کر کے شائع کیا اور یہ فتویٰ دجال قادیانی کی وفات (۱۹۰۸ء) سے کئی سال قبل شائع ہوا تھا۔ اس نے ایوان مرزائیت پر ایک زلزلہ برپا کر دیا تھا۔ کیونکہ یہ فتویٰ ایک تو تمام برصغیر پاک و ہند کے علماء کا متفقہ فتویٰ تھا، جس سے قادیانیوں کو سب سے پہلے یہ احساس ہوا کہ اب ان کا رشتہ امت محمدیہ سے بالکل منقطع ہو گیا اور عوام کو گمراہ کرنے کے لیے انہوں نے اسلام کا جو ظاہری لبادہ اوڑھا ہوا ہے وہ جامہ

نفاق اب چاک ہوگیا ہے اور ان کے دام ہم رنگ زمین کی حقیقت آشکار ہوگئی ہے۔

یہ فتویٰ دوسری بار مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے ۱۹۸۷ء میں اپنے اشاعتی ادارہ ''دارالدعوۃ السلفیہ'' شیش محل روڈ لاہور کے زیرِ اہتمام شائع کیا۔

مولانا محمد حسین بٹالوی کے انتقال کے بعد اس فرقہ کی سرکوبی کے لیے اللہ تعالیٰ نے مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری کو پیدا فرمایا۔ آپ نے اس فرقہ اور اس کے بانی دجال قادیانی کو اتنا تنگ اور زچ کیا کہ دجال نے ۱۵/اپریل ۱۹۱۷ء کو ایک اشتہار شائع کیا:

''مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ''

اس اشتہار میں دجال نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ

''مولوی ثناء اللہ نے مجھے بہت تنگ کیا ہے اور میں تیری جناب میں دعا گو ہوں کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے، وہ سچے کی زندگی میں کسی وبائی بیماری میں ہلاک ہو جائے۔''

کوئی خاص وقت تھا، جب یہ دعا مرزا قادیانی کے منہ اور قلم سے نکلی اور قبول ہوگئی۔

چنانچہ مرزا قادیانی اپنے اس اشتہار کے ایک سال ایک ماہ اور بارہ دن بعد لاہور میں اپنے میزبان کے بیت الخلا میں دم توڑ گیا اور مولانا ثناء اللہ نے مرزا قادیانی سے ۴۰ سال بعد ۵/مارچ ۱۹۴۸ء کو سرگودھا میں رحلت فرمائی۔

مولانا ثناء اللہ مرحوم نے قادیانی تحریک کے خلاف تحریری و تقریری جو خدمات انجام دیں، برصغیر کی اسلامی تاریخ میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

مولانا ظفر علی خان مرحوم نے آپ کے قادیانی فتنہ کے خلاف خدمات پر فرمایا تھا:

خدا سمجھائے اس ظالم ثناء اللہ کو جس نے
نہ چھوڑا قبر میں بھی قادیانیت کے بانی کو

مولانا ثناء اللہ مرحوم نے قادیانی فتنہ کے خلاف جو قابلِ قدر خدمات انجام دیں، برصغیر کے تمام مسالک کے علمائے کرام نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم مہتمم

دارالعلوم دیوبند نے ایک مجلس میں مولانا ثناءاللہ مرحوم سے فرمایا تھا کہ ہم لوگ تیس سال تک محنت کریں تو بھی قادیانی فتنہ کے بارے میں اتنی معلومات اور واقفیت حاصل نہیں کر سکتے جتنی معلومات اور واقفیت مولانا ثناءاللہ صاحب کو ہے۔

تصانیف کی چوتھی شاخ (تفسیر نویسی):

مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ نے قرآن مجید کی خدمت میں جو قابل قدر خدمات انجام دی ہیں، وہ ان کا عظیم کارنامہ ہے۔ مولانا امرتسری نے عربی اور اُردو میں تفسیریں لکھیں۔ مولانا امرتسری کے دور میں حسب ذیل فتنے نمایاں تھے:

۱ سر سید اور ان کے رفقاء کی نیچریت (جو معجزات قرآنی اور احادیث نبوی کے انکار کی تحریک تھی)

۲ عیسائی مشنریوں کی خلاف اسلام سرگرمیاں

۳ آریہ سماج کی اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف ناروا قسم کی کتابیں شائع کرنے کی مہم

۴ مرزا غلام احمد قادیانی کی جعلی اور خودساختہ نبوت

۵ مقلدین احناف کا فقہی جمود پر اصرار اور تحریک احیاء عمل بالحدیث کے خلاف ان کی جارحانہ مساعی

۶ شیعہ علماء کی طرف سے اصحاب ثلاثہ خصوصاً اور عام صحابہ کرامؓ کے بارے میں توہین آمیز لٹریچر کی اشاعت

ان سب محاذوں پر مولانا ثناءاللہ مرحوم نے بیک وقت جو چومکھی جنگ لڑی، اللہ تعالیٰ نے ان کو تحریر و انشاء کا سلیقہ، قوت استدلال کا جوہر اور نقد و تحقیق کا خوب ملکہ عطا کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے تفسیر ثنائی اُردو میں اپنے علمی جواہر اور نقد و تحقیق کے موتی بکھیرے۔ چنانچہ آپ کے قلم نے:

❀ رد نیچریت پر بھرپور علمی وار کیا۔

- عیسائیت کی بھی خوب تردید کی۔
- آریہ سماج کی بھی خوب خبر لی۔
- اہل تقلید پر علمی تنقید کی اوران کے غلط نظریات کا قلع قمع کیا۔
- فتنۂ قادیانیت کو بھی آڑے ہاتھوں لیا اور مرزا قادیانی کی نبوت کاذبہ کا استیصال کیا۔
- شیعہ حضرات کے خیالات اوران کے افکار کی بھی علم وتحقیق کی روشنی میں تردید کی ہے۔

تفسیر ثنائی کے بعد عربی زبان میں ''تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن'' لکھی۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ مولانا نے اس میں آیات کی تفسیر آیات ہی سے کی ہے۔ قرآن کے مشکل الفاظ و عبارات کو قرآن ہی سے حل کرنے کی کوشش کی۔ بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ یہ غالباً اسلام میں پہلی تفسیر ہے جو اس اصول پر لکھی گئی ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے۔

تیسری تفسیر عربی میں ''بیان الفرقان علی علم البیان'' لکھنی شروع کی جس کی صرف پہلی جلد سورۂ فاتحہ و سورۂ بقرہ تک شائع ہوئی۔

چوتھی تفسیر مولانا نے تفسیر بالرائے (اُردو) لکھی۔ اس تفسیر میں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے تفاسیر وتراجم قرآن قادیانی، چکڑالوی، بریلوی، شیعہ وغیرہ کی اغلاط کی نشاندہی کی اور اس کے ساتھ ان کی اصلاح بھی کی۔ اس تفسیر کی بھی صرف ایک جلد شائع ہوئی۔

ثنائی اخبارات:

مولانا ثناء اللہ مرحوم نے مختلف ادوار میں تین اخبارات جاری کی۔ جن کے نام یہ ہیں:

① ماہنامہ مسلمان، ② ہفت روزہ اہلحدیث، ③ ماہنامہ مرقع قادیانی

جریدہ مسلمان:

۱۹۰۰ء کے لگ بھگ مولانا امرتسریؒ نے جریدہ ''مسلمان'' جاری کیا۔ یہ جریدہ عامۃ المسلمین کے مفاد و نفع کے لیے شائع کیا گیا۔ اس میں غیر مذاہب کے اسلام پر اعتراضات کا خاص اہتمام سے جواب دیا جاتا تھا اور اس میں تمام مضامین مولانا امرتسری کے اپنے ہی لکھے ہوتے تھے۔ بعد میں اس جریدہ کو ہفتہ وار کر دیا اور یہ اخبار ۱۹۱۴ء تک جاری رہا۔

اخبار اہلحدیث:

ہفت روزہ اہلحدیث مولانا ثناء اللہؒ نے ۱۳؍نومبر ۱۹۰۳ء کو جاری کیا اور یہ اخبار مسلسل چوالیس سال تک جاری رہا۔ اس کا آخری شمارہ ۳؍اگست ۱۹۴۷ء کو شائع ہوا۔ اس اخبار نے اسلام کی اشاعت اور ادیان باطلہ کی تردید میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اس اخبار کے صفحہ اوّل پر یہ شعر لکھا جاتا تھا:

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ برجاں مسلّم داشتن

مرقعِ قادیانی:

یہ ماہوار رسالہ قادیانی دجال مرزا غلام احمد اور اس کے اُمت ضالہ کی تردید میں شائع ہوتا تھا۔ اس رسالہ میں تمام مضامین قادیانیوں کے خلاف شائع ہوتے تھے۔ یہ رسالہ پہلے ۱۹۰۷ء میں جاری ہوا اور بعد میں بند ہو گیا۔ دوبارہ ۱۹۳۲ء میں جاری کیا گیا اور ۱۹۳۴ء تک جاری رہا۔

بعد میں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے اخبار مسلمان اور مرقع قادیانی کو اخبار اہلحدیث میں مدغم کر دیا اور مولانا نے اخبار اہلحدیث کو دین مقدس اور مسلمانوں کو مذہبی و ملی خدمات کا ذریعہ بنا لیا۔

مناظرات و مباحثات:

انگریزی دور کی آخری نصف صدی برصغیر پاک و ہند کی مذہبی دنیا میں بہت زیادہ ہنگامہ خیز رہی ہے۔ اس دور میں عیسائی، آریہ اور قادیانی مبلغین ملک میں دندناتے پھرتے تھے اور سادہ لوح مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے میں کوشاں تھے۔ چنانچہ مولانا ثناء اللہ نے ان تمام گروہوں کے مبلغین کو دعوت مبارزت دی اور ان سے تحریری و تقریری مناظرے کیے اور اسلام کی حقانیت ثابت کی اور سادہ لوح مسلمانوں کو ان کے چنگل سے چھڑایا۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے عیسائیوں، آریوں، قادیانیوں، نیچریوں، شیعوں، منکرین حدیث اور تقلیدیان احناف (بریلوی، دیوبندی) سے تحریری وتقریری مناظرے کیے۔ اگر ان کی تفصیل بیان کی جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ یہاں صرف ان چند مناظروں کا ذکر کیا جاتا ہے جو کتابی شکل میں شائع ہوئے۔

برہان القرآن:

یہ کتاب اس مناظرہ کی روداد ہے جو مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولوی احمد الدین (منکر حدیث) کے مابین "حجیت حدیث" میں ہوا تھا۔ (طبع اوّل ۱۹۳۳ء مطبع وزیر ہند امرتسری صفحات ص:۱۸)

حجیت حدیث اور اتباع الرسول:

یہ کتاب اس مناظرہ کی رُوداد ہے جو مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولوی احمد الدین امرتسریؒ (منکر حدیث) کے مابین ۱۹۲۹ء میں ہوا تھا۔ مولوی احمد دین کا کہنا تھا کہ "نبی کو اصل مطاع بماتحت حکم خدا ماننا شرک ہے" اور مولانا امرتسریؒ کا کہنا ہے کہ "نبی کا اصل مطاع بماتحت حکم خدا ماننا اپنا اور مسلمانان دنیا کا ایمان ہے۔" (طبع اوّل امرتسری:۱۹۲۹ء)

تنقید تقلید:

یہ کتاب اس مناظرہ پر مشتمل ہے جو مولانا ثناء اللہ اور مولانا مرتضیٰ حسن دیوبندی کے مابین مسئلہ "وجوب تقلید شخصی" پر ہوا تھا۔ (طبع اوّل ۱۹۳۶ء مطبع ثنائی برقی پریس امرتسر صفحات:۲۴)

رکوب السفینہ فی مناظرۃ النگینہ:

یہ کتاب اس مناظرہ پر مشتمل ہے جو مولانا ثناء اللہ اور ماسٹر آتمارام (آریہ) کے مابین ۵ارجون ۱۹۰۴ء تا ۱۴رجون ۱۹۰۴ء بمقام نگینہ ضلع بجنور ہوتا رہا۔ (طبع اوّل ۱۹۰۴ء مطبع اہلحدیث امرتسر، صفحات:۲۰۴)

حدوث دنیا:

یہ کتاب اس مباحثہ پر مشتمل ہے جو مولانا ثناء اللہ امرتسری اور لالہ وزیر چند ایڈیٹر ''رسالہ آریہ مسافر ہردوار'' کے مابین ہوا تھا۔ اس میں تکوین عالم اور اس کے قدیم و حادث ہونے پر مفصل بحث ہے۔ (طبع اوّل ۱۹۰۴ء مطبع اہلحدیث امرتسر، صفحات: ۴۲)

مناظرہ جبل پور:

یہ کتاب اس مباحثہ پر مشتمل ہے جو مولانا ثناء اللہ اور مہاشہ دھرم بیر جی آگرہ نواسی کے مابین ۲۱ رمئی تا ۲ رجون ۱۹۱۵ء بمقام جبل پور بعنوان ''توحید فی الصفات اور روح و مادہ حادث ہے یا قدیم؟ (طبع اوّل ۱۹۱۵ء مطبع راجپوت پرنٹنگ لاہور۔ صفحات: ۵۲)

مناظرہ تحصیل دیوریا اہل اسلام و دیانندی آریہ:

یہ کتاب اس مناظرہ کی روداد ہے جو مولانا ثناء اللہ اور پنڈت درشنا نند عرف کریا رام گلرانوی کے مابین مؤرخہ ۱۶ سے ۳۱ اگست ۱۹۰۳ء تک ہوتا رہا۔ موضوع مناظرہ یہ تھا کہ وید اور قرآن میں کون الہامی ہے؟ (مطبع مجتبائی لکھنؤ، صفحات: ۲۹۴)

فتح اسلام یعنی مناظرہ خورجہ:

یہ کتاب اس مناظرہ کی روداد ہے جو مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مہاشہ شانتی سراب اور بابو رام چندر دہلوی کے مابین ۱۹ رمارچ تا ۲۱ رمارچ ۱۹۱۷ء بمقام خورجہ ضلع بلند شہر ہوا۔ یہ مناظرہ اس موضوع پر ہوا تھا ''مذہب حق کی تعریف اور اس کے معیار پر بحث'' (طبع اوّل ۱۹۱۸ء مطبع الیکٹرک امرتسر، صفحات: ۶۶)

مباشہ ناہن:

یہ رسالہ اسی مباحثہ پر مشتمل ہے جو بمقام ناہن مابین مولانا امرتسری اور پنڈت بھوجدت آریہ مسافر ہوا تھا۔ موضوع مناظرہ یہ تھا کہ ''قران مجید الہامی ہے یا وید؟'' اس رسالہ میں سوال و جواب کے عنوان سے فریقین کے دلائل موجود ہیں۔ (مطبع اکبری آگرہ،

صفحات:۸)

فاتح قادیان:

یہ رسالہ اس مناظرہ کی روداد ہے جو مولانا ثناء اللہ امرتسری اور منشی قاسم علی قادیانی کے مابین بمقام لدھیانہ ۱۷/تا ۲۱/اپریل بعنوان مرزا قادیانی کا اشتہار ''مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ'' پر ہوا تھا۔ مولانا امرتسری نے اس مناظرہ میں =/۳۰۰ روپے کی انعامی رقم حاصل کی اور اس مناظرہ کی روداد ''فاتح قادیان'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع کی اور لوگوں میں مفت تقسیم کی۔ (طبع اوّل ۱۹۱۲ء مطبع اہلحدیث امرتسر، صفحات: ۷۰)

فتح ربانی در مباحثہ قادیانی:

یہ کتاب اس مناظرہ کی روداد ہے جو مولانا ثناء اللہ اور قادیانی علماء موِوی فضل دین وکیل اور مولوی شیخ احمد دین کے مابین سکندر آباد حیدر آباد دکن میں ۱۹۲۳ء میں ہوا تھا۔ (طبع اوّل ۱۹۲۳ء مطبع اہلحدیث امرتسر، صفحات: ۲۴)

مناظرہ وزیر آباد:

۱۰/اپریل ۱۹۳۲ء بروز اتوار وزیر آباد میں ایک معرکہ خیز مناظرہ مابین قادیانی مبلغ پروفیسر سلیم اور مولانا ثناء اللہ امرتسری ہوا تھا۔ اس مناظرہ کا موضوع ''صداقت مرزا'' تھا۔ مگر بعد میں اشتہار مرزا کی طرف پھیر دیا گیا۔ اس مناظرہ کی روداد پروفیسر حکیم عنایت اللہ نسیم مرحوم بیان کرتے تھے۔ حکیم صاحب مرحوم نے فرمایا کہ:

> ''صداقت مرزا کے موضوع پر مناظرہ شروع ہوا اور قادیانی مبلغ نے صداقتِ مرزا کے دفاع کی بھرپور کوشش کی، مگر وہ شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ مرحوم کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ آخر مناظرہ کا رخ اشتہار مرزا کی طرف پھیر دیا گیا۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم نے فرمایا: مسیح موعود کی مدت قیام چالیس سال مرزا صاحب بتاتے ہیں مگر خود اٹھارہ سال بعد اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ لہٰذا مرزا صاحب اپنے دعویٰ

کے مطابق جھوٹے ٹھہرے۔ مولانا کی ضرب اتنی شدید تھی کہ قادیانی مناظرہ بوکھلا گیا۔ اثنائے مناظرہ میں مولانا ثناء اللہ حسب معمول اشعار بھی چست کرتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے یہ شعر پڑھا: ؎

عجب مزا ہو کہ محشر میں ہم کریں شکوہ
وہ منتوں سے کہیں کہ چپ رہو خدا کے لیے

اس پر قادیانوں نے اودھم مچادی کہ یہ شعر مناسب نہیں، اور اس معاملہ کو اس قدر طول دیا کہ مولانا ظفر علی خان جو اس مناظرہ میں موجود تھے ان کو حکم تسلیم کیا گیا۔ مولانا ظفر علی خان نے فرمایا کہ:

اس شعر میں کوئی لفظ فحش نہیں، بلکہ اس کا مطلب واضح ہے کہ قیامت کے روز جب محشر کا میدان لگے گا اور مولانا ثناء اللہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر فریاد کریں گے کہ اے اللہ! مرزا قادیانی سے پوچھ کہ اس نے مسلمانوں میں کیوں تفرقہ پیدا کر دیا اور مرزا صاحب مولانا ثناء اللہ کی منتیں کریں گے کہ آپ یہاں خاموش رہیں، کیوں مجھے ذلیل و رسوا کر رہے ہیں۔ مولانا ظفر علی خان کی اس تشریح نے مجمع میں ایک ولولہ و سرور پیدا کر دیا۔ قادیانی مناظر چونکہ نوعمر تھا اس لیے مولانا ثناء اللہ مرحوم اس پر بھی ایک شعر چست کیے بغیر نہ رہ سکے۔ فرمایا: ؎

کچھ جوانی ہے ابھی، کچھ ہے لڑکپن ان کا
دو جفا کاروں کے قبضہ میں ہے جوبن ان کا

اس شعر کا طرفین پر جو اثر پڑ سکتا ہے، بیان کرنے کی ضرورت نہیں، یہ مناظرہ بڑا اثر انگیز تھا۔ اس مناظرہ کے بارے میں مولوی ابوالمحمود ہدایت اللہ سوہدروی نے اخبار اہلحدیث امرتسر میں لکھا کہ:

"ہمارا یقین ہے کہ اس قسم کے دو تین مناظرے مختلف مقامات پر ہو جائیں تو پنجاب سے قادیانیت کا بیج اُکھڑ جائے۔"

جماعتی خدمات:

دسمبر ۱۹۰۶ء میں آرہ (بہار) میں جماعت اہلحدیث کا ایک جلسہ ہوا۔ جس میں برصغیر (پاک و ہند) کے بہت سے علمائے کرام نے شرکت کی۔ اسی اجلاس میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کی تشکیل کی گئی۔ اس کے پہلے صدر مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری اور ناظم اعلیٰ مولانا ثناء اللہ امرتسری کو منتخب کیا گیا تھا اور اس کا مرکزی دفتر دہلی میں قائم کیا گیا تھا۔ کانفرنس کے تعارف اور اس کے منظم اور فعال بنانے کے لیے پورے برصغیر کا دورہ کرنے کے لیے جو وفد ترتیب دیا گا تھا، وہ مندرجہ ذیل تین حضرات پر مشتمل تھا:

① مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، ② مولانا ثناء اللہ امرتسری، ③ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی۔

۱۹۲۰ء میں انجمن اہلحدیث پنجاب کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے پہلے صدر مولانا عبدالقادر قصوری اور ناظم اعلیٰ مولانا ثناء اللہ امرتسری کو بنایا گیا تھا۔ آپ پنجاب اہلحدیث کانفرنس کے ناظم اعلیٰ ۱۹۲۸ء تک رہے۔ ۱۹۲۸ء میں جماعت اہلحدیث کے انتخابات ہوئے تو مولانا قاضی محمد سلیمان منصوری پوری کو صدر اور مولانا عبدالمجید سوہدروی کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ سے تعلق:

۱۸۹۲ء میں مولانا ثناء اللہ مدرسہ فیض عام کان پور سے فارغ ہوئے اور اسی سال مولانا سید محمد علی مونگیری، مولانا لطف اللہ علی گڑھ، مولانا شبلی نعمانی وغیرہ نے ندوۃ العلماء کے قیام کے سلسلہ میں کان پور میں علمائے کرام کا ایک اجلاس طلب کیا۔ اس اجلاس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری شامل تھے اور حاضرین علماء میں سب سے کم عمر تھے۔ مولانا ثناء اللہ ندوہ کی اصلاح کمیٹی کے رکن تھے اور ۱۹۴۷ء تک آپ ندوہ کی مجلس تاسیسی کے رکن رہے۔ ۱۹۱۲ء میں مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان کی دعوت پر ندوہ کو جو اجلاس دہلی میں منعقد ہوا تھا، اس میں ہندوستان کے ہر حصہ کے نمائندے شریک تھے۔ مولانا شبلی کی تحریک پر مولانا ثناء اللہ امرتسری صدر اجلاس قرار پائے تھے، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت تک

مختلف مکاتب فکر کے تمام علمائے کرام کو کس درجہ ان پر اعتماد حاصل تھا، اور ایسے جلسوں میں ان کی شرکت کس قدر ضروری سمجھی جاتی تھی ۔۱۹۱۳ء میں ندوۃ العلماء کے طلباء نے اسٹرائیک کر دی، جس سے پورے ملک میں ایک ہیجان سا پیدا ہو گیا۔ مسلمان زعماء اس سے بہت پریشان ہوئے۔ حکیم اجمل خان اور مولانا محمد علی جوہر وغیرہ نے اس میں دلچسپی لی اور کوشش کی کہ یہ سٹرائیک ختم کرائی جائے، چنانچہ حکیم اجمل خان نے اس سلسلہ میں مسلمان زعماء کو دہلی میں اکٹھا کیا۔ ۱۰ رمئی ۱۹۱۴ء کو مولانا ثناء اللہ امرتسری کی صدارت میں مسلمان زعماء کا ایک اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں صاحبزادہ آفتاب احمد خان، خواجہ غلام الثقلین، حکیم اجمل خان، مولانا ابوالکلام آزاد، مرزا حیرت دہلوی، سید جالب دہلوی اور مولانا عبدالوہاب بہاری وغیرہ نے شرکت کی اور اس اجلاس میں ایک سب کمیٹی بنائی گئی جو دستورالعمل بنائے جس میں کسی کو بلا مشورہ اپنی رائے سے کارروائی کا موقع نہ ملے۔ دستور بنانے کے لیے پیر زادہ محمد حسین پنشنر جج دہلی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ سب کمیٹی کے ارکان یہ تھے:

حکیم محمد اجمل خان، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ثناء اللہ امرتسری، خواجہ غلام الثقلین، نواب علی حسن خان بن مولانا سید نواب صدیق حسن خان، حکیم عبدالولی لکھنؤ اور پیرزادہ محمد حسین نے تین دن میں دستورالعمل بنا کر کمیٹی کے سپرد کر دیا۔

مجلس خلافت:

۱۹۱۹ء میں مجلس خلافت قائم ہوئی اور اس کا پہلا ابتدائی جلسہ لکھنؤ میں منعقد ہوا تھا۔ اس میں برصغیر پاک و ہند کے تمام اکابر و مشاہیر علماء شریک ہوئے تھے۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم نے بھی اس اجلاس میں شرکت کی تھی اور کارکنان مجلس خلافت کو اپنے قیمتی مشوروں سے بھی نوازا تھا۔

جمعیۃ العلماء ہند:

۱۹۱۹ء میں جمعیۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے بانیوں میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا کفایت

اللہ، مولانا آزاد سبحانی، مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے۔ جمعیۃ العلماء ہند کا پہلا اجلاس مولانا ثناء اللہ کی تحریک پر ۲۱ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو مسلم ہائی سکول امرتسر میں مولانا عبدالباری کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں جمعیۃ العلماء ہند کی مجلس منتظمہ کا انتخاب کیا گیا جس کی تعداد ۲۳ تھی۔ ۲۳ ارکان میں سات علمائے اہلحدیث شامل تھے، جن کے نام یہ ہیں:

① مولانا محمد فاخر الہ آبادی، ② مولانا سلامت اللہ جیراجپوری، ③ مولانا محمد اکرم خان، ④ مولانا منیر الزمان خان، ⑤ مولانا ثناء اللہ امرتسری، ⑥ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، ⑦ مولانا سید محمد داؤد غزنوی۔

قومی وملی خدمات:

دسمبر ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے صدر مجلس استقبالیہ مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے۔ آپ نے ایک جامع وعلمی اور تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔

ہجرت:

۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری ۱۳ر اگست ۱۹۴۷ء کو ہجرت کر کے لاہور تشریف لائے اور ملک کی آزادی میں اپنے اکلوتے بیٹے مولوی عطاء اللہ کی قربانی دے کر لاہور تشریف لائے۔ لاہور میں کچھ دن قیام کے بعد گوجرانوالہ مولانا محمد اسماعیل السلفی مرحوم کے ہاں ٹھہرے اور جنوری ۱۹۴۸ء میں گوجرانوالہ سے سرگودھا تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کو ثنائی برقی پریس کے عوض ایک پریس الاٹ ہوا تھا۔

وفات:

بیٹے کی شہادت اور قیمتی کتب خانہ کی بربادی سے آپ بہت نڈھال ہو گئے تھے اور ان صدمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۳ر فروری ۱۹۴۸ء کو آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور سوا مہینہ بعد

۱۵ر مارچ ۱۹۴۸ء کو صبح علوم اسلامیہ کا درخشاں آفتاب سرگودھا کی سرزمین میں ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

﴿ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ﴾

تصانیف:

مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم نے مختلف موضوعات پر جو کتابیں تصنیف فرمائیں، ان کی مکمل فہرست مندرجہ ذیل ہے:

(۱) ترجمہ قرآن مجید معروف بہ ثنائی ترجمہ، (۲) بارہ سورہ شریف ترجمہ ثنائی، (۳) قرآنی قاعدہ ثنائیہ، (۴) تفسیر ثنائی (۸ جلد)، (۵) برہان التفاسیر برائے اصلاح سلطان التفاسیر، (۶) مقدمہ تفسیر آیات متشابہات، (۷) تفسیر بالرائے (جلد اوّل)، (۸) بطشِ قدیر برد قادیانی تفسیر کبیر، (۹) تفسیر سورۂ یوسف اور تحریف بائبل، (۱۰) تشریح القرآن، (۱۱) تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن، (۱۲) بیان الفرقان علیٰ علم البیان (عربی)، (۱۳) مئتہ ثنائیہ یعنی صد احادیث، (۱۴) اربعین ثنائیہ، (۱۵) خصائل النبی ﷺ، (۱۶) تعلیم القرآن، (۱۷) عزت کی زندگی، (۱۸) علم غیب کا مسئلہ، (۱۹) شمع توحید، (۲۱) فاتحہ خلف الامام، (۲۲) آمین و رفع الیدین، (۲۳) رہبر حجاج، (۲۴) حیات مسنونہ، (۲۵) اسلام کیا چاہتا ہے؟، (۲۶) ہدایۃ الزوجین، (۲۷) رسوم اسلامیہ، (۲۸) معقولات حنفیہ، (۲۹) فیصلہ آرہ، (۳۰) فتاویٰ ثنائیہ، (۳۱) اہلحدیث کا مذہب، (۳۲) تہذیب، (۳۳) السلام علیکم، (۳۴) شریعت اور طریقت، (۳۵) الکلام المبین فی جواب الاربعین، (۳۶) فصل قضیۃ الاخوان علیٰ ید السلطان (یعنی امرتسری اور غزنوی نزاع کا فیصلہ)، (۳۷) تقابل ثلاثہ، (۳۸) تغلیب اسلام (۴ جلد)، (۳۹) الہامی کتاب، (۴۰) القرآن العظیم، (۴۱) قرآن اور دیگر کتب، (۴۲) حق پرکاش بجواب ستیارتھ پرکاش، (۴۳) کتاب الرحمٰن (جلد اوّل)، (۴۴) دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن، (۴۵) حدیث نبوی اور تقلید شخصی، (۴۶) برہان القرآن، (۴۷) حجیت حدیث اور اتباع

رسول، (۴۸) خاکسار تحریک اور اس کا بانی، (۴۹) دفاع عن الحدیث، (۵۰) برہان الحدیث باحسن الحدیث، (۵۱) بیان الحق بجواب بلاغ الحق، (۵۲) تصدیق الحدیث، (۵۳) صلوٰۃ المؤمنین بجواب رسالہ صلوٰۃ المرسلین، (۵۴) تعلیم الابرار علی تعلیم الجبار، (۵۵) وفاۃ النبی بجواب حیات النبی ﷺ، (۵۶) وہابیت پر بہتان، (۵۷) اہلحدیث کی امانت بجواب وہابیوں کی امامت، (۵۸) تکذیب المفکرین، (۵۹) فقہ اور فقیہ، (۶۰) تقلید شخصی وسلفی، (۶۱) اصلی حنفیت اور تقلید شخصی، (۶۲) اجتہاد و تقلید، (۶۳) علم الفقہ (جلد اوّل)، (۶۴) تنقید تقلید، (۶۵) تقلید شخصی، (۶۶) قلعہ شکن بجواب باطل شکن، (۶۷) اللوامع الالٰہیہ علی الصواعق الالٰہیہ، (۶۸) خطاب بہ مودودی، (۶۹) دکھے دل کی داستان، (۷۰) مظالم روپڑی بر مظلوم امرتسری، (۷۱) رسالہ نافہم مصنف، (۷۲) مقاصد نمازیاں بجواب عقائد نمازیاں، (۷۳) اقتدائے اہلحدیث، (۷۴) ہدایہ اور تقویۃ الایمان، (۷۵) کم علم مصنف، (۷۶) خلافت محمدیہ، (۷۷) خلافت و رسالت، (۷۸) خطبہ صدارت اہلحدیث کانفرنس ۸ تا ۱۰ ردسمبر ۱۹۳۳ء (بہار)، (۷۹) اسلامی تاریخ، (۸۰) سوانح امام بخاری، (۸۱) اسلام اور اہلحدیث، (۸۲) التعریفات النحویہ لافادہ طلبۃ العربیہ (عربی)، (۸۳) ادب العرب (عربی)، (۸۴) کلمہ طیبہ، (۸۵) جوابات نصاریٰ، (۸۶) توحید، تثلیث اور راہ نجات، (۸۷) اسلام اور مسیحیت، (۸۸) اسلام اور پالیٹکس، (۸۹) اسلام اور برٹش لا، (۹۰) مناظرہ الٰہ آباد، (۹۱) حدوث دید، (۹۲) رکوب السفینہ فی مناظرہ النگینہ، (۹۳) حدوث دنیا، (۹۴) الہام، (۹۵) شادی بیوگان اور نیوگ، (۹۶) ترک اسلام، (۹۷) بحث تناسخ، (۹۸) سوامی دیانند جی کا علم و عقل، (۹۹) تبر اسلام، (۱۰۰) مناظرہ جبل پور، (۱۰۱) محمد رشی، (۱۰۲) مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم، (۱۰۳) نکاح آریہ، (۱۰۴) تحریف آریہ، (۱۰۵) اصول آریہ، (۱۰۶) ہندوستان کے دو ریفارمر، (۱۰۷) جہاد دید، (۱۰۸) نماز اربعہ، (۱۰۹) مناظرہ دیو ریا مابین اہل اسلام و دیانندی آریہ، (۱۱۰) فتح اسلام یعنی مناظرہ خورجہ، (۱۱۱) آریوں کے

علمائے اسلام سے ۲۵ سوالات کے فوری جوابات، (۱۱۲) مباحثہ نابھن، (۱۱۳) اظہار حق، (۱۱۴) مرقع دیانندی، (۱۱۵) رجم الشیاطین بجواب اساطین الاولین، (۱۱۶) مجموعہ رسائل متعلقہ بہ دید و قرآن، (۱۱۷) ایشور بھگتی، (۱۱۸) الہامات مرزا، (۱۱۹) صحیفہ محبوبیہ، (۱۲۰) شہادت مرزا، (۱۲۱) فاتح قادیان، (۱۲۲) عقائد مرزا، (۱۲۳) چیستان مرزا، (۱۲۴) مرقع قادیانی، (۱۲۵) زارِ قادیان، (۱۲۶) تاریخ مرزا، (۱۲۷) نکات مرزا، (۱۲۸) محمد قادیانی، (۱۲۹) فیصلہ مرزا، (۱۳۰) ناقابل مصنف مرزا، (۱۳۱) بہاء اللہ اور مرزا، (۱۳۲) علم کلام مرزا، (۱۳۳) عجائبات مرزا، (۱۳۴) اباطیل مرزا، (۱۳۵) تحفہ احمدیہ، (۱۳۶) مکالمہ احمدیہ، (۱۳۷) لیکھرام اور مرزا، (۱۳۸) مراق مرزا، (۱۳۹) نکاح مرزا، (۱۴۰) فتح ربانی درمباحثہ قادیانی، (۱۴۱) فسخ نکاح مرزائیاں، (۱۴۲) شاہ انگلستان اور مرزا قادیانی، (۱۴۳) تعلیمات مرزا، (۱۴۴) ہفوات مرزا، (۱۴۵) ثنائی پاکٹ بک، (۱۴۶) آفتہ اللہ، (۱۴۷) قادیانی مباحثہ دکن، (۱۴۸) عشرہ کاملہ، (۱۴۹) تفسیر نویسی کا چیلنج اور فرار، (۱۵۰) قادیانی نبی کی تحریر فیصلہ کن ہے یا میرا حلف؟، (۱۵۰) فتوحات اہلحدیث، (۱۵۲) مسئلہ حجاز پر نظر، (۱۵۳) سلطان ابن سعود علی برادران اور مؤتمر، (۱۵۴) التحفتہ النجدیہ، (۱۵۵) فقہ دراصل قرآن ہے، (۱۵۶) تفسیر بالروایۃ، (۱۵۷) کلمۃ الحق بجواب شرعۃ الحق، (۱۵۸) پیر جماعت علی شاہ کی قیادت، (۱۵۹) الفوز العظیم، (۱۶۰) ضرورت مسیح، (۱۶۱) عید میلاد کی شرعی حیثیت، (۱۶۲) مباحثہ گوشت خوری، (۱۶۳) کتاب روح، (۱۶۴) آریہ دھرم کا فوٹو، (۱۶۵) حدوث مادہ، (۱۶۶) ثبوت قربانی گاؤ، (۱۶۷) وید کا بھید، (۱۶۸) وید اور سوامی دیانند، (۱۶۹) شدھی توڑ، (۱۷۰) ابدی نجات، (۱۷۱) ویدک ایشور کی حقیقت، (۱۷۲) اخبار مسلمان، (۱۷۳) ہندو، آریہ اور مولانا ثناء اللہ، (۱۷۴) عید میلاد کی شرعی حیثیت۔
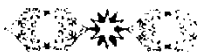
ابوالکلام آزاد

عمر ہا در کعبہ بت خانہ می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ سرآمد روزگار حکیم تھے۔ امراض ملت کے ماہر طبیب تھے۔ علوم قدیم وجدید کی جامع ہستی تھے۔ دنیائے اسلام کے جید عالم تھے۔ وہ فلسفیانہ فکر اور مجتہدانہ دماغ کے حامل تھے۔ جنگ آزادی کے عظیم راہنما تھے۔ استقامت کے پہاڑ تھے۔ عفو وحلم کے پیکر تھے۔ مختلف علوم وفنون کے امام تھے، مجتہد تھے، دانائے راز تھے، مفسر قرآن تھے، محدث تھے، مؤرخ ومحقق تھے، جادو بیان مقرر تھے، شعلہ نوا خطیب تھے، مخلص و بے لوث زعیم تھے۔ ذہانت وذکاوت، فہم وفراست، فکر وتدبر کی گہرائی، دیدہ وری اور نکتہ رسی میں ان کا کوئی معاصر نہ تھا۔ وہ ہندوپاک کے مسلمہ امام تھے۔ علوم اسلامیہ کا بحر ذخار تھے اور علم وفضل کے اعتبار سے اپنے دور میں ان کا کوئی ہم پایہ نہ تھا۔ مولانا ظفر علی خان نے ان کے بارے میں فرمایا تھا: ؎

جہان اجتہاد میں سلف کی راہ گم ہو گئی
ہے تجھ کو اس میں جستجو تو پوچھ ابوالکلام سے

مولانا ابوالکلام سیاست میں ہی عبقری نہ تھے، علم میں بھی کامل اور فلسفہ وکلام کے بادشاہ تھے۔ خطابت میں جلال وجمال کی حسین آمیزش، طرز نگارش والہانہ بھی اور عالمانہ بھی، اس میں نقل بھی اور عقل بھی اور نظم ونثر میں بے مثل، مولانا حسرت موہانی نے سچ فرمایا تھا: ؎

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظم حسرت میں کچھ مزا نہ رہا

مولانا ابوالکلام آزاد جیسی جلیل القدر اور نادرۂ روزگار ہستی اور عہد آفرین شخصیتیں مدتوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ جو افکار وتصورات کی دنیا اور قوموں وملتوں کی زندگی میں انقلاب

پیدا کر دیتی ہیں اور تاریخ کا نیا دور شروع کرتی ہیں اور تعمیر و ترقی کی ہر راہ میں اپنے نقش قدم راہنمائی کے لیے چھوڑ جاتی ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا نام محی الدین احمد تھا۔ تاریخی نام ''فیروز بخت'' ہے۔ ۱۷/ اگست ۱۸۸۸ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں گزرا۔ چودہ سال کی عمر میں جامعہ از ہر مصر سے مشرقی علوم کا نصاب پڑھا۔ اور اس میں اس قدر استعداد پیدا کر لی کہ آپ کا شماران طلباء میں ہونے لگا کہ جن کو اب اسناد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی ادبی زندگی کا آغاز پندرہ سال کی عمر میں ہوا۔ ۲۰/ نومبر ۱۹۰۳ء میں ''لسان الصدق'' کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا۔ مولانا حالی کی نظر سے جب یہ رسالہ گزرا تو انہوں نے اس کی بہت تعریف کی۔ ''لسان الصدق'' مئی ۱۹۰۵ء تک جاری رہا۔ ۱۹۰۵ء میں مولانا ابوالکلام آزاد کی پہلی ملاقات بمبئی میں مولانا شبلی سے ہوئی اور ان کی تحریک پر اکتوبر ۱۹۰۵ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے آرگن ''الندوۃ'' کے سب ایڈیٹر ہوئے۔ مارچ ۱۹۰۶ء میں الندوہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور اپریل ۱۹۰۶ء میں سہ روزہ وکیل امرتسر سے وابستہ ہو گئے اور نومبر ۱۹۰۶ء میں ''وکیل'' امرتسر سے بھی علیحدگی اختیار کر لی اور کلکتہ واپس آ گئے۔ اگست ۱۹۰۷ء میں دوبارہ اخبار ''وکیل'' امرتسر سے وابستہ ہوئے اور ایک سال بعد اگست ۱۹۰۸ء میں ''وکیل'' امرتسر سے استعفادے کر واپس کلکتہ چلے آئے۔

الہلال کا اجراء:

۱۳/ جولائی ۱۹۱۲ء کو اپنا ہفت روزہ اخبار ''الہلال'' کلکتہ سے جاری کیا۔ ''الہلال'' مختلف حیثیتوں سے اس وقت آزاد صحافت میں ایک نیا اور درخشاں باب تھا۔ ''الہلال'' صحیح معنوں میں ہماری سیاسی، صحافتی اور ادبی تاریخ میں سنگ میل ثابت ہوا۔ یہ ہندوستان میں اپنی طرز کا واحد اخبار تھا جو اپنی ترتیب ولوازمہ کے لحاظ سے اس وقت کے انگریزی اخبارات سے لگا کھاتا تھا۔ ''الہلال'' نے اہل علم وقلم کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ اس کی مقبولیت اور شہرت

وعظمت کا سہرا مولانا ابوالکلام آزاد کی نابغۂ روزگار شخصیت کے سر ہے۔ مشہور اہلحدیث عالم اور محقق مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم ومغفور لکھتے ہیں:

''الہلال'' کے مقالات کے ذریعہ آپ نے قدیم علماء کو جو ۱۸۵۷ء کے بعد عام طور پر تدریس وتبلیغ ہی کے ہو کر رہ گئے تھے، پھر سے سیاست کے میدان میں لا کھڑا کر دیا۔ ان کو محسوس کرا دیا کہ سیاست بھی مذہب ہی کا ایک اہم حصہ ہے اور اصحاب سیاست جدید کو بتلایا کہ اصلاً سیاست وہی ہے جو قرآن وحدیث اور خلافت راشدہ کی راہنمائی میں ہو۔'' (ماہنامہ، رحیق مارچ ۱۹۵۸ء)

''الہلال'' عصری صحافت میں محض ایک اور اخبار کا اضافہ نہ تھا بلکہ درحقیقت وہ اپنی ذات میں ایک مستقل علمی وادبی تحریک تھا۔ جس نے طوفان حوادث میں اسلامیان عالم اور بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کی ناخدائی کا فریضہ انجام دیا۔

''الہلال'' محض ایک اخبار نہیں دراصل ایک صور قیامت تھا جس کی ''صدائے رعد آسائے غفلت شکن'' نے مردہ دلوں میں ایک نئی جان ڈال دی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ''الہلال'' کے ذریعہ کلمۂ حق بلند کیا اور جرأت وحق گوئی وراست بازی کی وہ مثال قائم کی جو ہماری صحافت کی تاریخ میں بالکل نئی ہے۔ انہوں نے قرآن کی معرفت اور تفسیری ترجمہ سے اسلام کی سچی تعلیم کے احیاء کی کوشش کی۔

مولانا عطاء اللہ حنیف لکھتے ہیں کہ:

''سرسید کی جو فکری گمراہیاں ''تہذیب الاخلاق'' اور تفسیر قرآن کی بجہ سے انگریزی تعلیم یافتگان میں رواج پا رہی تھیں، اور ان سے ان کے ذہن مسموم ہو رہے تھے، الہلال نے ان کے اثرات زائل کرنے میں بڑا کام کیا۔ اسلامی معاشرت اور تفسیر صحیح کی طرف ان کی راہنمائی کی۔'' (ماہنامہ، رحیق مارچ ۱۹۵۸ء)

''الہلال'' نے بڑے بڑے کہنہ مشق سیاستدانوں کے مذہبی وسیاسی افکار میں زبردست تبدیلی پیدا کی اور ہندوستانی مسلمانوں کے معتقدات میں ایک عظیم انقلاب پیدا

کیا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ اخبار مسلمانان ہند کی انقلابی سیاست کا آئینہ دار تھا۔ مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے ملکی اور بین الاقوامی امور کی آزاد ترجمانی کا شرف اس کو حاصل تھا۔ چنانچہ ترکی کے جدید انقلاب، طرابلس اور بلقان کی لڑائیوں کے واقعات اور پھر جنگ عظیم میں ترکی کی حکمت عملی کے متعلق ''الہلال'' میں طویل بحثیں موجود ہیں۔''

اسی طرح ملکی سیاست میں مسلم لیگ اور کانگرس کے جھگڑے، حقوق و مراعات کے قصے اور انگریزوں کے ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' کی تشریحیں بھی الہلال کے اوراق میں پھیلی ہوئی ہیں۔ تعلیمی معاملات میں ندوہ اور علی گڑھ کی سرگرمیاں اور ان میں سرکار پرستوں کی سیاہ کاریاں بھی الہلال نے اچھی طرح واضح کی ہیں۔ (ابوالکلام آزاد مرتبہ عبداللہ بٹ ص:۹۲)

۱۶ر نومبر ۱۹۱۴ء کو ''الہلال'' حکومت کی طرف سے دس ہزار کی ضمانت جمع نہ کرانے پر بند ہو گیا۔ ۱۳ر نومبر ۱۹۱۵ء کو مولانا آزاد نے ''البلاغ'' جاری کیا جو اپریل ۱۹۱۶ء تک جاری رہا۔ اپریل ۱۹۱۶ء کو حکومت بنگال نے آپ کو صوبہ بدر کر دیا۔

۱۰ر جون ۱۹۲۷ء کو ''الہلال'' دوبارہ جاری ہوا اور ۹ر دسمبر ۱۹۲۷ء کو ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

علمی کارنامے:

مولانا ابوالکلام آزاد علم و فضل کے اعتبار سے اپنے وقت کے ابن تیمیہ تھے۔ ان کا سب سے عظیم کارنامہ ''ترجمان القرآن'' ہے جو مولانا کی تفسیر ہے۔ اس کو تفسیر کی بجائے ترجمہ و حواشی کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ آپ کے بعض حواشی ان کی مفسرانہ بصیرت کے آئینہ دار ہیں۔

مولانا عطاء اللہ حنیف لکھتے ہیں کہ:

''ترجمان القرآن'' مولانا کی بہترین تفسیری یادگار ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا

ہے کہ قرآن حکیم سے آپ کو کس قدر شغف تھا اور کہ قحط علم کے اس دور میں کیسی قرآنی بصیرت آپ کو ودیعت فرمائی گئی تھی۔ تاہم یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ عصری نظریات سے غالباً غیر شعوری تأثر کی وجہ سے اس میں ''الہلال'' اور ''تذکرہ'' جیسا معیار قائم نہ رہ سکا۔'' (ماہنامہ، رحیق مارچ ۱۹۵۸ء)

مولانا ابوالکلام آزاد کا عظیم شاہکار سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے۔ اس میں مولانا کی ادبیت اور خطابت عروج پر ہے اور بلاشبہ یہ مولانا کا عظیم شاہکار ہے۔ مولانا ابوالکلام نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں اللہ کی ربوبیت، اس کی رحمت اور اس کی ہدایت پر جو بحثیں کی ہیں، اس کے مطالعہ سے مولانا آزاد کے علمی تبحر، وسعت مطالعہ اور ذوق تحقیق کا اندازہ ہوتا ہے۔

ترجمان القرآن سورۃ المؤمنون تک دو جلدوں میں لکھی گئی، اس کی پہلی جلد ستمبر ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی جو سورۂ فاتحہ تا سورۂ انعام پر مشتمل ہے۔ اور دوسری جلد اپریل ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی جو سورۂ اعراف تا سورۂ مومنون پر محیط ہے۔

ترجمان القرآن کی تیسری جلد جو بارہ پاروں پر مشتمل تھی، اس بارے میں مختلف آراء ہیں کہ آیا لکھی گئی یا نہیں لکھی گئی۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''مولانا آزاد کی اس تفسیر کے اب ۱۸ پارے شائع ہوئے ہیں، ۱۲ پارے باقی رہ گئے، ان کی داستان یہ ہے کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں اور میں بھی ان کے اندر شامل ہوں کہ مولانا آزاد نے بتلایا تھا کہ انہوں نے ان پاروں کی تفسیر مکمل کر دی ہے اور میں نے یہ بات خود اپنے کانوں سے سنی ہے۔ لیکن وہ شائع نہیں ہوئی اور اب تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کہاں ہے؟ مولانا آزاد کا ۲۲ رفروری ۱۹۵۸ء کو انتقال ہوا تھا اور یہ سانحہ تین دن کے ''کوما'' (بے ہوشی) کے بعد ہوا تھا۔ مولانا کے یہ تین دن جو ''کوما'' میں گزرے، تو ان میں ان کی کوٹھی میں مختلف لوگ آتے جاتے رہے۔ ان کے سامان وغیرہ کو ٹٹولتے اور دیکھتے رہے، تو اندیشہ یہ ہے کہ

بعض لوگوں نے مولانا کے بہت سے مسودات کو غائب کر دیا جن میں آخری بارہ پاروں کی تفسیر بھی شامل تھی، چونکہ مولانا خود فرما چکے تھے کہ انہوں نے اس کی تکمیل کر لی ہے۔" واللہ اعلم (مولانا ابوالکلام آزاد ص: ۶۰)

مولانا ابوالکلام آزاد کی تصانیف کا ایک خاص مقام و مرتبہ ہے۔ علمی حلقوں میں مولانا کی تصانیف کو غیر معمولی فضیلت حاصل ہے۔ مولانا کی تمام تصانیف زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکیں۔ بیشتر کتابوں کے مسودات جب مولانا آزاد جیل یاترا کے لیے تشریف لے جاتے تو پولیس گھر سے اٹھا لے جاتی۔ اس طرح بہت سی کتابوں کے مسودات ضائع ہو گئے، یہاں آپ کی چند مشہور کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱ تذکرہ:

یہ آپ کی شاہکار تصنیف ہے اور اُردو ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب ایک طرف علمی نکات، مذہبی اشارات، تاریخی بصائر اور اخلاق و حکم کا گنجینہ ہے اور دوسری طرف بداعت اسلوب اور لطافت بیان کا خزینہ ہے۔ پہلی بار اپریل ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی۔

۲ مسئلہ خلافت اور جزیرۃ العرب:

یہ بنگال خلافت کانفرنس، منعقدہ کلکتہ فروری ۱۹۲۰ء کا خطبۂ صدارت ہے۔ اگرچہ ایک خاص نقطۂ نظر کے تحت لکھی گئی ہے، تاہم تحقیقات نادرہ پر مشتمل ہے۔

۳ قول فیصل:

۱۹۲۱ء کے مقدمے میں مولانا کا انقلاب آفریں تحریری بیان ہے۔

۴ جامع الشواهد في دخول غير المسلم في المساجد:

مولانا کا یہ علمی مقالہ پہلے رسالہ معارف اعظم گڑھ کے مئی اور جون ۱۹۱۹ء کے دو شماروں میں شائع ہوا۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ غیر مسلموں کے مساجد میں داخل ہونے کا کیا حکم ہے۔

۵ غبار خاطر:

(احمد نگر جیل میں مولانا کے مکاتیب مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی کے نام) ادبی اعتبار سے اُردو ادب میں منفرد کتاب ہے۔ ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی۔ اس کا بہترین ایڈیشن مالک رام نے مرتب کر کے شائع کیا۔ ایک مستند روایت کے مطابق مالک رام نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا اور عبدالمالک نام اختیار کیا۔

۶ کاروان خیال:

مولانا کے مکاتیب کا مجموعہ جو ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا۔

۷ انڈیا ونز فریڈم (India Wins Freedom):

اس کتاب کے بارے میں مولانا غلام رسول مہر مرحوم لکھتے ہیں کہ ''انڈیا ونز فریڈم'' مولانا کی تصانیف میں محسوب ہے مگر بصورت موجودہ صرف مطالب کے اعتبار سے اس کی یہ حیثیت تسلیم کی جا سکتی ہے نہ کہ اسلوب بیان کے اعتبار سے۔ بہ الفاظ دیگر اسے ''تصنیف'' نہیں ملفوظات قرار دیا جا سکتا ہے۔

سیاسی خدمات:

مولانا ابوالکلام آزاد سیاست میں عبقری تھے۔ آل انڈیا کانگریس میں شامل ہوئے اور اپنی پوری زندگی اسی جماعت کے ساتھ وابستہ رہے۔ کانگریس میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ کانگریس کے کئی سالانہ جلسوں کی صدارت فرمائی۔ ۱۹۴۰ء تا ۱۹۴۶ء کانگریس کے صدر رہے۔ ۱۹۴۵ء میں شملہ کانفرنس میں شامل تھے۔ ۱۹۴۷ء میں جب عبوری حکومت کی تشکیل ہوئی تو اس میں کانگریس کی طرف سے وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔ اور ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو جب ہندوستان آزاد ہوا تو اس کی پہلی حکومت میں وزیر تعلیم مقرر ہوئے اور اس کے ساتھ ڈپٹی پارلیمانی لیڈر بھی بنا دیے گئے۔

وفات:

مولانا ابوالکلام آزاد نے ۲۲ رفروری ۱۹۵۸ء کو بروز ہفتہ دہلی میں انتقال کیا اور جامع مسجد لال قلعہ کے درمیان پریڈ گراؤنڈ میں سپرد خاک کیے گئے۔

﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَـيْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾

محمد ابراہیم سیالکوٹی

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مفسر قرآن، مناظر، خطیب اور معلم و متکلم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم و وجاہت دونوں سے نوازا تھا۔ علم و فضل اور تحقیق و مطالعہ میں درجۂ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ برصغیر (پاک و ہند) میں ایک دور تھا کہ تین جلیل القدر علماء اہلحدیث اپنے علم و فضل، جلالت شان، ذوق مطالعہ، وسعت معلومات، تحریر و تقریر میں صاحب کمال اور فن مناظرہ میں امام تسلیم کیے جاتے تھے اور وہ یہ تھے:

① مولانا ثناء اللہ امرتسری (وفات ۱۹۴۸ء)

② مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی (وفات ۱۹۴۹ء)

③ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی (وفات ۱۹۵۶ء)

مولانا محمد ابراہیم کثیر المطالعہ عالم تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اصول، تاریخ و سیر، ادب و لغت، فلسفہ اور تقابل ادیان وغیرہ سے متعلق ان کی معلومات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ برصغیر میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف ہر اٹھنے والے فتنے کے خلاف تحریری و تقریری جہاد کیا۔ تفسیر قرآن میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔

مولانا محمد ابراہیمؒ کا حافظہ بہت قوی تھا۔ قدرت کی طرف سے بڑا اچھا دل و دماغ لے کر

پیدا ہوئے تھے۔ ٹھوس اور قیمتی مطالعہ ان کا سرمایہ علم تھا۔ عربی و فارسی کی بلند پایہ کتابیں ان کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ بلند پایہ عالم اور مناظر ہونے کے ساتھ ساتھ ملکی سیاست سے بھی پوری طرح باخبر تھے۔ اور عالمی سیاست پر بھی ان کی معلومات بہت وسیع تھیں۔ برصغیر (پاک و ہند) کی تمام قومی و ملی اور سیاسی و غیر سیاسی تحریکات سے مکمل واقفیت تھی اور ہر تحریک کے قیام اور پس منظر سے واقف تھے۔ بلکہ ہر تحریک کے بارے میں اپنی ایک مدبرانہ رائے رکھتے تھے۔

۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ سے وابستہ ہوئے اور اپنے انتقال (۱۹۵۶ء تک) مسلم لیگ سے ہی وابستہ رہے۔ ۱۹۳۰ء کے اجلاس الٰہ آباد میں شریک ہوئے اور ۱۹۴۰ء کے اجلاس لاہور میں بھی شرکت کی۔ تحریک پاکستان کی تائید کے سلسلہ میں پورے برصغیر کا دورہ کیا اور مسلمانوں کو تحریک پاکستان سے روشناس کرایا اور تحریک پاکستان کی حمایت میں بے شمار مضامین روزنامہ نوائے وقت لاہور میں لکھے۔ یہی مضامین بعد میں ''پیغام ہدایت'' اور ''تائید مسلم لیگ'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئے۔

مولانا محمد ابراہیمؒ شروع ہی سے دو قومی نظریہ کے حامی تھے اور دو قومی نظریہ کی حمایت میں مضامین بھی لکھے اور تقاریر بھی کیں اور واضح الفاظ میں اس کا پرچار کیا کہ مسلمانوں کی بقا اسی میں ہے کہ وہ اپنا ایک علیحدہ خطہ برصغیر میں بنائیں۔ مولانا محمد ابراہیمؒ نے تحریر و تقریر دونوں طرح سے مسلم لیگ کی تنظیم اور قیام پاکستان کے لیے جدوجہد کی۔

جب جمعیت العلماء ہند نے قیام پاکستان کی مخالفت کی اور دو قومی نظریہ کی بجائے متحدہ قومیت کا نعرہ لگایا تو مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ مل کر جمعیۃ علماء اسلام کے نام سے ایک جماعت بنائی اور اس جماعت کی تشکیل کا مقصد قیام پاکستان کی معاونت تھا۔ جمعیت علماء اسلام کا پہلا تاسیسی جلسہ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں ہوا اور اس کی صدارت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے کی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی ناسازئ طبع کے سبب شریک نہ ہو سکے۔ اس اجلاس میں قیام پاکستان کے حامی علماء نے کثرت سے شرکت کی۔ مولانا محمد ابراہیمؒ نے ''تمدن و معاشرت اسلامیہ'' کے موضوع پر صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں

کتاب وسنت کی روشنی میں آزادوخود مختار مملکت کے قیام کے لیے پاکستان کو اسلامیان ہند کی سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، دینی اور ملی ضرورت قرار دیا اور اس کے ساتھ ہندو ذہنیت کا پوسٹ مارٹم کیا اور گاندھی جی کے تعصب اور اس کے کردار کو بھی بے نقاب کیا۔ مولانا سیالکوٹی کا یہ خطبہ کلکتہ کے ''عصر جدید'' کی اشاعت نومبر ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا۔ بعد میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے کتابی صورت میں چھاپ کر وسیع پیمانے پر تقسیم کیا۔

مولانا ابوالقاسم بنارسیؒ کا شمار ممتاز علمائے اہلحدیث میں ہوتا ہے جو سیاسی اعتبار سے کانگرس سے وابستہ تھے۔ انہوں نے قیام پاکستان کے سلسلہ میں دوقومی نظریہ کے بجائے متحدہ قومیت کی حمایت کی اور اس سلسلہ میں ایک مضمون اخبار میں شائع کرایا۔ مولانا سیالکوٹی نے فوراً اپنے دوست کے مضمون کا جواب دیا اور قیام پاکستان کے خلاف اعتراضات کو غیر حقیقت پسندانہ، غیر منصفانہ اور غیر عادلانہ قرار دیا اور ثابت کیا کہ اہل اسلام کی قومیت کی بنیاد دین اسلام ہے۔ مولانا سیالکوٹی کا یہ مضمون اخبار ''احسان'' لاہور دسمبر ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔

۱۹۴۶ء کے انتخابات جو قیام پاکستان کے نام پر لڑے گئے تھے ان میں متحدہ قومیت کے حامی علماء مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی قیام پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ دوسری طرف مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا شبیر احمد عثمانی دوقومی نظریہ کے حامی اور متحدہ قومیت کے مخالف تھے۔ مولانا سیالکوٹی اور مولانا عثمانی نے پورے ملک کا دورہ کر کے متحدہ قومیت کے علماء کا پردہ چاک کیا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ دوقومی نظریہ کے حامی علماء کامیاب ہوئے اور مسلم لیگ نے قیام پاکستان کے نام پر الیکشن میں بھاری اکثریت حاصل کی۔ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے۔ تمام علوم اسلامیہ میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دین ودنیا کی دونوں نعمتوں سے نوازا تھا۔ دین اسلام کے معاملہ میں معمولی سی مداہنت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ تفسیر قرآن میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا اور اس کے ترجمہ وتفسیر کو مرکز توجہ قرار دیئے رکھنا ان کے مقاصد حیات کا لازمی حصہ تھا۔

برصغیر میں جماعت اہلحدیث کو منظم اور فعال بنانے میں ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔
دسمبر ۱۹۰۶ء میں آرہ (بہار) کے اہلحدیث جلسہ میں "آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس" کی تشکیل ہوئی۔ جس کے پہلے صدر مولانا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ اور ناظم اعلیٰ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ منتخب ہوئے اس کے بعد کانفرنس کو پورے ملک میں متعارف کرانے کے لیے۔ ایک تین رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جس کے ارکان یہ تھے:

① مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ (وفات ۱۹۱۹ء)

② مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ (وفات ۱۹۴۸ء)

③ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی (وفات ۱۹۵۶ء)

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کے علم و فضل اور تبحر علمی کا اعتراف برصغیر کے ممتاز اہل علم و قلم نے کیا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ جو برصغیر کے نامور عالم دین، مؤرخ اور محقق تھے۔ جن کی تحقیقات کا مستشرقین نے بھی اعتراف کیا ہے مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی سے بہت محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا سیالکوٹی کی محبت و عقیدت کا ایک واقعہ مولانا ابوعلی اثری مرحوم سابق رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ نے لکھا ہے کہ ۱۹۴۵ء میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا سالانہ اجلاس مئوناتھ بھجن ضلع اعظم گڑھ میں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس کانفرنس میں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی تحریک پر آپ نے یہ قرارداد منظور کرائی تھی کہ "برصغیر کے اہلحدیث حضرات کو مسلم لیگ کی حمایت کرنی چاہیے۔"

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کو مئوناتھ بھجن بذریعہ تار اطلاع دی کہ واپسی پر دارالمصنفین اعظم گڑھ سے ہوتے ہوئے واپس اپنے وطن پنجاب جائیے۔
چنانچہ مولانا محمد ابراہیم میرؒ کانفرنس کے اختتام پر اعظم گڑھ تشریف لے گئے۔
مولانا ابوعلی اثری لکھتے ہیں:

ان سے اس درجہ ارادت تھی کہ ان کی آمد پر سید واجب الاحترام قبلہ نے خود اپنے

ہاتھوں سے مہمان خانہ کا فرش فروش میز کرسی اور دوسرے سامان آرائش سے سجایا تھا اور اتنا خوش تھے کہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ جب موصوف کی گاڑی مہمان خانہ کے سامنے پہنچی تو آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ دیر تک بغل گیر رہے۔ خود ہی سامان اتروایا اور گاڑی کا کرایہ اپنی جیب سے دیا۔ یہ منظر بڑا پُر اثر اور قابل دید تھا۔ (بحوالہ، الاعتصام لاہور ۱۶/ مارچ ۱۹۵۶/ء)

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کو اللہ تعالیٰ نے مختلف اوصاف و فضائل سے نوازا تھا۔ آپ مفسر قرآن بھی تھے، محدث بھی تھے، فقیہ بھی تھے، مؤرخ اور محقق بھی تھے، معلم اور متکلم بھی تھے، مبلغ و مقرر اور خطیب بھی تھے، مناظر بھی تھے اور مصنف بھی، آپ نے مختلف موضوعات پر ایک سو ۱۰۰ کے قریب چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں۔ آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

۱ واضح البیان فی تفسیر ام القرآن، ۲ تفسیر سورۂ کہف، ۳ شہادت القرآن (۲ جلد)، ۴ ریاض الحسنات، ۵ تاریخ اہلحدیث، ۶ سیرۃ المصطفیٰ (۲ جلد)، ۷ احکام المرام باحیاء مآثر علماء الاسلام، ۸ عصمت النبیؐ، ۹ الخبر الصحیح عن قبر المسیح، ۱۰ خلافت راشدہ ۱۱ اربعین ابراہیمی، ۱۲ انارۃ المصابیح، ۱۳ ختم نبوت، ۱۴ قادیانی مذہب، ۱۵ رسالت و بشریت۔

مولانا محمد ابراہیم میر بن سیٹھ غلام قادر ۱۸۷۴ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ مشن ہائی سکول سیالکوٹ سے میٹرک پاس کرنے کے بعد کالج میں داخل ہوئے۔ علامہ محمد اقبال کالج میں آپ کے کلاس فیلو تھے۔ شمس العلماء مولوی میر حسن سے آپ نے اور علامہ اقبال نے خوب استفادہ کیا۔ دینی تعلیم مولانا غلام حسن سیالکوٹی اور بعد ازاں استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادیؒ سے حاصل کی۔ وزیرآباد سے حصول علم کے بعد شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی خدمت میں حاضری دی اور حدیث کی سند و اجازت حاصل کی۔ مولانا سیالکوٹی شیخ الکل مرحوم و مغفور کے آخری دور کے شاگرد ہیں۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد واپس وطن آ کر ایک دینی مدرسہ بنام دارالحدیث قائم کیا جو کئی بار بند ہوا اور کئی بار جاری ہوا۔ مولانا سیالکوٹی مرحوم نے دو اسلامی جرائد "الہدیٰ"

اور "الھادی" یکے بعد دیگرے جاری کیے۔

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے ۱۲ر جنوری ۱۹۵۶ء کو سیالکوٹ میں انتقال کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

عبدالستار دہلوی

مولانا عبدالستار دہلوی بن مولانا عبدالوہاب ۱۳۱۳ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ تمام علوم آلیہ و عالیہ کی تحصیل اپنے والد مولانا عبدالوہاب دہلوی سے حاصل کی اور تکمیل تعلیم کے بعد اپنے آبائی مدرسہ دار الکتاب والسنہ میں تدریس پر مامور ہوئے ان کی ساری زندگی اسی مدرسہ میں تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم پڑھانے میں گزری۔

مولانا عبدالستار دہلوی علوم اسلامیہ کے متبحر عالم دین تھے۔ تمام علوم میں ان کو بہت زیادہ دسترس تھی۔ فن مناظرہ میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ مولانا عبدالستار بڑے عابد و زاہد، صالح، قائم اللیل، مبلغ، کم سخن، معلم، متکلم اور مفسر و محدث تھے۔ مسائل کی تحقیق میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

مولانا عبدالستار اپنے والد مولانا عبدالوہاب کے جانشین تھے۔ آپ نے اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے قائم کردہ نظام امارت کو شرح صدر سے قائم رکھا اور ہر معاملے میں سنت کی اتباع کو ترجیح دی۔

مولانا محمد حنیف یزدانی مرحوم آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

مولانا عبدالستار دہلوی ۲۲ سال کی عمر میں علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ آپ نہایت باہمت اور محنتی عالم دین تھے۔ آپ اپنے والد کے انتقال کے بعد متفقہ طور پر امیر جماعت مقرر ہوئے۔ آپ نہایت خوش اخلاق، ملنسار، مہمان نواز اور متواضع عالم دین تھے۔

مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری لکھتے ہیں کہ:

مولانا حافظ عبدالستار دہلوی جماعت اہلحدیث کے جید عالم تھے۔ علماء اور ممتاز فضلاء میں نمایاں حیثیت کے حامل تھے۔ ان کے شب و روز اعلائے کلمۃ اللہ اور سربلندی اسلام، توحید و سنت کے فروغ اور دین متین کی تبلیغ میں صرف ہوتے رہے۔

مولانا عبدالستار دہلوی نے ۱۹۶۶ء میں کراچی میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔

تصانیف:

مولانا عبدالستار دہلوی ایک عمدہ مصنف تھے۔ تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

1. حواشی قرآن مجید بنام فوائد ستاریہ
2. تفسیر سورۂ فاتحہ
3. ۱۶ سورۂ شریفہ
4. نصرۃ الباری شرح صحیح بخاری
5. تنبیہ اہل الفرش باستواء اللہ علی العرش
6. تکمیل البرہان مع قرأۃ ام القرآن
7. الدر الثمین فی الجہر بالتامین
8. الدلیل من الاثر علی اعطاء ثمن فی صدقہ الفطر
9. شمس الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ (عربی)
10. فتاویٰ ستاریہ
11. حقیقۃ التوسل والوسیلہ
12. الدلائل الواثقہ فی جواز تسلیمتہ واحدۃ
13. حکم رب الانام فی ابطال عمل المولد والقیام
14. شمشیر محمدیہ

(۱۵) احقائق حق وابطال باطل

(۱۶) خطبہ امارت

(۱۷) تاریخ مقام اربعہ (عربی)

(۱۸) القول الصحیح فی اثبات المسیح

(۱۹) ایک اہم سوال اور اس کا جواب

(۲۰) تحقیق حرف ''ضاد''

(۲۱) ملفوظات ستاریہ

(۲۲) تفسیر ۵ سورۂ شریفہ

(۲۳) تفسیر سورۂ یٰس
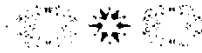
نذیر احمد رحمانی

مولانا نذیر احمد بن شیخ عبدالشکور عراقی ۶؍فروری ۱۹۰۶ء مطابق ۱۰؍ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ موضع املو متصل مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے قصبہ میں حاصل کی۔ بعد میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اور مدرسہ فیض عالم مئو میں تعلیم حاصل کی۔ مدرسہ فیض عام میں آپ کے استاد مولانا محمد احمد تھے۔

شوال ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں دارالحدیث رحمانیہ دہلی قائم ہوا۔ اس وقت مولانا نذیر احمد کی عمر ۱۵، ۱۶ تھی۔ چنانچہ طلباء کا جو پہلا گروپ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخل ہوا۔ اس میں آپ بھی شامل تھے۔ آپ نے دارالحدیث رحمانیہ میں سات سال تک تعلیم حاصل کی تھی۔ ۱۳۳۹ھ میں داخلہ لیا اور ۱۳۴۶ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ اپنے داخلہ کی بابت مولانا نذیر احمد رحمانی خود رقمطراز ہیں کہ:

مدرسہ رحمانیہ دہلی کا افتتاح شوال ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں ہوا اور اسی سال تقریباً دو مہینے کے بعد ذی الحجہ میں مدرسہ میں بغرض تعلیم داخل ہو گیا۔ ابتداء سے انتہا تک اپنی دینی تعلیم کا بیشتر حصہ یہیں مکمل کرنے کے بعد شعبان ۱۳۴۶ء میں میں نے مدرسہ سے سند فراغت حاصل کی۔ پھر اسی سال مدرس کی حیثیت سے مدرسہ کی خدمت پر مامور ہو گیا اور اب تک بحمد اللہ اس درجے پر فائز ہوں۔ اس ۱۸ سالہ زندگی میں شاید ایک آدھ سال میں مدرسہ سے غیر حاضر رہا۔ ورنہ اکثر حصہ اسی گلشن علم کی بلبلوں، باغ حکمت کے پھولوں اور ریاض ملت کی کیاریوں میں گزرا ہے۔

مولانا نذیر احمد رحمانی نے دارالحدیث رحمانیہ میں جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، ان کے اسمائے گرامی مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی، مولانا غلام یحییٰ کان پوری اور مولانا عبدالرحمٰن نگرنہسوی ہیں۔

تکمیل تعلیم کے بعد مولانا رحمانی واپس اپنے وطن گئے۔ تو ان کے والد شیخ عبدالشکور عراقی نے ان کی فراغت کی خوشی میں ایک جلسہ وعظ و تبلیغ اور دعوت طعام کا انتظام کیا۔ اس جلسہ میں امام حدیث مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی، مولانا عبدالغفور جیراج پوری اور مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی نے شرکت فرمائی۔ طعام کے بعد جلسہ کا آغاز ہوا اور رات ۱۲ بجے تک مقررین نے تقریریں کیں۔ اور محدث مبارکپوری کی دعاؤں سے جلسہ کا اختتام ہوا۔

اس کے بعد مولانا نذیر احمد بحیثیت استاد حدیث مقرر ہو کر دارالحدیث رحمانیہ دہلی تشریف لے آئے۔ آپ کو حدیث سے زیادہ شغف تھا اور معقولات سے فطری لگاؤ تھا۔ دارالحدیث رحمانیہ میں آپ نے ۱۹۴۷ء تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

مولانا نذیر احمد رحمانی بہت زیادہ مطالعہ کرتے تھے۔ مولوی ابویحییٰ امام خاں نوشہروی راوی ہیں کہ مولانا نذیر احمد رحمانی فرمایا کرتے تھے کہ جب تک میں رات کو مطالعہ نہ کروں۔ مجھے نیند نہیں آتی۔

مولانا نذیر احمد کی تحریر و تقریر میں بلا کی اثر انگیزی تھی۔ اظہار حق میں کبھی آپ نے مداہنت نہیں کی۔ تدریس میں آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ حدیث و تفسیر کے اسباق میں مذاہب اور ان کے مدار و ماخذ کی تشریح کے ساتھ صحیح مذہب کے دلائل بیان فرماتے تھے۔

مولانا نذیر احمد رحمانی نے جماعتی رسائل و اخبارات میں بے شمار مقالات لکھے۔ ان کے مقالات ماہنامہ ''زندگی'' رام پور، اخبار ''مدینہ'' بجنور، ماہنامہ ''مصباح''، ماہنامہ ''انصاف'' الہ آباد، ''اہلحدیث'' امرتسر، ''اہلحدیث'' دہلی، ''ترجمان'' دہلی، ''اخبار محمدی'' دہلی اور ''الاعتصام'' لاہور میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

مولانا نذیر احمد رحمانی کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

① چمن اسلام (۴ جلد)
② اہل حدیث اور سیاست
③ ردّ عقائد بدعیہ
④ انوار المصابیح بجواب رکعات التراویح

مولانا نذیر احمد رحمانی نے ۲۸ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ بمطابق ۳۰ مئی ۱۹۵۶ء میں اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ؕ﴾

حافظ محمد گوندلوی

مولانا حافظ محمد گوندلوی علوم اسلامیہ کا بحر ذخار تھے۔ آپ ایک بلند پایہ مفسر قرآن، محدّث، مؤرخ، فقیہ، معلم، متکلم، فلسفی، عربی، فارسی کے مایہ ناز ادیب، بلند پایہ محقق اور صاحب فکر و تدبر، تمام علوم اسلامیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ و سیر، اسماء الرّجال، لغت و ادب، فلسفہ و منطق، ریاضی، اقلیدس اور علم معقول و منقول پر یکساں نظر تھی۔ ائمہ اربعہ کی فقہ پر ان کو مکمل عبور تھا۔

آپ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء گوندلانوالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے

والد ماجد کا نام میاں فضل دین تھا۔

دینی تعلیم کا آغاز حفظ قرآن مجید سے ہوا۔آپ نے قلیل مدت میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو حافظہ کی غیر معمولی نعمت سے نوازا تھا۔زندگی بھر جو کتاب ایک دفعہ پڑھ لی۔دوبارہ اس کو پڑھنے کی نوبت نہیں آئی اور وہ کتاب سینہ میں محفوظ ہوگئی۔

۱۳ سال کی عمر میں دینی تعلیم کے حصول کے لیے مدرسہ غزنویہ امرتسر تشریف لے گئے۔

اس مدرسہ میں آپ نے جن اساتذہ سے علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا،ان کے نام یہ ہیں:

مولانا سید عبدالجبار غزنوی،مولانا سید عبدالاوّل غزنوی،مولانا سید عبدالغفور غزنوی اور مولانا محمد حسین ہزاروی

مدرسہ غزنویہ میں آپ کا قیام ۵ سال رہا اور اس عرصہ میں آپ نے تفسیر،حدیث،فقہ، اصول فقہ،فلسفہ و منطق اور صرف ونحو کی تکمیل کی۔اس کے بعد آپ وزیرآباد تشریف لائے اور استاد پنجاب حضرت حافظ عبدالمنان محدّث وزیرآبادی رحمہ اللہ سے حدیث میں سند و اجازت حاصل کی۔

وزیرآباد سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد حافظ صاحب دہلی تشریف لے گئے اور طبیہ کالج میں داخل ہوئے۔چار سالہ طب کا کورس مکمل کرکے فاضل الطب والجراحت کی سند اول درجہ میں حاصل کی۔گولڈ میڈل سے سرفراز ہوئے۔

اسی دوران دہلی میں آپ نے مولانا عبدالرزاق جو ''استاد الفنون'' کے لقب سے مشہور تھے۔ان سے منطق و فلسفہ میں استفادہ کیا اور منشی فاضل و مولوی فاضل کے امتحانات پاس کیے۔فارغ التحصیل ہونے کے بعد درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا اور اپنی تمام زندگی درس و تدریس میں صرف کردی۔آپ نے جن دینی مدارس میں تدریس فرمائی،ان کی تفصیل یہ ہے:

① دارالحدیث رحمانیہ دہلی

② دارالحدیث گوندلانوالہ ضلع گوجرانوالہ

③ جامعہ دارالعلوم عمر آباد (مدارس)

④ جامعہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ (ماموں کانجن)

⑤ جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ

⑥ جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ

⑦ جامعہ سلفیہ فیصل آباد

⑧ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

حافظ صاحب کی تدریسی مدت ۶۰ سال ہے اور اس ۶۰ سال میں کتنے آدمی آپ سے مستفید ہوئے ان کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

لَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا هُوَ۔

تاہم آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں۔ اور ان تلامذہ میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جو بعد میں خود مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ ان کے علمی کارناموں کا تذکرہ ان شاء اللہ العزیز رہتی دنیا تک رہے گا۔ مثلاً:

① مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری صاحب مرعاۃ المفاتیح

② مولانا نذیر احمد رحمانی

③ مولانا محمد یوسف کوکن عمری مصنف امام ابن تیمیہؒ

④ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی صاحب التعلیقات السلفیہ

⑤ مولانا حافظ محمد اسحاق حسینوی

⑥ مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی

⑦ مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی

⑧ مولانا محمد حنیف ندوی

⑨ مولانا محمد عبداللہ گوجرانوالہ

⑩ علامہ احسان الٰہی ظہیر شہیدؒ

(۱۱) مولانا معین الدین لکھوی

(۱۲) مولانا محمد عبدہٗ الفلاح

(۱۳) مولانا عبدالقادر ندوی صدر جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن

(۱۴) مولانا محمد اعظم گوجرانوالہ

(۱۵) مولانا محمد صدیق فیصل آبادی

(۱۶) مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری

(۱۷) مولانا محمد علی جانباز شارح سنن ابن ماجہ

(۱۸) مولانا عطاء الرحمٰن اشرف استاد حدیث جامعہ ابراہیمہ سیالکوٹ

(۱۹) مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری

(۲۰) مولانا محمد خالد گرجاکھی

(۲۱) مولانا محمد اسحاق چیمہ

(۲۲) مولانا عبدالرحمٰن عتیق وزیر آبادی

(۲۳) مولانا علم الدین سوہدروی

(۲۴) مولانا حکیم محمود سلفی

(۲۵) مولانا عبدالعزیز علوی

(۲۶) مولانا قاضی مقبول احمد

(۲۷) مولانا ارشاد الحق اثری

مولانا حافظ محمد گوندلوی جہاں ایک بلند پایہ مدرس و معلم تھے۔ وہاں آپ ایک اعلیٰ پایہ کے مصنف بھی تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر عربی اور اردو میں کتابیں لکھیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) صلوٰۃ مسنونہ　　(۲) ردّ مولود موجود

(۳) تحفة الواعظين　　(۴) شرح مشکوٰۃ المصابیح (اُردو)

۵. امالی علی صحیح بخاری (عربی)
۶. رسالہ حنفی اور اہلحدیث
۷. اثبات التوحید
۸. زبدۃ البیان (عربی)
۹. سنت خیر الانام
۱۰. خیر الکلام فی وجوب الفاتحۃ خلف الامام
۱۱. التحقیق الراسخ فی ان احادیث رفع الیدین لیس لھا ناسخ (اردو)
۱۲. ترجمۃ البدور البازغہ
۱۳. تنقید المسائل
۱۴. رسالہ جواب ''دو اسلام''
۱۵. اہدائے ثواب
۱۶. ردّ حسن المولد
۱۷. الاصلاح (۲ جلد)
۱۸. ردّ اثبات التثلیث
۱۹. ختم نبوت
۲۰. معیار نبوت
۲۱. ارشاد القاری الی نقد فیض الباری (عربی)
۲۲. بغیۃ الفحول (عربی) شرح اصول فقہ شاہ اسماعیل شہید دہلویؒ
۲۳. الاخوان
۲۴. دوام حدیث، (مسٹر غلام احمد پرویز کی کتاب مقام حدیث کا جواب)
۲۵. اسلام کی پہلی کتاب
۲۶. اسلام کی دوسری کتاب
۲۷. شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی) (صرف کتاب العلم تک لکھی گئی)

محمد حنیف ندوی

مولانا محمد حنیف ندوی ایک بلند پایہ ادیب، دانشور، نقاد صحافی ہونے کے علاوہ ممتاز عالم دین بھی تھے۔ ان کے علمی و تحقیقی، دینی و مذہبی، ادبی و تنقیدی اور تاریخی مقالات ''اہل حدیث'' امرتسر ''مسلمان'' سوہدرہ ''الاعتصام'' لاہور اور ماہنامہ ''ثقافت'' لاہور سے علاوہ

کئی اور علمی و ادبی رسائل میں بھی شائع ہوئے اور پورے ملک کی اُردو خواں دنیا سے خراج تحسین حاصل کیا اور اس کے علاوہ ان کی تصانیف، سراج البیان، مسئلہ اجتہاد، افکار ابن خلدون، افکار غزالی، عقلیات ابن تیمیہ، مطالعہ قرآن اور مطالعہ حدیث کا شمار ان کی بہترین اور عمدہ تصانیف میں ہوتا ہے۔ ملک کے ہر طبقہ کے نامور اہل علم اور اہل قلم۔نے ان کی تعریف و تحسین کی ہے۔

مولانا محمد حنیف ندوی کو تمام علوم اسلامیہ میں امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، کلام اور فلسفہ پر ان کو مکمل دسترس حاصل تھی اور ان تمام علوم پر ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ٹھوس اور قیمتی مطالعہ ان کا سرمایہ علم تھا۔ تاریخ اور فلسفہ پر تنقیدی نظر رکھتے تھے۔

تفسیر قرآن میں بھی ان کا علم بہت وسیع تھا۔ دوران تعلیم ندوۃ العلماء۔کے بعد کئی عربی تفاسیر ان کے مطالعہ سے گزریں۔ چنانچہ جب ندوہ سے فراغت کے بعد انہوں نے لاہور کو اپنا مسکن بنایا، تو جامع مسجد مبارک اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے درس قرآن میں تعلیم یافتہ طبقہ کی اکثریت ہوتی تھی۔

لاہور میں تین علمائے کرام کے درس قرآن بہت مشہور ہوئے اور ان تینوں علمائے کرام کے دروس قرآن میں تعلیم یافتہ حضرات حاضر ہوتے تھے۔ اور ان کے ارشادات سے مستفیض ہوتے تھے۔ وہ علمائے کرام حسب ذیل تھے:

(۱) مولانا محمد حنیف ندوی

(۲) مولانا احمد علی لاہوری

(۳) مولانا خواجہ عبدالحی فاروقی

مولانا محمد حنیف ندوی نے لاہور میں جب درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا تو اس کے ساتھ قرآن مجید کی تفسیر بنام سراج البیان تصنیف کی۔ جو ملک جلال الدین اینڈ سنز ناشران و تاجران کتب کشمیری بازار لاہور نے شائع کی۔

مولانا محمد حنیف ندوی جہاں علوم اسلامیہ کے متبحر عالم تھے، وہاں آپ ملکی سیاسیات سے بھی پوری طرح باخبر تھے۔ سیاسی اور قومی وملی تحریکات سے واقف تھے۔ بلکہ تمام تحریکات کے قیام کے پس منظر سے بھی مکمل طور پر آگاہ تھے اور ہر تحریک کے بارے میں اپنی ایک ناقدانہ رائے بھی رکھتے تھے۔ عربی ادب کا بہت ستھرا مذاق رکھتے تھے۔ عربی اور اردو کے وہ بلند پایہ انشاپرداز تھے۔ تحریر میں ان کو عجیب ملکہ حاصل تھا۔ تحریر میں برجستگی، سلاست اور روانی ہوتی۔ بچے تلے الفاظ، چست تراکیب، اچھوتے استعارات، نادر تشبیہات، مولانا ندوی کی تحریر کی خاص خصوصیات تھیں۔ ان کی تحریر حشو و زوائد سے پاک ہوتی تھی۔ موقع برموقع محاورات و امثال بھی استعمال کرتے مگر اس میں کوئی تکلف نہ ہوتا۔ پڑھنے والا محسوس کرتا جیسے جگہ جگہ موتی جڑ دیئے گئے ہوں۔

مولانا محمد حنیف ندوی قدرت کی طرف سے بڑا اچھا دل و دماغ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ روشن فکر، دردمند دل اور سلجھا ہوا دماغ تھا۔ ذہن و ذکاوت کے ساتھ قوت حافظہ بھی بہت قوی تھی، جو کتاب ایک دفعہ نظر سے گزر گئی اس کا نچوڑ ان کے دماغ میں محفوظ ہو جاتا اور بہت کم دوبارہ دیکھنے کی نوبت آتی۔

مولانا محمد حنیف ندوی دینی غیرت وحمیّت کی زندہ مثال تھے۔ حق کے معاملہ میں کسی قسم کی معمولی سی مداہنت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ حدیث کے معاملہ میں وہ بہت سخت اور متشدد تھے اور حدیث کے معاملہ میں جب بھی کبھی کسی رسالہ میں کوئی مضمون حدیث کے خلاف ان کی نظر سے گزرتا تو فوراً ''الاعتصام'' میں اس کا جواب دیتے۔

مولانا محمد حنیف ندوی بہت سی خصوصیات کے حامل تھے۔ مثلاً:

حق گوئی ان کی امتیازی صفت تھی۔ لگی لپٹی بات کرنے کے عادی نہ تھے۔ ہمیشہ کھری اور دوٹوک بات کہتے اور جس بات کو حق سمجھے اس کو پوری قوت اور زور کے ساتھ پیش کرتے۔ اور اسی شدت کے ساتھ اس پر قائم رہتے۔ اور جس بات کو غلط سمجھتے برملا اس کو غلط کہتے اور اس معاملہ میں کسی قسم کی رعایت نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب کو مداہنت فی

الدین سے پاک بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی فراست عطا کی تھی۔ اہل نظر کو بھانپ لیتے تھے۔

مولانا محمد حنیف ندوی کو مولانا ابوالکلام آزاد، قاضی محمد سلیمان منصوری پوری، سید سلیمان ندوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف سے بے پناہ محبت تھی۔ ان حضرات کا جب ذکر چھڑ جاتا تو ان کی خوبیاں بیان کرتے نہ تھکتے۔ جب سید سلیمان ندوی کا انتقال ہوا تو ان کی سیرت و کردار اور ان کے علمی کارناموں پر ''الاعتصام'' لاہور میں ایک طویل مضمون لکھا۔ جو غالباً ۶/۵ اقساط میں شائع ہوا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی کے علم و فضل کے معترف تھے اور اکثر ان کی سیرت و کردار کا اعتراف کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ مولانا محمد اسماعیل سلفی میرے شفیق استاد تھے۔ مجھے ان سے بڑی عقیدت تھی۔ ان کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ علوم اسلامیہ خاص کر تفسیر، فقہ اور تاریخ پر ان کو مکمل عبور تھا۔ انہی کے مشورہ اور حکم پر میں نے ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا۔

مولانا محمد حنیف ندوی ۱۹۰۸ء میں گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی سے علوم اسلامیہ میں استفادہ کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے اور ۵ سال ندوہ میں رہ کر علوم اسلامیہ کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد لاہور آئے اور جامع مسجد مبارک اہلحدیث (اسلامیہ کالج) ریلوے روڈ میں خطیب مقرر ہوئے۔ یہاں آپ نے درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا اور اس کے ساتھ خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے تھے اور تقریباً ۲۵/۳۰ سال تک آپ مسجد مبارک میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے رہے۔

مولانا محمد حنیف ندوی کا صحافتی دنیا میں بھی ایک مقام ہے۔ مولانا عبدالمجید سوہدروی کے اخبار ''مسلمان'' جو ان دنوں لاہور سے شائع ہوتا تھا مدیر معاون رہے۔ ایک دو علمی رسائل خود بھی جاری کیے۔ ۱۹۴۹ء میں گوجرانوالہ سے مولانا محمد عطاء اللہ حنیف نے ہفت روزہ ''الاعتصام'' جاری کیا تو اس کے پہلے ایڈیٹر آپ ہی مقرر ہوئے اور کئی سال تک آپ الاعتصام کے ایڈیٹر رہے۔

۱۹۵۵ء میں مولانا سید داؤد غزنوی، شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کی سعی و کوشش سے ایک دینی درسگاہ بنام الجامعہ السلفیہ کا قیام عمل میں آیا۔ جو پہلے لاہور میں قائم ہوا بعد میں مستقل طور پر فیصل آباد منتقل ہو گیا۔ الجامعہ السلفیہ کا نام مولانا محمد حنیف ندوی نے تجویز کیا تھا۔ جو بالاتفاق اکابر علمائے اہلحدیث نے منظور کر لیا۔

مولانا محمد حنیف ندوی نے جماعت اہل حدیث کو فعال اور منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا اور جماعت اہلحدیث کی ترقی اور اس کو فعال بنانے میں آپ کی خدمات نمایاں ہیں۔

''الاعتصام'' کی ادارت سے کئی سال تک وابستہ رہنے کے بعد میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کی دعوت پر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے منسلک ہو گئے اور آخر عمر تک س ادارہ سے وابستہ رہے۔ اس ادارہ سے آپ کی دس بارہ کتابیں شائع ہوئیں۔ مولانا محمد حنیف ندوی نے ۱۳ر جولائی ۱۹۸۷ء کو بمقام لاہور انتقال کیا۔

حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی رحمہ اللہ کے تاثرات:

حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی جو ایک مشہور ادیب، دانشور، نقاد، صحافی، مبصر، مقرر، مصنف اور طبیب حاذق تھے۔ مولانا محمد حنیف ندوی کے خاص دوستوں میں تھے۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

''مولانا محمد حنیف ندوی ایک جید عالم دین تھے۔ علوم اسلامیہ پر ان کی نظر وسیع تھی اور بڑی کتابیں ان کے مطالعہ میں آئی تھیں۔ مولانا ظفر علی خان کے بہت مداح تھے اور مولانا ظفر علی کی سیاسی خدمات کی بہت تعریف کرتے تھے۔ مجھ سے جب بھی ملاقات ہوئی مولانا ظفر علی خان کے اشعار کی فرمائش کرتے، جب میں اشعار سناتا تو بہت محظوظ ہوتے۔ ان کے انتقال سے جماعت اہلحدیث کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔'' آمین

ابوالبرکات احمد مدارسی

مولانا ابوالبرکات احمد مدارسی بن محمد اسماعیل ۱۹۲۶ء میں مدارس کے قصبہ شمناڑ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے کیا اور قرآن مجید اپنی والدہ محترمہ سے پڑھا۔ اس کے بعد صرف ونحو کی تعلیم اپنے قصبہ میں ایک عالم دین مولانا محمد عباس سے حاصل کی۔ ۲ سال ان کی خدمت میں رہ کر صرف ونحو میں مہارت حاصل کر لی۔ اس کے بعد آپ علامہ محمد تنگاڈی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علامہ محمد شافعی المسلک تھے۔ انہیں حدیث پر عبور حاصل تھا۔ مولانا ابوالبرکات احمد نے ان سے حدیث اور فقہ شافعی کی کتابیں پڑھیں اور تفسیر میں بھی ان سے استفادہ کیا۔

علامہ محمد سے استفادہ کرنے کے بعد آپ مدرسہ العالیہ مدراس میں داخل ہوئے۔ اور یہاں آپ نے علم معانی، فلسفہ، منطق اور ریاضی کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ جامعہ ازہر مصر جانا چاہتے تھے۔ لیکن وہاں جانے کا کوئی سبب نہ بن سکا تو آپ دہلی تشریف لے گئے اور مدرسہ دار الکتاب والسنۃ میں داخل ہوئے۔ دہلی میں قیام کے دوران آپ نے سائنس اور طبیعات کی تعلیم بھی حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا تو مولانا ابوالبرکات احمد لاہور آ گئے اور لاہور میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد آپ جامعہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ تشریف لے گئے اور یہاں آپ نے مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی اور مولانا محمد اسحاق چیمہ سے اکتساب فیض کیا۔ اوڈانوالہ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ گوجرانوالہ تشریف لے آئے۔ اور حضرت محدث گوندلوی سے صحیح بخاری کا درس لیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں تدریس کا آغاز کیا۔

اور ساری زندگی اسی مدرسہ کی تدریس میں بسر کر دی۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے جس کا شمار مشکل ہے۔

مولانا ابوالبرکات علم و فضل کے اعتبار سے اعلیٰ مرتبہ و مقام کے حامل تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، اسماء الرّجال، لغت و عربیت پر ان کو مکمل عبور حاصل تھا۔ تفسیر و حدیث کے علاوہ فقہ اربعہ میں بھی ان کو یدطولیٰ حاصل تھا۔ فتویٰ بڑی تحقیق اور دلائل سے دیتے تھے۔

مولانا ابوالبرکات اتباع سنت میں اپنی مثال آپ تھے۔ زہد و ورع، تقویٰ و طہارت، حفظ و ضبط، امانت و دیانت میں بلند مرتبہ و مقام کے حامل تھے۔ ذکر و فکر، ریاضت و عبادت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں بھی نمونہ سلف تھے۔

آپ نے ۲۹؍ جولائی ۱۹۹۱ء کو گوجرانوالہ میں انتقال کیا۔

غلام احمد حریری

مولانا پروفیسر غلام احمد حریری بن چوہدری حسین بخش ۱۹۲۸ء بمطابق ۱۳۴۸ھ قصبہ طالب پور ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔

۱۹۳۲ء میں آپ نے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور اس کے بعد آپ نے دینی تعلیم حاصل کرنے کا عزم کیا۔ اپنے قصبہ کی مسجد کے امام مولوی عبدالحق سے تعلیم کا آغاز کیا۔ اس کے بعد آپ نے مزید دینی کتابیں مولوی حافظ عبدالحمید آف کپورتھلہ سے پڑھیں۔ اس کے بعد حریری صاحب موضع دیروال چلے گئے۔ وہاں آپ نے شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف آپ کے ہم درس تھے۔ ساتھ ساتھ عصری تعلیم جاری رکھی۔ چنانچہ آپ نے ۱۹۳۸ء میں یونیورسٹی سے ایف اے اور ۱۹۴۱ء میں

بی اے کے امتحانات پاس کیے۔ ۱۹۴۴ء میں مولوی فاضل اور ۱۹۴۵ء میں فاضل فارسی اور اردو کے امتحانات پاس کیے۔

پاکستان معرض وجود میں آنے کے بعد پاکستان آئے اور فیصل آباد میں رہائش اختیار کی۔ ۱۹۵۴ء میں آپ نے ایم اے عربی اور ۱۹۵۵ء میں ایم اے اسلامیات کے امتحانات پاس کیے۔

۵۵۔۱۹۵۴ء میں اسلامیہ کالج کی ملازمت کے ساتھ ساتھ جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں درس نظامی کی بلند پایہ کتب بھی پڑھاتے رہے اور ساتھ ہی آپ حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدّث گوندلوی جوان دنوں جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث تھے، ان سے اصول فقہ اور علم الکلام میں استفادہ بھی کرتے رہے۔

مولانا پروفیسر غلام احمد حریری تصنیف وتالیف کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ عربی سے اردو میں ترجمہ کرنے کی ان کو بہت زیادہ مہارت تھی۔

۱۹۶۰ء میں آپ نے تصنیف وتالیف کا آغاز کیا۔ آپ کی تصانیف وتراجم کی تفصیل حسب ذیل ہے:

① حیات امام ابوحنیفہ (ترجمہ) ② حیات امام ابن القیم (ترجمہ)

③ حیات امام ابن حزم (ترجمہ) ④ حدیث رسول کا تشریعی مقام (ترجمہ)

⑤ مباحث فی علوم القرآن (ترجمہ) ⑥ مباحث فی علوم الحدیث (ترجمہ)

⑦ اسلامی مذاہب (ترجمہ) ⑧ تاریخ تفسیر ومفسرین (تصنیف)

⑨ تاریخ حدیث ومحدثین (ترجمہ)

⑩ المنتقی۔ امام ابن تیمیہ کی کتاب منہاج السنہ کی حافظ ذہبی نے تلخیص کی۔ اس تلخیص المنتقی کا ترجمہ حریری صاحب نے کیا۔

⑪ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (ترجمہ) ⑫ قرآن کریم کے فنی محاسن (ترجمہ)

⑬ عربی اردو بول چال ⑭ اساس اسلام

⑮ فہم اسلام ⑯ شرح الحدیث فقہ

مولانا پروفیسر غلام احمد حریری نے اردو دائرہ معارف الاسلامیہ کے لیے جو مقالات تحریر کیے ان کی تفصیل یہ ہے:

① اعجاز القرآن، ② علوم القرآن، ③ قرآن کریم کے اثرات و برکات، ④ علم الصرف، ⑤ علم الاشتقاق، ⑥ سیرت نگاری، ⑦ عربی لغت نگاری، ⑧ کعبہ، ⑨ منبر

مولانا غلام احمد حریری سراپا علمی شخصیت تھے۔ دینی حلقوں میں آپ کا بہت زیادہ احترام تھا۔ بڑے حلیم الطبع اور ملنسار تھے۔ آپ نے ۷ رمئی ۱۹۹۰ء کو انتقال کیا۔

محمد صادق خلیل

مولانا محمد صادق خلیل بن مولوی احمد الدین ۱۹۲۵ء بمطابق ۱۳۴۳ھ میں اوڈانوالہ تحصیل ماموں کانجن ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔

دینی تعلیم کے حصول کے لیے مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ میں داخل ہوئے۔ عصری تعلیم میٹرک ہے۔

اوڈانوالہ میں آپ نے مولانا محمد اسحاق حسینوی، مولانا محمد داؤد رحمانی اور حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی سے جملہ علوم اسلامیہ کی تحصیل کی۔ تعلیم کے دوران آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات بھی پاس کیے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۵۴ء میں آپ نے تدریس شروع کی۔ آپ نے جن دینی مدارس میں درس و تدریس فرمائی ان کی تفصیل یہ ہے:

① مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ: ۱۵ سال

② جامعہ سلفیہ فیصل آباد: ۸ سال

(۳) جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن: ۴ سال

(۴) دارالحدیث رحمانیہ کراچی: ۱ سال

(۵) مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث راولپنڈی: ۲ سال

(۶) مدرسہ رحمانیہ لاہور: ۳ سال

(۷) دارالحدیث کوٹ رادھا کشن: ۳ سال (میزان تدریسی مدت: ۳۶ سال)

آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا محمد علی جانباز، مولانا ارشاد الحق اثری، مولانا عبدالحمید ہزاروی، مولانا محمد خالد سیف، علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ، مولانا قاضی محمد اسلم مولانا ظفر اللہ کراچی اور مولانا عبدالرشید ہزاروی۔

تدریس کے علاوہ آپ کو ترجمہ اور تحریر کا بھی خاص ملکہ حاصل تھا آپ نے کئی عربی کتابوں کے تراجم کیے ہیں۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

(۱) ترجمہ ریاض الصالحین از امام نووی

(۲) ترجمہ الرد علی الاخنائی ابن تیمیہ

(۳) ترجمہ الرد علی البکری ابن تیمیہ

(۴) افکار صوفیہ "الفکر الصوفی" عبدالخالق عبدالرحمن

(۵) ترجمہ تحذیر الساجد عن اتخاذ القبور مساجد از علامہ البانی

(۶) ترجمہ محبۃ النبی از علامہ البانی

(۷) ترجمہ صلوٰۃ التراویح از علامہ البانی

(۸) ترجمہ مختصر الامام احمد بن حنبل از ڈاکٹر نعش مصری

(۹) ترجمہ محمد بن عبدالوہاب از عبدالغفور عطار

(۱۰) شرح عقیدہ طحاویہ

(۱۱) ترجمہ صلوٰۃ النبی ﷺ از علامہ البانی

⑫ ترجمہ اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطن ابن تیمیہ

⑬ ترجمہ مع فوائد وحواشی مشکوۃ المصابیح

⑭ تحقیق و تخریج المعجم الصغیر طبرانی

⑮ تفسیر اصدق البیان (مکمل)

مولانا محمد صادق خلیل کتاب وسنت کی اشاعت میں کسی مصلحت کے قائل نہیں تھے۔ حقائق بیان کرنے میں مداہنت سے کام نہیں لیتے تھے۔

مسائل پر بڑی تحقیق ہے اور بڑی تفصیل اور حوالہ سے مسئلہ بیان کرتے تھے۔

آپ کا انتقال فروری ۲۰۰۴ء کو فیصل آباد میں ہوا۔

٭

محمد علی جانباز

مولانا محمد علی جانباز بن نظام الدین ۱۹۳۴ء میں چک بدھو کے ضلع فیروز پور (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔

اپنی تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے کیا۔ اور اس میں آپ کے پہلے استاد مولوی محمد رحمانی تھے۔

اس کے بعد آپ نے دینی تعلیم جامعہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ، جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ اور جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں حاصل کی۔ آپ نے مختلف اوقات میں جن علماء کرام سے استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں:

① مولانا محمد صادق خلیل

② مولانا عبداللہ مظفر گڑھی

③ مولانا غلام احمد حریری

④ مولانا محمد شریف اللہ سواتی

⑤ مولانا ابوالبرکات احمد مدارسی

⑥ مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی

دوران تعلیم آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات بھی پاس کیے۔ فراغت تعلیم کے بعد آپ نے تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔

۱۹۵۹ء میں جامعہ سلفیہ میں تدریس پر مامور ہوئے اور لائبریری کے انچارج اور اساتذہ کی تنخواہ اور جملہ انتظامی امور بھی آپ کے سپرد تھے۔ ۱۹۶۲ء تک آپ جامعہ سلفیہ میں تدریس فرماتے رہے۔

۱۹۶۲ء میں سیالکوٹ تشریف لے آئے اور ۲ سال تک جامع مسجد اہلحدیث ڈپٹی باغ میں تدریس فرماتے رہے۔ ۱۹۶۴ء میں آپ جامع مسجد میانہ پورہ سیالکوٹ میں چلے گئے۔ اور وہاں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور مدرسہ کا نام "جامعہ ابراہیمیہ" رکھا۔ ۱۹۶۹ء تک آپ یہاں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۹۷۰ء میں ناصر روڈ سیالکوٹ کی مسجد اہلحدیث میں منتقل ہو گئے اور مدرسہ بھی یہاں آ گیا اور ۹ سال تک آپ اس مسجد میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

۲۸ر جنوری ۱۹۸۰ء کو جامعہ ابراہیمیہ کی تعمیر شروع ہوئی جو ۲۹ر جون ۱۹۸۰ء کو مکمل ہوئی۔

مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی نے جامعہ ابراہیمیہ کا افتتاح کیا اور اب تک یہ مدرسہ دین اسلام کی اشاعت اور کتاب و سنت کی ترقی و ترویج میں سرگرم عمل ہے۔

مولانا محمد علی جانباز بڑے عالم و فاضل ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ پر مکمل عبور ہے۔ ان کا علم متحضر ہے۔ کثیر المطالعہ ہونے کی بنا پر انہیں حدیث اور اسماء الرّجال میں بہت زیادہ عبور حاصل ہے۔

مولانا محمد علی جانباز تصنیف و تالیف کا بڑا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ آپ نے مختلف

موضوعات پر کئی ایک کتابیں لکھی ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) نفحات العطر فی تحقیق مسائل عید الفطر
(۲) احکام دعا اور توسل
(۳) مسائل قربانی
(۴) حرمت متعہ
(۵) تحفۃ الوریٰ فی اثبات الجمعۃ فی القریٰ
(۶) احکام سفر
(۷) صلوٰۃ المصطفیٰ ﷺ
(۸) دوران خطبہ دو رکعت پڑھنے کا حکم
(۹) فضائل مومن
(۱۰) ارکان اسلام
(۱۱) معراج مصطفیٰ ﷺ
(۱۲) توہین رسالت کی شرعی سزا
(۱۳) آل مصطفیٰ ﷺ
(۱۴) شرح سنن ابن ماجہ (عربی)
(۱۵) احکام عدت
(۱۶) احکام طلاق
(۱۷) احکام نکاح

علاوہ ازیں ان تصانیف کے آپ کے علمی و تحقیقی مقالات، جماعتی و رسائل و اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

آپ اخلاق حمیدہ کے پیکر زہد وورع کا مجسمہ، بڑے خوش اخلاق، ملنسار، متواضع، بردبار، حلیم الطبع، شریف النفس، عابد و زاہد، صابر و ضابط اور مہمان نواز ہیں۔

راقم آثم کے ان سے ۱۹۸۰ء سے ذاتی تعلقات ہیں۔ میرے چار پانچ رسائل ان کی زیر نگرانی شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ ابراہیمیہ نے شائع کیے ہیں۔ ہر دوسرے تیسرے مہینے ان سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے۔

٭٭٭

ارشاد الحق اثری

مولانا ارشاد الحق اثری بن حاجی غلام رسول ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۳۶۸ھ چک نمبر ۷۲

تحصیل فقیروالی ضلع بہاول نگر میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی کتابیں مولوی بشیر احمد اور مولوی محمد حیات سے پڑھیں۔ بعد میں مولانا مفتی عبدالرحمٰن سابق مدرس فتح پوری دہلوی سے استفادہ کیا۔ ۱۹۶۴ء میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں داخل ہوئے۔ جامعہ سلفیہ میں آپ نے مولانا شریف اللہ سواتی سے معقولات ومنقولات کا درس لیا۔ ۱۹۶۷ء میں ایک سال مولانا حافظ بنیامین کی خدمت میں رہے اور ۱۹۶۸ء میں جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ چلے آئے۔ یہاں مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی اور حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندلوی سے تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم میں استفادہ کیا۔ علاوہ ازیں مولانا عبداللہ امجد چھتوی، حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا محمد صادق خلیل اور مولانا پیر محمد یعقوب قریشی سے بھی اکتساب فیض کیا۔

فراغت تعلیم کے بعد ۱۹۶۹ء میں ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد سے وابستہ ہوئے۔ یہاں آپ تصنیف وتالیف کے ذریعہ دین اسلام کی خدمت میں مصروف عمل ہیں۔ مولانا اثری تصنیف وتالیف کا عمدہ تحقیقی ذوق رکھتے ہیں۔ آپ کی تصانیف عربی اور اردو میں ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

① العلل المتناھیۃ فی الاحادیث الواھیۃ ابن جوزی (تحقیق وتخریج)
② مسند الامام ابی یعلی موصلی (تحقیق وتخریج)
③ کتاب المعجم از امام ابو یعلیٰ موصلی (تحقیق وتخریج)
④ جلاء العینین بتخریج روایات البخاری فی جزء رفع الیدین (تحقیق وتخریج)
⑤ فضائل شہر رجب از امام ابومحمد بن محمد خلال (تحقیق وتخریج)
⑥ تبیین العجب بما ورد فی فضل رجب. حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ
⑦ اعلام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر از مولانا شمس الحق عظیم آبادی
⑧ تخریج احادیث مجالس الابرار

(۹) تخریج الاحادیث والآثار، ازالتہ الخفاء عن خلا فتہ الخلفاء شاہ ولی اللہ دہلوی

(۱۰) التحقیب علی التقریب لابن حجر (تحقیق وتخریج)

(۱۱) فہرست احادیث اخبار اصبہان

(۱۲) فہرست احادیث الفقیہ المتفقة

(۱۳) فہرست احادیث الموضوع للخطیب

(۱۴) فہرست معجم الصغیر للطبرانی

(۱۵) امام دار قطنی

(۱۶) صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین

(۱۷) قادیانی کافر کیوں؟

(۱۸) پیارے رسول کی پیاری نماز

(۱۹) امام شمس الحق محدث ڈیانوی

(۲۰) علامہ محمد حیات سندھی

(۲۱) الجرح والتعدیل

(۲۲) توضیح الکلام فی جواب احسن کلام (۲ جلد)

(۲۳) برصغیر میں تحریک اہلحدیث

(۲۴) القول الجلی فی تحقیق سماع الحسن عن علی

(۲۵) حواشی الامر المبرم

(۲۶) برصغیر (پاک وہند) علمائے اہلحدیث کی خدمات حدیث

(۲۷) امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراضات کا جائزہ

(۲۸) احادیث صحیح بخاری ومسلم رحمہ اللہ کو مذہبی داستانیں بنانے کی ناکام کوشش

(۲۹) مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینے میں

۳۰۔ مسئلہ قربانی اور پرویز

۳۱۔ عدالت صحابہ

مولانا اثری کے علمی و تحقیقی مقالات ہفت روزہ ''الاعتصام'' ماہنامہ محدث لاہور اور ترجمان الحدیث فیصل آباد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

آپ بڑے خوش اخلاق اور حلیم الطبع ہیں۔ جب بھی راقم سے ملتے ہیں بڑی محبت سے ملتے ہیں۔

حافظ صلاح الدین یوسف

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف بن حافظ عبدالشکور ۱۹۴۵ء میں ریاست جے پور (راجستھان) میں پیدا ہوئے۔

قیام پاکستان پر کراچی تشریف لائے۔ آپ دینی تعلیم کے حصول کے لیے جامعۃ العلوم سعودیہ کراچی میں داخل ہوئے اور سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد آپ مزید تعلیم کے حصول کے لیے لاہور تشریف لے آئے اور دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں داخل ہوئے۔ اور شیخ الحدیث مولانا محمد اسحاق حسینوی، مولانا حافظ عبدالرشید گوہڑوی اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے استفادہ کیا۔

سب سے زیادہ اکتساب فیض آپ نے مولانا عطاء اللہ حنیف سے کیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا عطاء اللہ حنیف ان کو اپنے ادارہ الدار الدعوۃ السلفیہ میں لے گئے اور اپنی نگرانی میں ان کی بہت زیادہ تربیت کی۔

حافظ صاحب نے اپنی تصنیف ''خلافت وملوکیت تاریخی وشرعی حیثیت'' بجواب مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' مولانا عطاء اللہ حنیف کی زیرنگرانی تالیف کی۔

علاوہ ازیں حافظ صاحب نے **تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ** کی جلد چہارم قاری نعیم الحق نعیم مرحوم کے ساتھ مل کر مکمل کی۔

حافظ صاحب کی دوسری تصانیف یہ ہیں:

① اہل حدیث اور اہل تقلید ② اسلامی معاشرت ③ توحید اور شرک کی حقیقت
④ حد رجم کی شرعی حیثیت ⑤ عورتوں کے امتیازی مسائل و قوانین
⑥ مسنون نماز ⑦ ماہ محرم اور موجودہ مسلمان
⑧ مسنون نکاح اور شادی بیاہ کی رسومات
⑨ مفرور لڑکیوں کے نکاح اور ہماری عدالتیں
⑩ تمیمۃ الصبیح (تسہیل و تدوین) نواب سید صدیق حسن خاں

حافظ صلاح الدین یوسف کئی سال ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور کے ایڈیٹر رہے۔ آپ مسائل حاضرہ پر بڑے اچھے انداز میں تبصرہ فرماتے ہیں اور آپ کے اداریے علمی حلقوں میں بہت پسند کیے جاتے تھے۔

کچھ مدت ہفت روزہ "تنظیم اہلحدیث" کے بھی مدیر رہے۔

حافظ صاحب وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد کے مشیر بھی ہیں اور پاکستان کی بیشتر علمی و تحقیقی کانفرنسوں میں شرکت کرتے ہیں۔ ان کانفرنسوں میں آپ علمی و تحقیقی مقالات پڑھتے ہیں اور آپ کے یہ مقالات بڑے معلوماتی ہوتے ہیں۔

آج کل حافظ صاحب مکتبہ دارالسلام الریاض (سعودی عرب) سے وابستہ ہیں۔ مکتبہ دارالسلام کے زیر اہتمام آپ نے جو علمی خدمات انجام دے رہے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

① تفسیر احسن البیان: سلفی عقائد کی روشنی میں آپ نے یہ تفسیر لکھی ہے۔ علمی حلقوں نے اس تفسیر کو بہت پسند کیا ہے۔ **دینی ادب میں آپ کا اسلوب نگارش ایک انفرادیت کا حامل ہے۔**

② ترجمہ مع فوائد و حواشی ریاض الصالحین از امام نووی

(۳) ترجمہ بلوغ المرام از ابن حجر عسقلانی

حافظ صاحب بڑے خلیق، ملنسار، شریف النفس، حلیم الطبع، کم سخن، زہد و ورع کا پیکر اور تقویٰ وطہارت کا مجسمہ ہیں۔ جامع مسجد اہلحدیث مدنی مصطفیٰ آباد کے خطیب بھی ہیں۔ راقم کو جب ملتے ہیں بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔

محمد اسحاق بھٹی

مولانا محمد اسحاق بھٹی بن میاں عبدالمجید مرحوم جماعت اہلحدیث کے ممتاز عالم دین، مؤرخ، ادیب، دانشور، نقاد، محقق اور صحافی ہیں۔ ۱۹۲۲ء میں ریاست کوٹ کپورہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مرحوم کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ تمام علوم آلیہ و عالیہ کی تحصیل آپ نے مولانا بھوجیانی سے کی۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل السلفی اور حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی سے بھی مستفیض ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد جڑانوالہ ضلع فیصل آباد کے ایک چک میں آباد ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں جمعیۃ اہلحدیث مغربی پاکستان کی تشکیل ہوئی تو مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کی سفارش پر مولانا سید محمد داؤد غزنوی نے بھٹی صاحب کو ناظم دفتر جمعیۃ اہلحدیث مقرر کیا۔ اس وقت ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں بھی ان کو مولانا محمد حنیف ندوی کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔

مولانا محمد حنیف ندوی ''الاعتصام'' کے پہلے ایڈیٹر تھے اور کافی عرصہ ایڈیٹر رہے اور جب مولانا ندوی ادارہ ثقافت سے وابستہ ہو گئے تو بھٹی صاحب کو ''الاعتصام'' کا ایڈیٹر مقرر کیا گیا۔ یہاں آپ تقریباً ۱۶ سال اس کے ایڈیٹر رہے۔ اس کے بعد بھٹی صاحب بھی ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستہ ہو گئے اور وہاں ادارہ کے علمی جریدے سہ ماہی ''المعارف'' کے ایڈیٹر رہے۔

مولانا بھٹی ''اہلحدیث'' لاہور اور ''توحید'' لاہور کے بھی ایڈیٹر رہے ہیں)۔خود بھی بھٹی صاحب نے ۱۹۵۸ء سہ روزہ ''منہاج'' جاری کیا اور یہ اخبار صرف ۱۴ ماہ جاری رہا۔آج کل آپ ''الاعتصام'' کی مجلس ادارت میں شامل ہیں۔

بھٹی صاحب ایک کہنہ مشق صحافی اور ادیب ہیں۔علوم اسلامیہ، خاص کر تاریخ پر ان کو بہت زیادہ عبور ہے اردو دائرہ المعارف الاسلامیہ میں بھی آپ کے کئی مقالات شامل ہیں۔

قدرت کی طرف سے بڑے اچھے دل و دماغ لے کر پیدا ہوئے ہیں۔رزین فکر، دردمند دل اور سلجھا ہوا دماغ پایا ہے۔ذہانت و ذکاوت کے ساتھ قوت حافظہ کی نعمت سے بہرہ ور ہیں۔ٹھوس اور قیمتی مطالعہ ان کا سرمایہ علم ہے تاریخ پر گہری اور تنقیدی نظر رکھتے ہیں۔برصغیر کی سیاست سے نہ صرف باخبر ہیں بلکہ ہر قومی وملی، دینی و مذہبی اور سیاسی تحریکات سے واقف ہیں۔ہر تحریک کے قیام اور اس کے پس منظر سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ہر تحریک کے بارے میں اپنی ایک ناقدانہ رائے رکھتے ہیں۔جماعت اسلامی کا قیام جب عمل میں آیا تو اس میں ۷۰ علمائے کرام شامل ہوئے تھے۔بھٹی صاحب بھی اس میں شامل تھے۔اور سب سے کم عمر تھے۔جو اس مجلس میں شریک ہوئے تھے۔جماعت اہلحدیث کی تاریخ سے بھٹی صاحب کو مکمل آگاہی ہے اور پرانے واقعات اپنے حافظہ کی بنا پر بیان کرتے ہیں۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ سے ریٹائرمنٹ کے بعد بھٹی صاحب نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔آج کل اپنا وقت تصنیف و تالیف ہی میں گزار رہے ہیں۔بھٹی صاحب کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) کتاب الفہرست ابن الندیم کا اُردو ترجمہ (۲) فقہائے ہند (۹ جلد)
(۳) ارمغانِ حنیف (مولانا محمد حنیف ندوی کی سوانح حیات)
(۴) برصغیر کے اولین نقوش (۵) نقوش عظمت رفتہ
(۶) بزمِ ارجمنداں (۷) کاروان سلف
(۸) میاں فضل حق اور ان کی خدمات (۹) قصوری خاندان

(۱۰) چہرہ نبوت قرآن کے آئینہ میں۔ (مولانا محمد حنیف ندوی کی نامکمل کتاب، کی تکمیل)

(۱۱) محفل خردمنداں (۱۲) لشکر اسامہ بن زید (ترجمہ)

(۱۳) سیرت قاضی محمد سلیمان منصور پوری (۱۴) سفرنامۂ حجاز

(۱۵) تحریک پاکستان میں علمائے اہلحدیث کی سیاسی خدمات

(۱۶) سوانح صوفی محمد عبداللہ وزیر آبادی

مولانا محمد اسحاق بھٹی بڑے بااخلاق، باذاق، ملنسار، متواضع اور مہمان نواز ہیں۔ راقم آثم کے تقریباً ۴۰ سال سے تعلقات ہیں۔ جو پہلے دن تھے اب بھی اسی طرح ہیں۔ خدا خوش رکھے۔

بشیر انصاری

مولانا بشیر انصاری بن میاں کریم بخش ۱۸/ستمبر ۱۹۳۲ء بمطابق ۱۶/جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ ضلع امرتسر کے ایک قصبہ بھگواں متصل جنڈیالہ میں پیدا ہوئے۔ پاکستان معرض وجود میں آیا تو آپ کا خاندان ہجرت کر کے گوجرانوالہ میں آباد ہو گیا۔

انصاری صاحب کی عصری تعلیم ایم اے اردو اور ایم اے علوم اسلامیہ ہے۔ دینی تعلیم جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں حاصل کی۔

آپ نے جن اساتذۂ کرام سے اکتساب فیض کیا، ان کے نام یہ ہیں:

مولانا محمد علی جانباز، حافظ فتح محمد فتحی اور قاری محمد یحییٰ بھوجیانی۔ انصاری صاحب شروع ہی سے صحافت سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں جب اسلامیہ کالج گوجرانوالہ میں زیر تعلیم تھے، تو کالج میگزین ''المیزان'' کے مدیر مقرر ہوئے۔

آپ ہفت روزہ ''الیوم'' لاہور، ہفت روزہ ''الاسلام'' لاہور کے مدیر اعلیٰ رہے ہیں۔

آج کل آپ ہفت روزہ ''اہلحدیث'' لاہور کے مدیر اعلیٰ ہیں ماہنامہ ''ترجمان الحدیث'' لاہور اور ماہنامہ ''وَالضحیٰ'' گوجرانوالہ کے مجلس ادارت کے رکن رہے ہیں۔

انصاری صاحب ایک کہنہ مشق صحافی ہیں۔ ان کے اداریے بڑے جاندار اور معلوماتی ہوتے ہیں۔ حالات پر بڑے اچھے انداز میں تبصرہ کرتے ہیں۔ بحیثیت مدیر الاسلام اور اہلحدیث کئی دفعہ حکومت سعودیہ کی دعوت پر ''سعودی عرب'' کا دورہ کر چکے ہیں علاوہ ازیں ایک دو دفعہ لندن بھی تشریف لے گئے۔ کبھی کبھی ان کے علمی و تحقیقی مقالات بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان کی ایک کتاب ''تحریک اہلحدیث افکار و خدمات'' شائع ہو چکی ہے۔

انصاری صاحب بڑے ملنسار، خوش اخلاق اور متواضع ہیں۔ جب بھی ملتے ہیں بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔ مہمان نواز بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوش رکھے۔

محمد خالد سیف

مولانا محمد خالد سیف بن محمد ادریس بن مولانا محمد بن مولانا محمد حنیف ۱۹۵۰ء مطابق ۱۳۶۹ھ چک ۳۶ رگ ب ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ مولانا محمد خالد سیف صاحب علم، محقق اور جید عالم دین ہیں۔ آج کل آپ اسلامی نظریاتی کونسل میں چیف مترجم ہیں۔

عصری تعلیم بی اے ہے اور پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل بھی ہیں۔ دینی تعلیم جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد میں حاصل کی۔ آپ نے مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا شریف اللہ خاں سواتی، مولانا محمد عبداللہ جھال خانوآنہ، مولانا محمد عبدہٗ، مولانا پیر محمد یعقوب قریشی اور مولانا محمد صادق خلیل سے اکتساب کیا۔

تکمیل تعلیم کے بعد ۲ سال دارالعلوم رحمانیہ چک ۳۶ رگ ب میں تدریسی فرائض ... کے بعد ۲ سال تک ادارہ علوم اثریہ اور ایک سال تک جامعہ سلفیہ فیصل آباد ... تدریسی خدمات

انجام دیں۔

مولانا محمد خالد سیف تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ عربی سے اردو ترجمہ کرنے میں ان کو خاصی مہارت ہے۔ علاوہ ازیں بڑے صاحب تحقیق عالم دین ہیں۔ آپ کی تصانیف و تراجم حسب ذیل ہیں:

① مختصر سیرۃ رسول ﷺ
② بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام مع حواشی تعلیقات
③ تربیت نسواں
④ اسلام کا نظام تعزیرات
⑤ وسیلہ کے انواع و احکام
⑥ ائمہ سلف اور اتباع سنت (تالیف امام ابن تیمیہؒ۔ ترجمہ غلام احمد حریری، تخریج محمد خالد سیف)
⑦ کتابت حدیث تا عہد تابعین
⑧ تذکرۂ شہید
⑨ ترتیب کلام شاہ اسماعیل شہیدؒ
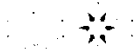
فصل دوم

۱ امیر حسن سہسوانی
۲ امیر احمد سہسوانی
۳ نواب صدیق حسن خاں
۴ نواب نور الحسن خاں
۵ نواب علی حسن خاں
۶ عبدالرحیم مبارکپوری
۷ عبدالرحمٰن مبارکپوری
۸ عبدالسلام مبارکپوری
۹ عبیدالرحمٰن مبارکپوری
۱۰ عبیداللہ مبارکپوری
۱۱ نور حسین گھرجاکھی
۱۲ خالد گھرجاکھی
۱۳ عبدالجبار کھنڈیلوی
۱۴ عبدالخالق رحمانی
۱۵ مولوی حاکم الدین
۱۶ ہدایت اللہ سوہدروی
۱۷ محمد بن ابراہیم جوناگڑھی
۱۸ محمد سلیمان جوناگڑھی
۱۹ محمد اسماعیل سلفی
۲۰ حکیم محمود سلفی
۲۱ حافظ عبدالغفور
۲۲ محمد مدنی
۲۳ عبدالحمید عامر
۲۴ عطاء اللہ حنیف
۲۵ حافظ احمد شاکر

سید امیر حسن سہوانی

مولانا سید امیر حسن سہوانی علمائے فحول میں سے تھے۔ ۱۲۴۳ھ میں سہوان (Sahswan) میں پیدا ہوئے۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل مولانا شاہ عبدالجلیل علی گڑھی، مولانا قاضی بشیر الدین قنوجی، صدر الدین آزردہ دہلوی، شیخ عبدالحق محدث بنارسی اور مولانا شاہ عبدالغنی مجددی سے کی۔ اور حدیث کی تعلیم حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی سے حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد سہوان واپس آئے اور اپنے دولت کدہ پر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ بعد میں سوداگران دہلی کے اصرار پر دہلی تشریف لے گئے اور کچھ مدت دہلی میں تدریس فرمائی۔ اس کے بعد میرٹھ تشریف لے گئے۔ وہاں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی اور برسوں اس مدرسہ میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

بعد میں آپ سہوان واپس آ گئے۔ اور مسجد علی شاہ میں وعظ و تبلیغ اور درس قرآن کا سلسلہ جاری کیا۔ اور آپ علی گڑھ بھی جاتے۔ وہاں بھی آپ وعظ و تبلیغ اور درس قرآن دیتے۔

مولانا سید امیر حسن سہوانی بلند پایہ عالم دین، معلم اور متکلم تھے۔ آپ کا عیسائی پادری اسکاٹ مقیم بریلی سے مناظرہ ہوا اور پادری اسکاٹ نے باوجود فطری تعصب کے آپ کے علمی تبحر کا اعتراف کیا۔ جب مولانا امیر حسن سہوانی کا ارتحال ہوا تو پادری اسکاٹ لندن میں تھے۔ انہوں نے آپ کی خبر وفات پڑھ کر اخبارات میں آپ کی فضیلت اور تبحر علمی پر مضمون لکھا۔

تصنیف:

مولانا سید امیر حسن نے تصنیف میں ایک کتاب ''براہین اثنا عشر'' لکھی اس کتاب کی

تالیف کا پس منظر یہ ہے:

مولانا شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی نے تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین'' کے نام سے ایک کتاب عربی میں لکھی۔ اس کتاب میں حضرت شاہ شہید دہلوی نے اثبات رفع الیدین کے بارے میں احادیث جمع کیں اور ساتھ ہی آمین بالجہر اور قرأۃ فاتحہ خلف الامام اور تقلید کی تردید میں اشارات فرمائے۔

مقلدین احناف کو اس کتاب کی اشاعت سے بہت ناگواری محسوس ہوئی اور ان کی نیندیں حرام ہوگئیں۔ چنانچہ مولوی شاہ محمد پٹنی بریلوی جو ایک غالی مقلد تھے۔ اس کے جواب میں ''تنویر الحق'' کے نام سے کتاب لکھی۔ ''تنویر الحق'' کے جواب میں حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی نے ''معیار الحق'' کے نام سے کتاب لکھی۔ جسے اہل علم نے بہت پسند کیا اور اس کی بہت تعریف و توصیف کی۔

''معیار الحق'' کی اشاعت سے علمائے تقلید بوکھلا گئے اور پہلے سے زیادہ تیغ پا ہو گئے۔ چنانچہ ''معیار الحق'' کے جواب مولوی ارشاد حسین رامپوری جو ایک غالی مقلد تھے۔ ''انتصار الحق'' کے نام سے جواب دیا۔

''انتصار الحق'' کس پایہ کی کتاب تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

> ''مجھ پر معیار الحق کی سنجیدہ اور وزنی بحث کا بہت اثر پڑا اور صاحب انتصار الحق کا علمی ضعف صاف نظر آ گیا۔''

''انتصار الحق'' کی تردید میں حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کے چار تلامذہ نے جواب لکھے۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

① براہین اثناء عشر	مولانا سید امیر حسن سہسوانی
② تلخیص الانظار	مولانا سید احمد حسن دہلوی
③ البحر الذخار	مولانا شہود الحق عظیم آبادی

۴) اختیار الحق مولانا احتشام الدین مراد آبادی

مولانا سید امیر حسن سہسوانی نے ایک دن میں انتصار الحق کا جواب لکھا تھا۔ مولانا سید امیر حسن نے ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء میں انتقال کیا۔

سید امیر احمد سہسوانی

مولانا سید امیر احمد بن سید امیر حسن ۱۲۶۲ھ میں سہسوان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عربی و فارسی کی کتابیں اور صرف و نحو کی تحصیل اپنے والد مولانا سید امیر حسن سہسوانی سے کی۔ اس کے بعد مولوی قلندر علی سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد دہلی تشریف لے گئے اور مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی سے تفسیر و حدیث کی تحصیل کی۔

مولانا سید امیر احمد سہسوانی کامل الفن عالم تھے۔ تمام علوم میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا اور قوی الحفظ تھے۔ عربی ادب و لغت میں ان کو کمال حاصل تھا۔ فلسفہ و منطق اور حکمت میں مکمل دسترس تھی۔ بہت بڑے متکلم اور مناظر تھے۔

مولانا سید امیر احمد بڑے عمدہ مصنف تھے۔ ان کی تصانیف یہ ہیں:

۱) نقض الاباطیل فی الذب عن الشیخ اسماعیل (اُردو)

۲) ذو الجلّة فی حکم الصلوٰة علی العجلة (اُردو)

مولانا سید امیر احمد سہسوانی نے ۱۳۰۶ھ مطابق ۱۸۸۸ء میں انتقال کیا۔

نواب سید صدیق حسن خاں

محی السنۃ امیر الملک والا جاہ السید نواب صدیق حسن خاں کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ کا شمار علمائے فحول میں ہوتا ہے۔ آپ بیک وقت مفسر، محدث، فقیہہ، مؤرخ اور عربی، فارسی اور اُردو کے بلند پایہ ادیب تھے۔ تمام علوم اسلامیہ میں ان کو مکمل دستگاہ حاصل تھی۔ دوسرے معنی میں آپ علوم اسلامیہ کا بحر ذخار تھے۔ ان کے علمی تبحر اور تمام علوم میں ان کی ژرف نگاہی کا اندازہ ان کی تصانیف سے ہوتا ہے۔

مولانا سید نواب صدیق حسن خاں کا تعلق قنوج سے تھا۔ مگر آپ کی پیدائش بانس بریلی میں ہوئی۔ جہاں آپ کا ننھیال تھا۔ تاریخ ولادت ۱۹؍ جمادی الاخری ۱۲۴۸ھ ہے اور آپ حسینی سادات کے خاندان سے تھے۔ ۳۳ واسطوں سے آپ کا شجرہ نسب آنحضرت ﷺ تک پہنچتا ہے۔

صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ بن عزیز اللہ آپ کے والد مولانا سید اولاد حسن کا شمار ممتاز علمائے کرام میں ہوتا ہے۔ پہلے شیعہ تھے۔ مولوی عبدالباسط بن مولوی رستم علی کی تحریک سے شیعہ مذہب سے علیحدگی اختیار کی۔ مولانا مرزا حسن علی ہاشمی محدث اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے استفادہ کیا اور مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی سے بھی اکتساب فیض کیا۔ بعد ازاں امیر المؤمنین حضرت السید احمد شہید بریلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت سے سرفراز ہوئے اور اس کے بعد اسلام کی نشر و اشاعت اور توحید و سنت کی ترقی و ترویج میں اپنی زندگی صرف کر دی۔ ۱۲۵۳ھ بمطابق ۱۸۳۸ء میں انتقال کیا۔

حضرت مولانا سید نواب صدیق حسن خاں کے ایک بڑے بھائی مولانا سید احمد حسن عرشی تھے۔ ان کا شمار بھی ممتاز علمائے کرام میں ہوتا ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا سید اولاد حسن سے حاصل کی۔ بعد ازاں حضرت شاہ عبدالجلیل سے علوم اسلامیہ میں تکمیل کی۔

اس کے بعد حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ میں حضرت شیخ عبدالغنی مجددی اور شیخ محمد عابد سندھی سے حدیث میں استفادہ کیا۔ تمام علوم اسلامیہ میں ان کو کمال حاصل تھا۔ عمل بالسنۃ کے بڑے شیدائی تھے۔ تصنیف میں بلوغ المرام کی شرح اور ردّ تقلید میں شہاب ثاقب کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۷ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۸۶۰ء کو ۳۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

آغاز تعلیم:

مولانا نواب سید صدیق حسن خان ۵ سال کے تھے کہ ان کے والد مولانا سید اولاد حسن خاں نے انتقال کیا۔ تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے ہوا۔ ان کے پہلے استاد ان کے برادر اکبر مولانا سید احمد حسن عرشی تھے۔ اس کے بعد ابتدائی عربی و فارسی کی کتابیں مولوی سید احمد علی فرخ آبادی، مولوی محمد حسین شاہ جہان پوری، محمد مراد بخاری اور مولوی محب اللہ پانی پتی سے پڑھیں۔

دارالعلوم دہلی میں:

۱۲۶۹ھ میں نواب صاحب دہلی تشریف لے آئے اور فاضل اجل مفتی صدر الدین دہلوی کی خدمت میں ایک سال ۸ ماہ رہ کر علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا۔

اساتذہ حدیث:

مولانا سید نواب صدیق حسن خان نے حدیث کی تعلیم جن اساتذہ کرام سے حاصل کی ان کے نام یہ ہیں:

شیخ زین العابدین بن محسن بن محمد السبیعی الانصاری، شیخ عبدالحق محدث بنارسی تلمیذ امام شوکانی، شیخ یحییٰ بن محمد احمد بن حسن الحازی (قاضی عدن)، شیخ العلامہ سید نعمان خیر الدین آلوسی (مفتی بغداد)، شیخ العلامہ حسین بن محسن الانصاری الیمانی، مولانا شاہ محمد یعقوب

دہلوی نبیرہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔

فراغت تعلیم کے بعد:

۲۱ سال کی عمر میں نواب صاحب علوم متداولہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن قنوج پہنچے اور قنوج میں چند ماہ قیام کے بعد بہ سلسلہ تلاش معاش آپ بھوپال تشریف لے گئے۔ بھوپال کا اس وقت علم پروری میں غلغلہ بلند تھا۔ چنانچہ نواب صاحب تیس روپے ماہوار پر ملازم ہو گئے مگر ایک سال بعد ملازمت سے سبکدوش کر دیئے گئے اور نواب صاحب واپس قنوج چلے گئے۔ بعد میں دوبارہ بھوپال تشریف لے گئے۔ مگر اس بار بھی بھوپال میں ان کا قیام زیادہ عرصہ نہ رہا اور آپ ریاست ٹونک تشریف لے گئے اور بمبلغ پچاس روپے ماہوار پر ملازم ہو گئے۔ تیسری مرتبہ صفر ۱۲۷۶ھ میں بھوپال پہنچے اور اب کی بار ان کا قیام مستقل طور پر بھوپال میں ہو گیا۔ مدارالمہام منشی محمد جمال الدین کی صاحبزادی سے نکاح بھی ہو گیا اور دوسری طرف حضرت نواب صاحب کے قیام کی ایک مستقل صورت اس طرح پیش آئی کہ نواب شاہ جہاں بیگم صاحب رئیسہ بھوپال نے جو بیوہ ہو چکی تھیں ان سے نکاح کر کے شریک امور سلطنت بنا لیا۔ جس کی وجہ سے آپ دین و دنیا کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے اور اس کی بدولت دین اسلام کی خدمت میں وہ حصہ لیا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

علمی خدمات:

مولانا سید نواب صدیق حسن خان نے اشاعت دین اسلام، توحید و سنت کی ترقی و ترویج اور شرک و بدعت کی تردید و توبیخ میں جو گرانقدر علمی خدمات سرانجام دیں، وہ تاریخ اہلحدیث کا ایک زریں باب ہے۔ قرآن و حدیث کی اشاعت میں آپ کی خدمات نمایاں ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

علمائے اہلحدیث کی تدریسی و تصنیفی خدمات بھی قدر کے قابل ہیں۔ پچھلے عہد میں نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے قلم اور مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی تدریس سے بڑا فیض پہنچا، بھوپال ایک زمانہ تک علمائے حدیث کا مرکز رہا۔ قنوج، سہسوان اور اعظم گڑھ کے بہت

سے نامور اہل علم اس ادارہ میں کام کررہے تھے۔ شیخ حسین عرب یمنی ان سب کے سرخیل تھے۔

حضرت نواب صاحب مرحوم ومغفور نے زر کثیر صرف کرکے فتح الباری شرح صحیح بخاری، تفسیر ابن کثیر مع فتح البیان فی مقاصد القرآن، اور نیل الاوطار چھپوا کر علمائے اسلام میں مفت تقسیم کیں۔

تصانیف:

مولانا سید نواب صدیق حسن خاں نے عربی، فارسی اور اُردو میں ۲۲۲ کتابیں لکھیں۔ مولوی ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی نے ان کی تفصیل حسب ذیل جدول کے مطابق ''تراجم علمائے حدیث ہند'' میں نقل کی ہے:

نام فن	تعداد
تفسیر	۶
حدیث	۳۳
عقائد	۳۰
فقہ	۲۳
تردید تقلید	۱۱
سیاست	۶
تاریخ وسیر	۲۲
مناقب	۱۳
علوم وادب	۲۲
تردید شیعیت	۱
تصوف واخلاق	۵۵
میزان	۲۲۲

نواب صاحب کی بہترین تصانیف:

حضرت نواب صاحب مرحوم خود فرماتے ہیں کہ میری تالیفات میں جو کتابیں معتبر یا علمُ الھُدٰی کا درجہ رکھتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ فتح البیان فی مقاصد القرآن
۲۔ عون الباری
۳۔ السراج الوہاج
۴۔ حضرات التجلی
۵۔ التاج المکلل
۶۔ مسک الختام
۷۔ نیل المرام
۸۔ الکلیل الکرامہ
۹۔ حصول المامول
۱۰۔ ذخر المحتی
۱۱۔ الروضۃ الندیہ
۱۲۔ ظفر اللاضی
۱۳۔ الجنة فی الاسوة الحسنة
۱۴۔ رسالہ دوزخ
۱۵۔ نزل الابرار
۱۶۔ افادۃ الشیوخ بقدر الناسخ والمنسوخ
۱۷۔ بدور الاہلہ
۱۸۔ تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار
۱۹۔ حجج الکرامہ
۲۰۔ دلیل الطالب
۲۱۔ ریاض المرتاض
۲۲۔ ضوء الشمس
۲۳۔ خیرة الخیرہ
۲۴۔ لسان العرفان
۲۵۔ الدر رالبهیه
۲۶۔ الانتقاد الرجیح فی شرح الاعتقاد الصحیح
۲۷۔ الحطّه فی ذکر الصحاح ستّه
۲۸۔ رسالة ذم علی الکلام
۲۹۔ اربعون اخبار متواتره
۳۰۔ المعتقد المنقد
۳۱۔ اجوبة یعض الاسئلة
۳۲۔ رسالہ احتویٰ
۳۳۔ اتحاف النبلاء

۳۴۔ الاکسیر فی اصول التفسیر ۳۵۔ ترجمان القرآن

۳۶۔ ابجد العلوم ۳۷۔ ابقاء المنن بالقاء المحن

۳۸۔ فتح العلام بشرح بلوغ المرام

۳۹۔ لقطه العجلان مماتمس الی معرفته حاجته الانسان

۴۰۔ الروض البسام من ترجمه بلوغ المرام

نواب صاحب نے ۲۹؍ جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۷؍ فروری ۱۸۹۰ء بھوپال میں انتقال کیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ط

نواب نورالحسن خاں

رضی الدولہ صمصام الملک نواب سید نورالحسن خاں حضرت والا جاہ امیر الملک مولانا سید نواب صدیق حسن خاں کے فرزند اکبر تھے۔

مولانا سید عبدالحی الحسنی لکھتے ہیں کہ:

مولانا نواب نورالحسن خاں امیر الملک والا جاہ نواب سید صدیق حسن خاں کے بڑے بیٹے تھے۔ ۲۰؍ رجب ۱۲۷۸ھ کو بھوپال میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد دیگر علماء و محدثین سے علوم آلیہ و عالیہ کی تحصیل کی اور افتخار الشعراء حافظ خان محمد خاں شہیر سے مشق سخن کی۔

ایک مدت تک اپنے والد اور نواب شاہ جہاں بیگم عالیہ بھوپال کے سایہ عاطفت میں نہایت عیش و آرام سے زندگی بسر کی۔ بچپن ہی سے مزاج میں بے تعلقی اور وارفتگی تھی۔ جمال الدین خاں کے بعد نواب شاہ جہاں سے بیگم مرحومہ نے چاہا کہ ان کو مدار المہام مقرر کریں۔ مگر اس کو منظور نہیں کیا۔ حقائق و معارف کے دلدادہ تھے۔ مطالعہ یا مذاکرہ میں صرف اوقات

کو پسند کرتے تھے۔

نواب شاہ جہان بیگم کے انتقال کے بعد لکھنؤ میں آ کر بود و باش اختیار کی اور اسی بے تعلقی اور وارفتگی میں زندگی بسر کر دی۔ آخیر زمانہ میں گوناگوں امراض میں مبتلا ہو جانے خصوصاً اختلاج قلب اور خفقان کی وجہ سے کاوش فکر کی عادت جاتی رہی تھی۔ مگر اس پر بھی تھوڑے تامل کے بعد نہایت آبدار شعر کہہ لیتے، زود نویس ایسے تھے کہ جب بیٹھ جاتے تو جز دو جز ایک جلسہ میں لکھ کر اٹھتے۔ زود نویسی کے ساتھ شیریں قلم بھی تھے۔ اور ان دونوں باتوں میں اپنے والد ماجد کی یادگار تھے۔ ذہن نہایت سلیم تھا۔ حافظہ کی کیفیت یہ تھی کہ ۳۰/۲۵ برس پہلے حدیث شریف کی کتابیں پڑھی تھیں۔ مگر موقع آ جاتا تو متن اور اسناد کے ساتھ روایت پیش کر دیتے۔

فیاضی اور سیر چشمی میں اپنے نانا (منشی محمد جمال الدین خاں مدار المہام) کے نظیر تھے۔ امیر، فقیر، بچہ، بوڑھا جو آتا اس کو کچھ دیئے بغیر نہ رہتے اور دینا بھی ایسا جو اس کے مناسب حال ہو اور دیتے بھی اس طرح کہ ایک ہاتھ سے دیں اور دوسرے کو خبر نہ ہو۔ ان کے بچوں کو معلوم نہ تھا کہ بیوی کو کیا دیا اور بیوی کو معلوم نہ تھا کہ بیٹی کو کیا دے آئے ہیں۔ اسی پر باہر والوں کا قیاس کرو۔

بڑی خصوصیت ان کے دینے کی یہ تھی کہ دیتے اس طرح سے تھے کہ لینے والے کو شرمندگی ہوتی اور اس کو بغیر لیے نہ بن پڑتا۔ دینے کی اور کوئی تدبیر نہ بن پڑتی تو جس کو کچھ دینا ہوتا اس کی شکستہ اور بوسیدہ چیز کی تعریف کرتے اور کہتے کہ یہ مجھے پسند ہے، میری فلاں چیز سے بدل لیجیے۔ وہ کہتا کہ بدلنے کی کیا ضرورت ہے آپ اس کو یونہی قبول فرمائیے۔ تو اس کو نہ مانتے اور بدل کر چھوڑتے اور اس کو دوسرے وقت کسی اور حاجت مند کو دے دیتے۔

دسترخوان بڑا وسیع تھا اور مزے دار کھانوں کے تیار کرانے کا شوق تھا۔ اپنے باورچی خانہ میں ہر روز طرح طرح کے کھانے پکائے جانے کا حکم دیتے۔ علاوہ اس کے شہر میں جہاں کہیں ہوشیار کابدار آ جاتا تو بلا کر اس سے پکواتے۔ یا عرب و عجم سے کوئی سیاح آ جاتا تو اس

سے ترکیبیں پوچھتے اور پکانے کی فرمائش کرتے اور بے تکلف دوستوں کو مدعو کر کے خود بہت کم کھاتے، مگر دوسروں کو اصرار کر کے کھلاتے۔

مرنے سے تقریباً ۱۵ سال پہلے مجھ سے شناسائی ہوئی۔ اور وہ یوماً فیوماً اتنی کہ ان کو بغیر مجھ سے ملے چین نہ آتا تھا۔ ہر روز ایک دو بار ضرور تشریف لاتے۔ اور گھڑیوں بیٹھتے اور اس فکر میں رہتے کہ مجھ کو ساتھ لے جائیں۔

گھر میں اگر کسی کو چھینک آ گئی اور ان کو معلوم ہو گیا تو فوراً تشریف لاتے اور کہتے کہ چلیے کہ فلاں مریض کو دکھانا ہے۔ وہاں پہنچتے تو اکثر ایسا ہوتا کہ علمی اذکار یا کھانے پینے کے شغل میں سارا وقت کٹ جاتا اور کسی مریض کو دیکھنے کی نوبت نہ آتی اور کچھ بہانہ نہ ملتا۔ تو حسب معمول صبح سے آ کر مطب میں بیٹھ جاتے۔ جس وقت بھیڑ چھٹ جاتی۔ کہتے کہ میں نے فلاں کتاب نئی منگوائی ہے چل کر دیکھو یا میں نے تمہارے لیے خاص کر فلاں فلاں کھانے پکوائے ہیں۔ غرض کہ ہر روز کوئی نہ کوئی بہانہ لے جانے کا تلاش کر لیتے۔ مگر باوجود اس کے کہ ہر وقت یکجائی رہتی۔ دور باش اور ادب کا رکھ رکھاؤ اخیر وقت تک قائم رکھا۔ جس سے زیادہ تصور میں نہیں آ سکتا۔ میں ان سے عمر میں چھوٹا اور فضیلت علمی میں کم پایہ تھا۔ مگر محبت کا قانون نرالا قانون ہے۔ خدا جانے کیوں وہ میرا ادب کرتے تھے۔ گاڑی میں کبھی میرے پاس نہیں بیٹھے۔ میرے سامنے کبھی ننگے سر نہیں بیٹھے۔ مرض الموت میں بھی باوجود شدت تنفس کے جس وقت گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کرتے اور خود نہ اٹھ سکتے تو آدمیوں کو حکم دیتے کہ وہ اٹھا کر بٹھا دیں۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ اس وضعداری کو اب ترک کر دیں۔ مگر نہیں مانا۔ صرف اس وقت لیٹے۔ جب سکرات کی حالت میں اٹھ نہ سکتے تھے اور حیف صد ہزار کہ گنج خوبی محرم ۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۹۱۸ء کو پیوند زمین ہو گیا۔

تصانیف:

مولانا سید نور الحسن خاں عالم، ادیب، شاعر اور بہت نقاد تھے۔ عربی، فارسی اور اُردو میں دسترس تھی۔ شعر و سخن سے بھی بہت دلچسپی تھی۔ آپ فارسی اور اُردو میں شعر کہتے تھے۔

شعراء میں خواجہ میر درد سے بہت زیادہ عقیدت تھی اور خواجہ میر درد کی بہت سی کتابیں سرکار عالیہ بھوپال سے کہہ کر چھپوائیں۔

آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) الرحمته المهداة الى من يزيد بزيادة العلم على احاديث المشكوٰة (عربی)

(۲) منتخب علم اليوم والليله لابن السنى (عربی)

(۳) انوار المشارق (عربی)

(۴) الجوائز والصلوٰة من جميع الاسامى والصفات (عربی)

(۵) كتاب السننه ببشارة الجنة اهل السنة (عربی)

(۶) المنهج المقبول من شرائع الرسول (عربی)

(۷) عرف الجادی من جنان ہدی الہادی (فارسی)

(۸) سلطان الاذکار
(۹) منتخب عوارف المعارف
(۱۰) منتخب تاریخ الخلفاء
(۱۱) تذکرہ شعراء الفرس
(۱۲) تذکرہ شعراء الہند
(۱۳) نگارستان سخن (فارسی)
(۱۴) تذکرہ طور کلیم (فارسی)
(۱۵) طراز عشق (اردو) منظوم
(۱۶) مجموع لطیف

نواب علی حسن خاں

مولانا سید نواب علی حسن خاں بن مولانا سید نواب صدیق حسن خاں ۱۲۸۳ھ بمطابق ۱۸۶۶ء میں بھوپال میں پیدا ہوئے۔

۱۲۸۷ھ بمطابق ۱۸۷۰ء میں ان کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ منشی محمد جمال الدین مدار المہام

جو نواب علی حسن کے نانا تھے اور مولانا عبدالقیوم بھوپالی نے جو مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی کے داماد تھے، رسم بسم اللہ کرائی۔

مولانا سید نواب علی حسن خاں نے جن اساتذہ کرام سے علوم آلیہ و عالیہ کی تکمیل کی ان کے نام یہ ہیں:

حافظ پیر محمد صاحب، مدار المہام منشی محمد جمال الدین خاں، مولانا محمد حسن بلگرامی، مولانا سلامت اللہ جیراج پوری، مولوی الٰہی بخش مرحوم، مولانا سید ذوالفقار احمد بھوپالی، مولانا حافظ عبدالعزیز بھوپالی، مولوی عبدالرشید شوبانی کشمیری، مولانا عبدالباری سہسوانی، مولانا بدیع الزمان لکھنوی، مولانا سید نواب صدیق حسن خاں، مولانا حکیم محمد اسحاق لکھنوی، مولوی علی حسین بنگالی، حکیم معز الدین، حکیم عبدالعلی لکھنوی، منشی حسین خاں، ماسٹر فیاض الدین، ماسٹر عبدالرحمٰن بیگ، ماسٹر بھاری لعل، غلام محبوب خاں، سید امیر علی۔

تکمیل تعلیم کے بعد کچھ مدت بھوپال میں رہے۔ ۱۳۰۵ھ میں آپ کو مولانا سید نواب صدیق حسن خاں نے آپ کو اپنے آبائی مکان کی تعمیر کے لیے قنوج بھیجا۔ قنوج میں آپ کچھ دن قیام پذیر رہے اور مکان کی تعمیر مکمل کرائی۔ واپسی پر آپ مراد آباد تشریف لے گئے اور مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی بیعت ہوئے۔ اس کے بعد آپ واپس بھوپال تشریف لائے۔

نواب علی حسن خاں کا زیادہ وقت مطالعہ میں گزرتا تھا۔ عربی، فارسی، اردو اور انگریزی میں اچھی دسترس تھی۔ اس لیے زیادہ وقت مطالعہ میں گزارتے۔ نواب علی حسن خاں اصلاحی و ملی تحریکوں میں حصہ لیتے رہتے تھے۔ ۱۹۱۴ء بمطابق ۱۳۳۲ھ میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں اسٹرائیک ہوگئی۔ جس سے مسلمان لیڈروں اور مشاہیر اسلام کو سخت کوفت ہوئی۔ ان سب نے مل کر کوشش کی کہ اسٹرائیک کو ختم کرایا جائے۔ چنانچہ حکیم اجمل خاں اور مولانا محمد علی جوہر نے اس میں پوری دلچسپی لی اور دہلی میں ایک مجلس مشاورت بلائی گئی۔ اس مجلس مشاورت کا اجلاس ۱۰ رمئی ۱۹۱۴ء کو دہلی میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کی صدارت میں منعقد ہوا اور

اسٹرائیک کو ختم کرانے اور اس کے ساتھ ندوہ کے لیے ایک دستور العمل بنانے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ کمیٹی کے ارکان یہ تھے:

مسیح الملک حکیم اجمل خاں، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی، مولانا ثناء اللہ امرتسری خواجہ غلام الثقلین، نواب علی حسن خاں اور حکیم عبدالولی لکھنوی۔

۱۷ر فروری ۱۸۹۰ء میں نواب سید صدیق حسن خاں نے بھوپال میں انتقال کیا۔ اس کے بعد نواب علی حسن خاں ۱۰ سال تک بھوپال میں مقیم رہے۔ ۱۹۰۱ء میں بھوپال سے ترک سکونت کر کے لکھنو آ گئے۔ وہیں لال باغ میں ایک کوٹھی خریدی اور اس میں توسیع و اضافہ کر کے سکونت اختیار کی، جو عرصہ تک اہل علم و اہل کمال کی فرودگاہ رہی اور علمی و ملی خدمات میں مشغول ہو گئے۔

نواب علی حسن خاں کو ندوہ کی تحریک سے ہمیشہ شغف رہا۔ علامہ شبلی سے قلبی لگاؤ تھا۔ اس لیے ندوہ کے کاموں میں دلچسپی رکھتے تھے۔ مولانا سید عبدالحی الحسنی کے دورِ نظامت میں ندوہ کے معتمد مال تھے۔ مولانا عبدالحی الحسنی کے انتقال ۲ر فروری ۱۹۲۳ء کے بعد آپ ندوہ کے ناظم مقرر ہوئے اور اپنی عمر کے آخری دن تک ندوہ کے کاموں میں دلچسپی لیتے رہے۔

مولانا سید نواب علی حسن خاں نے ۳ر رمضان ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹ر نومبر ۱۹۳۶ء (۷۲ سال) کی عمر میں لکھنو انتقال کیا۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے آپ کی وفات پر معارف دسمبر ۱۹۳۶ء میں لکھا کہ:

> ”صفی الدولہ حسام الملک شمس العلماء نواب سید محمد علی حسن خاں نے ۱۹ر نومبر ۱۹۳۶ء مطابق ۳ر رمضان ۱۳۵۵ھ کی صبح کو اپنی کوٹھی بھوپال ہاؤس لال باغ لکھنو میں ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ افسوس ہے کہ ایک پرانے خاندان کے فضل و کمال اور جاہ و جلال کی یادگار آج مٹ گئی۔“

مرحوم ان لوگوں میں سے تھے جن کی آنکھوں نے مسلمانوں کے علمی و تعلیمی سیاسی و تمدنی انقلاب کے مناظر دیکھے۔ وہ پیدا تو ایک کنزرویٹو گھرانے میں ہوئے اور اسی ماحول میں تعلیم

وتربیت پائی لیکن فطرت کی طرف سے وہ ایک اثر پذیر احساس دل میں لائے تھے۔ وہ سرسید کی جدید تعلیمی تحریک اور پھر ندوۃ العلماء کی مذہبی تحریک میں شریک ہوئے اور ہر قسم کی جانی و مالی خدمتیں انجام دیں۔ مدت تک ندوہ کے اعزازی ناظم رہے۔ دارالمصنفین کے اساسی ارکان میں تھے اور لکھنو کی ہر سنجیدہ تحریک میں ان کا نام سرفہرست رہتا تھا۔

وہ عربی زبان کے عالم، فارسی زبان کے ماہر اور اُردو کے مشّاق تھے۔ فارسی شعر وسخن اور محاورات پر ان کو عبور کامل حاصل تھا۔ فارسی کا مشکل سے کوئی اچھا شعر ہوگا جو ان کو یاد نہ ہو۔ خود بھی فارسی میں اکثر اور اُردو میں کم تر شعر کہتے تھے۔ انہوں نے اپنے والد ماجد کے زمانہ عروج میں دنیا بھر کے مشرقی علماء فضلاء کی صحبتیں اٹھائی تھیں اور سوائے علمی و ادبی چرچوں کے ان کے کانوں میں کوئی بات پڑی بھی نہ تھی۔ ان کے لیے ان کے والد نے ہر فن کے باکمال استاد مقرر کیے تھے۔ جن کے سایہ تربیت میں پل کر وہ جوان ہوئے۔

مذہبی خیالات میں گو وہ عقلیت کی طرف مائل تھے۔ لیکن اسی کے ساتھ مذہبی پابندی ان میں اتنی سخت تھی کہ ان کی ایک نماز بھی ان کے مقررہ وقت سے ٹلنے نہیں پاتی تھی)۔ رسم ورواج و بدعات کا ان کے گھر میں نشان تک نہ تھا اور اس بارے میں وہ نہایت سخت تھے۔ ان کی محفل میں علم وفن، شعر وسخن اور قومی مسئلوں کے سوا کوئی اور مذکور نہ تھا۔

صفی الدولہ حسام الملک اب تو وہاں ہے جہاں کسی کی دولت ہے اور نہ کسی کا ملک ہے۔ تیرے اعمال نیک کی دولت تیرے کارِ خیر کی مملکت تیرے ساتھ ہے۔ دعا ہے کہ وہ شہنشاہ علی الاطلاق اپنے ملک کی لازوال دولت جاوید سے تجھ کو سرفراز فرمائے۔"

تصانیف:

مولانا نواب سید علی حسن خاں ادیب، عالم، سخن فہم، سخن سنج اور صاحب قلم تھے۔ ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) حضیرۃ القدس و ذخیرۃ التاسیس (عربی) (۲) فطرۃ الاسلام

③ دین دار اور دنیا دار ④ المدینہ فی الاسلام

⑤ کتاب تفریح الوصایا من خبایا الزوایا (عربی)

⑥ سیرۃ الاسلام ⑦ مآثر صدیقی (۴ جلد)

⑧ طلائع المقدور من مطالع الدھور ⑨ مذاق سخن

⑩ ھدیۃ شاھجھانیہ حل مرقات میزانیہ (فارسی)

⑪ موادر المصادر ⑫ تعلیم وتربیت،

⑬ البیان ⑭ مردم دیدہ

عبدالرحیم مبارکپوریؒ

مولانا حافظ عبدالرحیم مبارکپوری بن شیخ بہادر علی مبارکپوری ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ہوش سنبھالا تو سب سے پہلے قاضی امام الدین جون پوری کے زیر نگرانی قرآن مجید حفظ کیا اور ساتھ ہی ان سے قراءت اور تجوید کی تعلیم بھی حاصل کی۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل پہلے مدرسہ ''چشمہ رحمت'' غازی پور میں کی۔ بعد ازاں مولانا فیض اللہ اور مولانا حسام الدین اور مولانا قاضی محمد مچھلی شہری سے بھی اکتساب فیض کیا۔

حافظ عبدالرحیم پر اپنے اساتذہ کا رنگ بہت غالب تھا۔ اس لیے اتباع سنت میں پیش پیش رہتے تھے اور مبارکپور میں عمل بالسنۃ کی رسم آپ ہی کی وجہ سے ہوئی۔

ان کی زیادہ تدریس ''حفظ قرآن'' تھی اس اعتبار سے مبارکپور اور اس کے گردونواح میں تمام حافظ ان کے شاگرد تھے۔

اولاد میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی کو کون نہیں جانتا، یہ ان کے نور نظر تھے۔

حافظ صاحب نے رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۱۲ء مبارکپور میں انتقال کیا۔

عبدالرحمٰن محدّث مبارکپوری

شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدّث دہلویؒ کے تلامذہ میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری محتاج تعارف نہیں۔ آپ ایک بلند پایہ عالم دین، محدّث، فقیہ اور مفتی تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری اپنے علم و فضل کے اعتبار سے نہ صرف برصغیر پاک و ہند میں مشہور و معروف تھے بلکہ عالم اسلام کے دینی و علمی حلقوں میں ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و عمل کے لحاظ سے صاحب کمالات بنادیا تھا۔ آپ علوم اسلامیہ میں اپنے تبحر علمی کے اعتبار سے جامع الکمالات تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، ادب و لغت، تاریخ و انساب، فلسفہ و منطق اور صرف و نحو میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ علم حدیث میں ان کو امامت کا درجہ حاصل تھا۔ حافظہ بہت قوی تھا۔ آخری عمر میں مکفوف البصر ہونے کے باوجود ہر قسم کے فتاویٰ زبانی لکھواتے تھے۔ فقہ پر بھی ان کو مکمل عبور حاصل تھا اور اپنی تصانیف میں مجتہدانہ شان رکھتے تھے۔ فقہائے احناف کے بارے میں متشدد تھے اور بڑی شدومد سے ان کا رد کرتے تھے مگر یہ معاملہ صرف تصانیف کی حد تک تھا جو سراسر علمی و تحقیقی ہوتا تھا۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صحیح معنوں میں متبع سنت تھے اور صفات باری تعالیٰ کے معاملہ میں ماورد بہ الکتاب والسنتہ پر ایمان رکھتے تھے۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری بن حافظ عبدالرحیم ۱۲۸۳ھ میں مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے ہوا اور قرآن مجید کی تعلیم اپنے والد حافظ عبدالرحیم سے حاصل کی ان کے والد مولانا قاضی محمد مچھلی شہری کے شاگرد تھے اور انہی سے

ان کے خاندان میں عمل بالحدیث شروع ہوا۔

قرآن مجید پڑھنے کے بعد ابتدائی عربی و فارسی کی کتابیں مبارکپور کے اطراف کے علماء و اساتذہ یعنی مولوی خدا بخش اعظم گڑھی، مولوی محمد سلیم فراہی، مولانا عبدالرحمٰن جیراج پوری، مولانا سلامت اللہ جیراج پوری اور مولانا محمد فیض اللہ مئوی سے پڑھیں۔ مولانا فیض اللہ مئوی سے فقہ و اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور میں داخل ہوئے، یہ مدرسہ اس وقت بہت مشہور تھا۔ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری اور مولانا محمد فاروق چریاکوٹی کا اس مدرسہ میں فیض جاری تھا۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری سے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم معقول و منقول، ادب و معانی اور ہیئت میں استفادہ کیا۔ مدرسہ چشمہ رحمت میں آپ کا قیام ۵ سال رہا۔ اس کے بعد آپ حضرت محدث غازی پوری کے ایماء پر حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تفسیر جلالین، تفسیر بیضاوی، ہدایہ، نخبۃ الفکر اور مکمل صحاح ستہ بشمول بلوغ المرام، مشکوٰۃ اور مؤطا امام مالک پڑھیں۔ دہلی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری بھوپال تشریف لے گئے۔ اور علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، سنن دارمی، مسند امام شافعی، مسند احمد بن حنبل، ادب المفرد بخاری، معجم صغیر طبرانی کے اطراف پڑھ کر، ان کتابوں کی روایت کی اجازت حاصل کی اور ۱۳۱۳ھ میں قاضی محمد بن عبدالعزیز مچھلی شہری سے حدیث ''مسلسل بالاولیۃ'' کی سند لی۔

تدریس:

فراغت تعلیم کے بعد مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کی ساری زندگی تدریس میں صرف ہوئی۔ اپنے پہلے آبائی گاؤں مبارکپور میں پڑھایا۔ اس کے بعد قصبہ بلرام پور (گونڈہ) میں تدریس فرمائی۔ اس کے بعد اللہ نگر (گونڈہ) میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد مدرسہ سراج العلوم گونڈہ، مدرسہ

احمدیہ آریہ، مدرسہ دارالقرآن والسنۃ کلکتہ اور مدرسہ میاں صاحب دہلی میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

تلامذہ:

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان میں چند حضرات کے نام پر اکتفا کرتا ہوں، جو اپنے علم وفضل کے اعتبار سے بعد میں خود مسند تحدیث کے وارث بنے اور قرآن وحدیث کی خدمات میں وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جو تاریخ اہل حدیث میں ایک زریں باب ہے:

- مولانا عبدالسلام مبارکپوری صاحب سیرۃ البخاری
- مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری صاحبِ مرعاۃ المفاتیح
- مولانا عبدالجبار محدّث کھنڈیلوی
- مولانا نذیر احمد دہلوی
- شیخ علامہ تقی الدین المراکشی

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے تقریباً ۴ سال تک مولانا شمس الحق عظیم آبادی صاحب ''عون المعبود'' کے ساتھ رہ کر عون المعبود فی شرح سنن ابی داؤد کی تالیف میں معاونت کی۔ عون المعبود کے مقدمہ میں ہے:

کتب العلامہ ابو الطیب شمس الحق العظیم آبادی وقوف علی معاونتہ فی اکمالہ العلامہ ابو العلی محمد عبدالرحمن بن عبدالرحیم المبارکفوری صاحب تحفۃ الاحوذی مدتہ اربع سنین.

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے ۱۶؍شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۲؍جنوری ۱۹۳۵ء مبارکپور میں انتقال کیا۔ ان کے جنازہ میں بہت ہجوم تھا۔ ابو یحییٰ امام خان نوشہروی لکھتے ہیں کہ:

''جنازہ پر زائرین کا ہجوم علاقہ بھر میں اپنی نظیر تھا۔ بلا تفریق مشرب۔ تمام فرقہ

اسلامیہ شامل تھے۔ قصبہ مئو سے جو مبارکپور سے چوتھا ریلوے اسٹیشن ہے، زائرین سے بھری ہوئی ٹرین آئی اور راہ میں کسی اسٹیشن پر نہ رکی مبادا کہ زائرین نماز جنازہ سے محروم رہ جائیں۔''

تصانیف:

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کے تبحر علمی اور حدیث میں یگانۂ روزگار ہونے پر ان کی تصانیف شاہد ہیں۔ ان کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف کی تعداد ۱۹ ہے۔

مطبوعہ:

(۱) تحفۃ الاحوذی فی شرح جامع الترمذی (عربی)
(۲) مقدمہ تحفۃ الاحوذی (عربی)
(۳) نورالابصار (اُردو)
(۴) تنویرالابصار فی تائید نورالابصار (اُردو)
(۵) کتاب الجنائز (اُردو)
(۶) تحقیق الکلام فی وجوب القرأۃ خلف الامام (اُردو)
(۷) اعلام اہل الزمن من تبصرہ آثارالسنن (اُردو)
(۸) ابکار المنن فی تنقید آثار السنن (عربی)
(۹) ضیاء الابصار فی رد تبصرہ ''الانظار'' (اُردو)
(۱۰) خیر الماعون فی منع الفرار من الطاعون (اُردو)
(۱۱) الدر المکنون فی تائید خیر الماعون (اُردو)
(۱۲) المقالہ الحسنیٰ فی سنیۃ المصافحہ بالید الیمنیٰ
(۱۳) شفاء العلل فی شرح کتاب العلل (عربی)

غیر مطبوعہ:

(۱۴) ارشاد الہائم الی اخصاء البہائم (اُردو)

(۱۵) الوشاح الابریزی فی حکم الدواء الانکلیزی (اُردو)

(۱۶) الکلمة الحسنیٰ فی تائید المقالة الحسنیٰ (اُردو)

(۱۷) رسالہ در حکم دعا بعد صلوٰۃ مکتوبہ (اُردو)

(۱۸) رسالہ عشر

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے اپنے اساتذہ شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی اور مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کے فتاویٰ بھی جمع کیے، جن میں مولانا سید محمد نذیر حسین کے فتاویٰ بنام ''فتویٰ نذیریہ'' دو جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں اور فتاویٰ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری ابھی تک چھپ نہیں سکا۔

عبدالسلام مبارکپوریؒ

مولانا حکیم عبدالسلام مبارکپوری بن شیخ خان محمد بن شیخ امان اللہ بن شیخ حسام الدین مبارکپوری مشہور علمائے دین میں سے تھے۔ جنہوں نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ساتھ حکمت و طبابت میں زندگی بسر کی۔

مولانا عبدالسلام ۱۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے حافظ عبدالرحیم مبارکپوری سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے جن اساتذۂ کرام سے علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا۔ ان کے نام یہ ہیں:

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی

مولانا حافظ عبداللہ محدث غازی پوری

مولانا محمد بن عبدالعزیز مچھلی شہری

شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی

فراغت تعلیم کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور س سلسلہ میں یوپی کے مختلف دینی مدارس میں آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ جن دینی مدارس میں آپ نے تدریس فرمائی ان کی تفصیل یہ ہے:

مدرسہ دارالحدیث صادق پور پٹنہ ۱۵ سال

مدرسہ فیض عام مئو ضلع اعظم گڑھ ۳ سال

مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث بونڈھیال ۴ سال

دارالحدیث رحمانیہ دہلی (زندگی کے آخری قیام تک قریباً ۱۸ سال)

مولانا عبدالسلام مبارکپوری صاحب علم و فضل تھے۔ تمام علوم اسلامیہ میں ید طولی حاصل تھا۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) تاریخ منوال وابلہ (یہ کتاب آپ نے صادق پور پٹنہ میں تالیف کی)
(۲) سیرۃ البخاری
(۳) تصوف
(۴) اسلامی تمدن
(۵) الاجازۃ بتکرار صلوۃ الجنازۃ

مولانا عبدالسلام مبارکپوری نے ۱۰ رجب ۱۳۴۲ھ مطابق ۲۴ فروری ۱۹۲۴ء دہلی میں انتقال کیا۔

٭

عبیدالرحمٰن مبارکپوریؒ

مولانا عبیدالرحمٰن بن مولانا عبدالسلام مبارکپوری مبارک پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم گھر میں اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ بعد میں تین سال تک مدرسہ فیض عام مئو میں پڑھتے رہے۔ اس کے بعد آپ مدرسہ مظاہر الاسلام سہارن پور

چلے گئے۔ وہاں آپ نے جملہ علوم وفنون کی تکمیل کر کے ۱۳۵۶ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد آپ دارالحدیث رحمانیہ دہلی تشریف لائے اور دو سال اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کر کے سند حاصل کی۔ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں آپ نے جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ان کے نام یہ ہیں:

مولانا سکندر علی، مولانا شریف اللہ، شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی

تکمیل تعلیم کے بعد دارالحدیث رحمانیہ ہی میں مدرس ہو گئے۔ تھوڑا ہی عرصہ پڑھایا کہ مرض سل ودق میں مبتلا ہو گئے اور اپنے وطن مبارکپور چلے گئے۔ یہاں آپ نے ۱۰/ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ میں انتقال کیا۔

٭

عبیداللہ رحمانی مبارکپوری

مولانا عبیداللہ رحمانی بن مولانا عبدالسلام مبارکپوری محرم ۱۳۲۷ھ میں مبارکپور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا عبدالسلام مبارکپوری سے حاصل کی۔ بعد ازاں دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخل ہوئے۔ وہاں آپ نے مولانا غلام یحییٰ کان پوری، مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی اور مولانا عبدالرحمٰن سے مختلف علوم اسلامیہ میں تحصیل کی۔ مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری سے حدیث میں تعلیم حاصل کی اور حضرت مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی سے تفسیر میں استفادہ کیا۔

تحصیل تعلیم کے بعد شیخ عطاء الرحمٰن مہتمم دارالحدیث رحمانیہ دہلی نے آپ کو دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں مدرس مقرر فرمایا۔ اور جب مولانا احمد اللہ صاحب دارالحدیث سے چلے گئے تو آپ ان کی جگہ شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔

مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری جامع ترمذی کی شرح بنام تحفۃ الاحوذی لکھ رہے

تھے۔ آخری عمر میں آپ مکفوف البصر ہو گئے تھے۔ انہیں تحفۃ الاحوذی کی تکمیل کے سلسلہ میں ایک ایسے عالم کی ضرورت تھی جو فنون حدیث سے خاص مناسبت اور عربی ادب کا خاص ذوق رکھتا ہو اور آپ سے اس سلسلہ میں خاطر خواہ تعاون کر سکے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن محدّث مبارکپوری نے آپ کا انتخاب کیا اور اس سلسلہ میں شیخ عطاء الرحمٰن سے گفتگو کی۔ چنانچہ شیخ صاحب نے مولانا عبیداللہ کو مبارکپور بھیج دیا اور ان کو جو تنخواہ مدرسہ سے ملتی تھی وہ بحال رکھی۔ آپ نے ۲ سال تک مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کو بطور معاون رکھ کر تحفۃ الاحوذی کی آخری ۲ جلدوں کی تکمیل کی۔ اس کے بعد فارغ ہو کر واپس دار الحدیث رحمانیہ دہلی تشریف لائے۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کے ساتھ دو سال تک کام کرنے کے بعد آپ کو فنون حدیث میں خاص ملکہ حاصل ہو گیا اور فنون حدیث سے خاص ذوق پیدا ہو گیا۔ یوں محدّث مبارکپوری کی خاص رہنمائی سے تصنیف و تنقید کا سلیقہ بھی حاصل ہو گیا۔

تصانیف:

مولانا عبیداللہ رحمانی کا سب سے بڑا علمی کارنامہ مشکوٰۃ مصابیح کی شرح ''مرعاۃ المفاتیح'' ہے جو آپ صرف کتاب المناسک تک لکھ سکے اور ۹ جلدیں مکمل ہوئیں۔ یہ شرح اہم خصوصیات کی حامل ہے۔

مولانا ضیاء الدین اصلاحی اس شرح کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

اس شرح میں مولانا عبیداللہ نے حدیثوں کی مفصل تشریح کر کے ان کے معانی و مطالب کی پوری وضاحت کی ہے۔ اس ضمن میں حدیث کے منکرین اور محدثین پر طعن و تشنیع کرنے والوں اور حدیثوں سے غلط نتائج مستنبط کرنے والوں کا جواب بھی دیا ہے اور ان کے نقص و تضاد کو بھی رفع کیا ہے۔

فقہی اختلافات کو نقل کر کے قوی مسلک کی تعیین بھی کی ہے اور محدثین کے مذاہب کی تصویب بھی کی ہے۔ احادیث کی مشکلات اور لغوی و نحوی مسائل کو بھی حل کیا ہے۔ ان پر بقدر

ضرورت بحث کر کے ان کے درجہ و مرتبہ اور قوت وضعف کی وضاحت بھی کی ہے۔

شروع میں ایک علمی و تحقیقی و جامع مقدمہ لکھا ہے جس پر اصول حدیث پر بڑی عالمانہ گفتگو کی ہے۔

مولانا عبیداللہ کی دوسری تصنیف ''رمضان المبارک کے فضائل واحکام'' ہے جو ۱۹۸۰ء جامعہ سلفیہ بنارس نے شائع کی۔ صفحات کی تعداد ۵۶ ہے۔

مولانا عبیداللہ رحمانی نے ۴ر جنوری ۱۹۹۴ء کو اپنے وطن مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں قمری حساب سے ۸۷ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

☆

نور حسین گھرجاکھی

مولانا نور حسین گھرجاکھی بن کرم الٰہی ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۱ء بعمر ۱۸ سال ان کی شادی ہوئی۔ اس کے بعد دینی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ مولانا علاؤالدین خطیب مسجد اہلحدیث چوک نیائیں گوجرانوالہ جو ایک جید عالم دین تھے جو حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے۔ ان سے ترجمہ قرآن مجید اور دوسری کتابیں پڑھیں۔ ساتھ ساتھ دینی کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا اور وعظ و تبلیغ بھی کرنے لگے۔

۱۹۱۰ء میں شیخوپورہ چلے گئے۔ وہاں درکاں والی مسجد میں خطیب مقرر ہوئے۔ آپ کے بھائی مولوی محمد علی جن کو اللہ تعالیٰ نے لحنِ داؤدی عطا کیا تھا، وہ امامت کراتے تھے۔ شیخوپورہ میں مولانا نور حسین مدتوں رہے۔ مطالعہ کے بہت زیادہ شوقین تھے۔

آپ فن مناظرہ میں مولانا ثناءاللہ امرتسری کے شاگرد تھے۔ مولانا امرتسری نے ان کی مناظرہ میں خاص تربیت کی تھی۔ آپ نے سیکڑوں مناظرے عیسائیوں، قادیانیوں، شیعوں اور تقلید یانِ احناف سے کیے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر مناظرے میں کامیاب۔

کامران ہوئے۔

مولانا نورحسین حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید دہلوی کی تحریک مجاہدین سے بھی وابستہ تھے اور مجاہدین کی مالی اعانت بھی کرتے تھے۔ مولانا نورحسین چار بار حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔

۱۹۲۶ء میں پہلا حج کیا اور سلطان ابن سعود کے شاہی مہمان ہوئے۔ انہوں نے آپ کو اجل العلماء کا خطاب دیا۔

دوسرا حج ۱۹۳۹ء میں کیا اور مکہ میں مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی سے ملاقات کی۔

تیسرا حج ۱۹۴۶ء میں اور چوتھا حج ۱۹۴۸ء میں کیا۔

مولانا نورحسین اپنے علم و فضل کے اعتبار سے بلند مرتبہ و مقام کے حامل تھے۔ عوام و خواص میں بہت مقبول تھے۔ تمام مسالک کے لوگ ان کا احترام کرتے تھے، حتیٰ کہ ہندو اور سکھ بھی ان کی بہت عزت اور ادب کرتے تھے۔ جب کہیں سے گزرتے تو جھک کر سلام کرتے۔ آپ نے ۹؍دسمبر ۱۹۵۱ء کو وفات پائی۔

تصانیف:

مولانا نورحسین پنجابی زبان کے بے مثل خطیب تھے۔ اس کے ساتھ پنجابی زبان کے نامور شاعر بھی تھے۔ آپ کی بیشتر تصانیف پنجابی نظم میں ہیں، تفصیل یہ ہے:

① وفات نامہ (بر وفات مولوی محبوب عالم بانی محبوب عالم اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ)

② شہادت حسینؓ ③ تحقیق الایمان

④ عید الفطر ⑤ معراج جسمانی وتردید قادیانی

⑥ مناظرہ پھلو کے ⑦ مرزے دا ترل منارہ

⑧ اختلاف الائمہ ورد تقلید ⑨ بجلی آسمانی بر ملا منانی

⑩ گلدستہ نور ⑪ امام اعظم

⑫ کامن ⑬ آسمانی گولہ بر بدعتی ٹولہ

(۱۴) رسالہ قبر پرستی
(۱۵) نصیحت بے نمازاں
(۱۶) احوال گور
(۱۷) چودھویں صدی کا دجال
(۱۸) فضائل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اُردو تصانیف:

(۱۹) آمین بالجہر
(۲۰) رسالہ علم غیب
(۲۱) مسائل رمضان معہ تحقیق تراویح
(۲۲) رفع الیدین
(۲۳) معراج النبی ﷺ
(۲۴) اربعین باحادیث سید المرسلین
(۲۵) تحریف بائبل
(۲۶) ختم نبوت
(۲۷) تقابل اربعہ (منکرین حدیث کی تردید میں ہے۔)

⁂

خالد گھرجاکھی

مولانا خالد گھرجاکھی بن مولانا نور حسین گھرجاکھی ۱۹۲۱ء مطابق ۱۳۴۰ھ گھرجاکھ گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا نور حسین گھرجاکھی سے حاصل کی۔ بعد ازاں جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں مولانا محمد اسماعیل السّلفی اور حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدّث گوندلوی سے جملہ علوم اسلامیہ میں اکتساب فیض کیا۔

۱۹۵۱ء میں اپنے والد مولانا نور حسین کے انتقال کے بعد درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔

مولانا خالد گھرجاکھی بڑے سرگرم اور فعال ہیں۔ دین اسلام کی اشاعت، کتاب و

سنت کی ترقی وترویج اور مسلک اہلحدیث کی اشاعت میں بڑی تڑپ رکھتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی بڑے اچھے مصنف بھی ہیں۔

تصانیف یہ ہیں:

① سیرۃ الاخوین (حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی سوانح حیات)

② صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

③ سیرت المجاہدین (۲ جلد) مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی کی سوانح حیات

④ کتاب التوحید

⑤ اتباع سنت

⑥ المنتقی امام زیلعی/تلخیص منہاج السنۃ ابن تیمیہ کا ترجمہ

⑦ العواصم من القواصم کا اُردو ترجمہ

⑧ تخریج وتحقیق مسند امام احمد بن حنبل

مولانا خالد حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی کی تحریک مجاہدین سے وابستہ ہیں۔ جماعت اہلحدیث کو منظم اور فعال بنانے میں بھی ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔آپ متحدہ جمعیۃ اہلحدیث (لکھوی گروپ) سے وابستہ ہیں۔ایک زمانہ میں دارالعلوم تعلیم الاسلام ماموں کانجن کے سرپرست بھی رہے۔

عبدالجبار کھنڈیلوی

مولانا ابو محمد عبدالجبار بن حکیم دارا بخش بن حکیم جمال الدین ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں راجپوتانہ کے ایک شہر کیستری میں پیدا ہوئے۔

عصری تعلیم پرائمری تھی۔ پہلے ناظرہ قرآن مجید حافظ اللہ بخش سے پڑھا۔ابتدائی

عربی، فارسی کی کتابیں اور صرف ونحو کی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ بعد ازاں آپ دہلی تشریف لے گئے۔

دہلی میں آپ مولانا عبدالوہاب صدری دہلوی، مولانا حکیم عبدالوہاب نابینا دہلوی، مولانا احمد اللہ دہلوی، مولانا حافظ عبدالرحمٰن شاہ پوری، مولانا عبدالرحمٰن ولایتی اور مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی۔

دہلی میں تحصیل تعلیم کے بعد آپ لکھو کے ضلع فیروز پور تشریف لائے۔ مولانا عبدالقادر لکھوی اور مولانا عطاء اللہ لکھوی سے استفادہ کیا۔ لکھو کے سے آپ روپڑ تشریف لائے اور مولانا حافظ عبداللہ روپڑی سے اکتساب فیض کیا۔

۱۹۱۷ء مطابق ۱۳۳۵ھ آپ درس نظامی کی تکمیل سے فارغ ہوئے۔ اور اس کے بعد آپ نے تعلیم و تدریس کے لیے زندگی وقف کرنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ آپ نے ۴۵ سال تک مختلف دینی مدارس میں تدریس فرمائی۔ آپ نے جن دینی مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں ان کی تفصیل یہ ہے:

①	مدرسہ اشاعت القرآن والسنۃ	کھنڈیلہ
②	مدرسہ مصباح العلوم	دہلی
③	مدرسہ حمیدیہ	دہلی
④	مدرسہ دارالاسلام	رنگون (برما)
⑤	جامع مسجد اہلحدیث کلاں	رنگون (برما)
⑥	دارالعلوم احمدیہ سلفیہ	دربھنگہ (بہار)
⑦	دارالحدیث مسجد چینیاں والی	لاہور
⑧	دارالعلوم تقویۃ الاسلام	لاہور
⑨	دارالحدیث	اوکاڑہ

مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی کی تدریسی مدت ۴۵ سال ہے۔

اس مدت میں سیکڑوں طلباء آپ کے فیوض علمیہ سے مستفیض ہوئے۔ آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا قاری عبدالخالق رحمانی، مولانا محمد اسماعیل ذبیح، مولانا حافظ محمد اسحاق حسینوی، مولانا حافظ عبدالرحمٰن صافوی، مولانا حافظ محمد اسحاق خائف۔

مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

① ازالة الحيره عن تصانيف ابی هريرةؓ (عربی)
② البتيان فی مسئله الايمان (عربی)
③ اظہار حجۃ اللہ علی ملاعظمت اللہ معروف بہ نسبت محمدیؐ (اُردو)
④ مقاصد الامتہ (اُردو)
⑤ اتمام الحجة (اُردو)
⑥ الانصاف فی رفع اختلاف معروف بہ خاتمہ اختلاف (اُردو)
⑦ شرح مقدمہ صحیح بخاری (عربی)
⑧ حواشی صحیح بخاری (عربی)

مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی اخلاق حمیدہ اور اوصاف ستودہ کے حامل تھے۔ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف مرحوم لکھتے ہیں:

> شخصیت بارعب اور وجیہہ تھی۔ بود و باش سادہ، لیکن نفیس قناعت پسند، فقراء درویشی کا مرقع، خاموش طبع، خلوت گزیں، متدین عوام سے رابطہ کو ترجیح دیتے تھے۔ دینی معاملات میں غیور و ارباب دولت سے نفور تھے۔ طلباء پر شفقت فرماتے تھے۔ ان کو اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ان کی علمی و اخلاقی تربیت پر خاص توجہ دیتے تھے۔ مزاج مرنجاں مرنج اور معتدل پایا تھا۔

مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی بڑے جید عالم دین تھے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ دوران تدریس جو مشکل مقامات آتے تو ان کی مزید وضاحت کے لیے آپ مشاہیر علمائے کرام جن میں آپ کے اساتذہ کرام بھی شامل ہیں ان کو خطوط لکھ کر اشکال کا حل طلب کرتے۔

آپ جن علمائے کرام کو خطوط لکھتے ان میں مولانا حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی، مولانا احمد اللہ دہلوی، مولانا محمد زکریا سہارن پوری (حنفی) مولانا عبدالجلیل، مولانا عبید اللہ رحمانی، مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی شامل ہیں۔

مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی نے ۲ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ مطابق ۴ اگست ۱۹۶۲ء اوکاڑہ میں انتقال فرمایا۔

حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اوکاڑہ میں مدفون ہوئے۔

☆

عبدالخالق رحمانی

مولانا عبدالخالق رحمانی بن مولانا عبدالجبار محدث کھنڈیلوی ۲۵ نومبر ۱۹۲۵ء مطابق ۸ جمادی الاولی ۱۳۴۴ھ کھنڈیلہ ریاست جے پور (راجستھان) میں پیدا ہوئے۔ عصری تعلیم مڈل تک ہے۔ دینی تعلیم کا آغاز اپنے آبائی مدرسہ مصباح العلوم کھنڈیلہ سے کیا۔ حفظ قرآن مجید کی سعادت مدرسہ فتح پوری دہلی میں رہ کر حاصل کی۔

بعد ازاں آپ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخل ہوئے۔ وہاں آپ نے مولانا عبدالحلیم، مولانا نذیر احمد دہلوی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری سے

تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم میں استفادہ کیا۔

فراغت تعلیم کے بعد آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور تدریس کا آغاز مدرسہ قاسم العلوم آگرہ سے کیا۔ یہاں آپ ۸ سال تک شیخ الحدیث رہے۔

قیام آگرہ کے دوران آپ نے وعظ وتبلیغ اور شرک و بدعت کی تردید میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ آگرہ میں مشرکانہ رسوم بہت زیادہ ہوتی تھیں اور وہاں آپ جا کر تبلیغ کرتے اور توحید وسنت کی دعوت دیتے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد کراچی تشریف لائے۔ اپنا کاروبار کرتے رہے اور اس کے ساتھ کتاب وسنت کی اشاعت میں بھی کوشاں رہے۔

٭

مولوی حاکم الدین

مولوی حاکم الدین بن ملک امام الدین سوہدرہ کے رہنے والے تھے۔ اور ککے زئی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا غلام نبی الربانی سوہدروی مرحوم اور پیر میر حیدر آف خان پور ضلع جہلم سے مستفیض تھے۔ اتباع سنت میں پیش پیش رہتے تھے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں ان کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ حق گوئی اور بے باکی میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور ڈنکے کی چوٹ علانیہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ بیان کرتے تھے۔

ان کی حق گوئی کا ایک واقعہ ان کے صاحبزادہ مولوی ابوالمحمود ہدایت اللہ سوہدروی بیان کرتے تھے کہ:

> ''ایک دفعہ والد صاحب ہندوستان سے واپس وطن آرہے تھے اور ریل گاڑی تقریباً ایک بجے دوپہر وزیر آباد اسٹیشن پر پہنچی۔ جمعہ کا دن تھا۔ اسٹیشن کے قریب ہی بریلوی مکتب فکر کی مسجد ہے۔ جمعہ کی نماز کھڑی ہونے والی تھی۔ والد صاحب نے سوچا چلو

جمعہ کی نماز اس مسجد میں ہی ادا کرلی جائے۔ چنانچہ والد صاحب مسجد میں چلے گئے۔ اور وہاں جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی۔ جب نماز ختم ہوئی تو راجہ فقیر اللہ خاں جو وزیر آباد کے رئیس تھے وہ کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے اعلان کیا کہ "مسجد کی تعمیر ہو رہی ہے اور اس سلسلہ میں میاں فضل الٰہی صاحب نے پانچ سو روپے کا عطیہ دیا ہے۔"

والد صاحب نے جب یہ اعلان راجہ صاحب کی زبان سے سنا تو آپ نے اٹھ کر کہا:

"راجہ صاحب! میاں فضل الٰہی نے جو عطیہ دیا ہے وہ مسجد کی تعمیر پر خرچ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ رقم حرام طریقہ سے میاں صاحب نے جمع کی ہے۔ (ان دنوں میاں فضل الٰہی نے وزیر آباد میں طوائفیں رکھی ہوئی تھیں اور ان کے ناچ گانے سے یہ رقم میاں صاحب کے پاس آئی تھی۔)

راجہ فقیر اللہ نے جب یہ الفاظ والد صاحب کی زبان سے سنے تو بڑے سیخ پا ہو گئے اور دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے تو والد صاحب نے کہا کہ میرا نام ملک حاکم الدین ہے اور میں سوہدرہ کا رہنے والا ہوں۔

راجہ صاحب آپ یہ رقم میاں فضل الٰہی کو واپس کر دیں۔ نہیں تو قیامت کے روز آپ بھی مجرم ہوں گے۔ چنانچہ راجہ صاحب نے اسی وقت تمام لوگوں کے سامنے میاں فضل الٰہی کے پانچ سو روپے واپس کر دیئے۔ راجہ صاحب نے کہا کہ سوہدرہ کے مُلک صاحبان حق بات کہنے میں بہت مشہور ہیں۔

مولوی حاکم الدین بڑے حلیم الطبع، شریف النفس، عابد و زاہد اور تقویٰ طہارت کا پیکر تھے۔

۱۹۵۲ء میں جب راقم آثم نے مولانا علم الدین مرحوم تلمیذ خاص حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندلوی سے ترجمہ قرآن مجید پڑھ کر مشکوٰۃ المصابیح پڑھنی شروع کی تو ایک دن میرے سبق کے دوران مسجد میں تشریف لائے اور مولانا علم الدین مرحوم سے فرمایا کہ اس کو تین

احادیث سے زیادہ سبق نہ دیا کریں۔ اگر حدیث لمبی آجائے تو پھر ایک (متن) کافی ہے اور روزانہ پچھلا سبق اس سے سنا کریں۔

مولوی حاکم الدین نے طویل عمر پائی۔ میرے خیال میں ان کی عمر ۸۰ سال کے قریب تھی۔ ۱۹۵۳ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

ہدایت اللہ سوہدروی

مولوی ابوالمحمود ہدایت اللہ بن مولوی حاکم الدین ۱۶ مئی ۱۸۹۳ء میں سوہدرہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ بعد ازاں علوم اسلامیہ کی تحصیل مولانا غلام نبی الربانی سوہدروی، مولانا عبدالحمید سوہدروی اور استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی سے کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد بسلسلہ کاروبار ہندوستان کے مختلف شہروں میں آپ کا قیام رہا اور ساتھ ساتھ مضمون نگاری کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

آپ نے بے شمار مضامین اہل حدیث امرتسر، اخبار محمدی دہلی، اور اخبار مسلمان سوہدرہ میں لکھے۔

۱۹۱۶ء میں آپ بسلسلہ کاروبار سیہور چھاؤنی ریاست بھوپال میں مقیم تھے کہ آپ کا فلسفہ اور معجزہ کے عنوان سے مولوی عبدالعزیز تحصیل دار وردہ (سی۔ پی) سے ایک بحث چل نکلی۔ اسی بحث اور خط و کتابت کو آپ نے ۱۹۲۲ء میں کتابی شکل میں فلسفہ اور معجزہ کے نام سے شائع کیا۔ علامہ اقبال نے اس کتاب کی بہت تعریف کی۔

۱۹۲۲ء میں آپ نے دوسری کتاب شبیر نامہ لکھی اور شائع کی۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ایک ماہ میں ختم ہوگیا۔ اور تین ماہ بعد دوسرا ایڈیشن شائع کیا جو ۶ ماہ میں ختم ہوگیا۔

۱۹۳۳ء میں آپ کی مشہور کتاب ہدائت افغانی المعروف تاریخ ککے زئی شائع ہوئی۔
اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کے علم تاریخ میں ذوق تحقیق کا اندازہ ہوتا ہے۔ ۱۹۵۱ء میں
آپ کی مشہور کتاب ''اسلامی اخلاق'' دو حصوں میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب مولانا عبدالمجید
سوہدروی مرحوم نے اپنے اشاعتی ادارہ مسلمان کمپنی سوہدرہ کے زیر اہتمام شائع کی۔
اسلامی اخلاق کے پہلے حصہ میں ایک ہزار آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ اخلاق حسنہ
سے متعلق ہیں اور دوسرے حصہ میں غیر مسلموں پر مزید حجت قائم کرنے کے لیے ۲۳ عنوانات
کے تحت غیر مسلم اکابرین کی ان تحریروں کو جمع کیا گیا ہے جو انہوں نے اسلام اور مسلمانوں
کے بارے میں لکھی ہیں۔
۱۹۶۱ء میں آپ کی آخری کتاب ''اسلام اور عیسائیت'' شائع ہوئی۔ یہ کتاب آپ
نے مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل السلفی کی تحریک پر لکھی۔ یہ کتاب حافظ محمد
یوسف بن مولانا عبدالمجید سوہدروی نے ،مکتبہ اہلحدیث سوہدرہ کے زیر اہتمام شائع کی۔ اس
کتاب میں عیسائیوں کی طرف سے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر جو ناروا اعتراضات کیے
گئے ہیں، ان کا جواب دیا گیا ہے۔
مولوی ہدائت اللہ نے بے شمار مضامین قادیانیت، عیسائیت، آریہ سماج، شیعہ، منکرین
حدیث اور فرقہ بریلویہ کے خلاف لکھے۔
قیام پاکستان کے بعد آپ کے مضامین اہلحدیث سوہدرہ، الاعتصام لاہور اور ماہنامہ
رحیق لاہور وغیرہ میں شائع ہوئے۔
اخبار زمیندار اور نوائے وقت میں بھی آپ کے مضامین کبھی کبھی شائع ہوتے تھے۔
مولوی ہدائت اللہ بڑے شریف النفس، ملنسار، کم سخن، حلیم الطبع اور اخلاق حمیدہ اوصاف
ستودہ کے حامل تھے۔ بڑے متواضع تھے۔ آپ نے ۱۶ر مئی ۱۹۶۷ء مطابق ۶ رصفر ۱۳۸۷ھ
سوہدرہ میں انتقال کیا۔
مولانا محمد سلیمان انصاری مرحوم نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے والد محترم کے پہلو میں

اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔

مقدور ہوں تو خاک سے پوچھوں اے لئیم!
تو نے وہ گنج ہائے گرا نمایہ کیا کیے؟

٭

محمد بن ابراہیم جونا گڑھی

مولانا محمد بن ابراہیم میمن جونا گڑھی ۱۸۹۰ء میں جونا گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جونا گڑھ میں مولانا عبداللہ جونا گڑھی سے حاصل کی۔ بعدازاں تحصیل علم کے لیے دہلی کا رخ کیا۔ دہلی ان دنوں علوم وفنون کا مرکز تھا۔ چنانچہ آپ ۱۹۱۲ء میں دہلی پہنچے اور مدرسہ امینیہ (حنفیہ) میں داخل ہوئے۔ مگر عامل بالحدیث ہونے کی وجہ سے مدرسہ سے فارغ کردیئے گئے۔ اور مدرسہ دارالکتاب والسنۃ صدر بازار دہلی جس کے مہتمم و منتظم اور صدر مدرس مولانا عبدالوہاب ملتانی تھے داخل ہوگئے۔ اس مدرسہ میں آپ نے مولانا عبدالوہاب صاحب ملتانی سے اکتساب فیض کیا۔ اس کے بعد آپ نے مسجد پھاٹک حبش خاں میں مولانا عبدالرحیم غزنوی اور مولانا عبدالرشید سے استفادہ کیا۔ منطق کی تعلیم مولانا محمد اسحاق منطقی سے حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد اجمیری گیٹ دہلی میں سکونت اختیار کی اور مدرسہ محمدیہ کے نام سے ایک دینی مدرسہ جاری کیا۔ اور ایک رسالہ ''گلدستہ محمدیہ'' جاری کیا۔ جو رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہوا ''اخبار محمدی'' کی شکل اختیار کر گیا۔

مولانا محمد جونا گڑھی بے مثال خطیب تھے۔ ان کو ''خطیب الہند'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خطابت کا ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ وہ ہر موضوع پر نہایت مدلل و مؤثر

خطاب فرماتے تھے۔ دوران وعظ خود بھی روتے تھے اور سامعین کو بھی رُلاتے تھے۔

حکیم عنایت اللہ نسیم مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ:

''مولانا محمد جوناگڑھی کا وعظ بڑا مؤثر ہوتا تھا۔ آواز بڑی سریلی تھی۔ وعظ فرماتے تو خود بھی روتے اور سامعین کو بھی رُلاتے تھے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ بہت زیادہ مہمان نواز تھے۔ خوش خوراک، خوش لباس اور حسن اخلاق کا پیکر تھے۔ میں نے علماء میں اتنا بڑا مہمان نواز نہیں دیکھا۔ آپ کے وعظ سے دہلی میں توحید و سنت کا پرچار ہوا۔ تقلید جامد اور شرک و بدعت اور محدثات کا خاتمہ ہوا اور بلا مبالغہ ہزاروں آدمی آپ کے وعظ سے متبع سنت بن گئے۔''

مولانا محمد جوناگڑھی نے یکم صفر ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء جوناگڑھ میں انتقال کیا۔

تصانیف:

مولانا محمد بن ابراہیم جوناگڑھی صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ حافظ ابن کثیر کا اُردو ترجمہ بنام ''تفسیر محمدی'' اور حافظ ابن قیم کی کتاب ''اعلام الموقعین عن رب العالمین'' کا ترجمہ بنام ''دین محمدی'' ہے۔

آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) تفسیر محمدی (۲) تفسیر سورۂ فاتحہ (۳) اربعین محمدی (۴) سیف محمدی (۵) برہان محمدی (۶) شمع محمدی (۷) عقائد محمدی (۸) ایمان محمدی (۹) حیات محمدی (۱۰) تعویذ محمدی (۱۱) وضو محمدی (۱۲) صلوٰۃ محمدی (۱۳) سنت محمدی (۱۴) جماعت محمدی (۱۵) عید محمدی (۱۶) خطبہ محمدی (۱۷) موت و میت کے مسائل (۱۸) دلائل محمدی (۱۹) رکوع محمدی (۲۰) غنیۃ محمدی (۲۱) رفع الیدین اور آمین (۲۲) زکوٰۃ محمدی (۲۳) صیام محمدی (۲۴) اذان محمدی (۲۵) انعام محمدی (۲۶) تحفہ محمدی (۲۷) مرغ کی قربانی (۲۸) حج محمدی (۲۹) نکاح محمدی (۳۰) آئینہ محمدی (۳۱) مذمت سود (۳۲) تقویٰ (۳۳) کتب الاکرام

(۳۴)الحزب المقبول (۳۵) وظیفہ محمدی (۳۶)حقوق محمدی (۳۷)صمصام محمدی (۳۸) قربان محمدی (۳۹) برأت محمدی (۴۰) تائید محمدی (۴۱) درایت محمدی (۴۲) محراب مسجد (۴۳) ذمہ محمدی (۴۴) رسالہ صلوٰۃ وسلام (۴۵) فیصلہ محمدی (۴۶) رحمت محمدی (۴۷) نور محمدی (۴۸) کرامات محمدی (۴۹) معراج محمدی (۵۰) قبروں پہ پھول (۵۱) عذاب الھون علی الفاتن المفتون (۵۲) میلاد محمدی (۵۳) ارشاد محمدی (۵۴) دین محمدی (۷ جلد) (۵۵) ضرب محمدی (۵۶) طریق محمدی (۵۷) مشکوٰۃ محمدی (۵۸) ملت محمدی (۵۹) مناظرہ محمدی (۶۰) فتح محمدی (۶۱) حقیقت محمدی (۶۲) صراط محمدی (۶۳) نصیحت محمدی (۶۴) ریحان محمدی (۶۵) توحید محمدی (۶۶) قبیلہ محمدی (۶۷) درِ محمدی (۶۸) ہدائت محمدی (۶۹) سیف محمدی (۷۱) عصائے محمدی (۷۲) لولو محمدی (۷۳) صدائے محمدی (۷۴) خطبات محمدی ۵ جلد (۷۵) سیرت محمدی (۷۶) امام محمدی (۷۷) شہادت محمدی (۷۸) تاریخ بغداد (اُردو مع متن عربی) (۷۹) سراج محمدی المعروف تاریخ محمدی (۸۰) خلافت محمدی (۸۱) ظل محمدی (امامت محمدی) (۸۲) مملکت محمدی (۸۳) فضائل محمدی (۸۴) درہ محمدی (۸۵) ظفر محمدی (۸۶) تعلیم محمدی

محمد سلیمان جونا گڑھی

مولانا محمد سلیمان بن مولانا محمد جونا گڑھی ۱۹۲۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دہلی میں اپنے والد مولانا محمد بن ابراہیم جونا گڑھی سے حاصل کی۔ عصری تعلیم ؛ ل تھی۔ ۱۹۴۷ء میں کراچی تشریف لائے اور مدرسہ اسلامیہ کراچی سے علوم اسلامیہ کی تکمیل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالستار سلفی مرحوم، مولانا عبدالغفار سلفی مرحوم، مولانا عبدالجبار سلفی مرحوم اور مولانا محمد یونس دہلوی مرحوم شامل ہیں۔

تحصیل علم کے بعد آپ کو رئیس الناظمین اور رئیس شعبہ الارشاد والدعوۃ جماعت غرباء اہلحدیث کراچی مقرر کیا گیا۔ اور اس کے ساتھ آپ جامع مسجد اورنگی ٹاؤن کراچی میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمانے پر مامور ہوئے۔ دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں آپ نے ہندوستان، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کے دورے کئے۔

مسجد اورنگی ٹاؤن میں تدریس بھی فرماتے رہے۔ بڑے پُر جوش مبلغ تھے۔ ۱۹۹۷ء میں کراچی میں انتقال کیا۔

☆

محمد اسمٰعیل سلفی

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل السلفی ؒ جماعت اہلحدیث کے ممتاز عالم تھے، ان کی شخصیت ہمہ گیر تھی۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان کی نظر بہت وسیع تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، ادب ولغت، فلسفہ ومنطق، تاریخ وسیر، صرف ونحو میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ بیک وقت مفسّر، محدّث، مؤرخ، محقق، متکلم، معلّم، ادیب، مصنف، خطیب، مقرر، نقاد، مبصر، دانشور اور سیاست دان تھے۔

مولانا محمد اسمٰعیل ۱۳۱۴ھ بمطابق ۱۸۹۵ء تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ کے قصبہ ڈھونیکی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمد ابراہیم تھا۔ جو ایک طبیب حاذق ہونے کے ساتھ ساتھ عربی واُردو کے بلند پایہ کاتب بھی تھے۔ امام عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری کی شرح جامع الترمذی آپ ہی کی خوش نویسی کا شاہکار ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مرحوم مولوی محمد ابراہیم سے حاصل کی، بعد ازاں اُستاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں اور سنن نسائی کا ربع اوّل مولانا عبدالستار بن مولانا حافظ

عبدالمنان وزیرآبادی سے پڑھا اور صحاح ستہ کی تکمیل اُستاد پنجاب سے کی۔

وزیرآباد میں تکمیل کے بعد دہلی چلے گئے۔ دہلی میں مولانا عبدالجبار عمرپوری سے اکتساب فیض کیا۔ دہلی میں تکمیل کے بعد امرتسر تشریف لائے۔ امرتسر میں مولانا سید عبدالغفور غزنوی سے علم حدیث میں تحصیل کی۔ مولانا مفتی محمد حسن امرتسری سے فقہ اور اصول فقہ میں استفادہ کیا۔ امرتسر سے آپ سیالکوٹ چلے گئے اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی سے تفسیر قرآن کا مطالعہ کیا۔

تکمیل تعلیم کے بعد مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی تحریک پر مسجد اہلحدیث حاجی پورہ گوجرانوالہ کے خطیب مقرر ہوئے۔ ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں مولانا علاؤالدین خطیب مسجد نیائیں گوجرانوالہ نے انتقال کیا تو مولانا محمد اسمٰعیل کو اس مسجد کا خطیب مقرر کیا گیا۔ (یہ مسجد اب مرکزی مسجد اہلحدیث کے نام سے معروف ہے۔) آپ نے اس مسجد میں روزانہ بعد نماز فجر درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا اور اس کے ساتھ ایک دینی درسگاہ بنام جامعہ محمدیہ کی بنیاد رکھی۔ یہ مدرسہ اب بھی دین اسلام کی نشر و اشاعت، توحید و سنت کی ترقی و ترویج اور شرک و بدعت و محدثات کی تردید میں کوشاں ہے۔

جامعہ محمدیہ میں مولانا محمد اسمٰعیل سلفی خود بھی تدریس فرماتے تھے اور آپ کے ساتھ مولانا عبدالحکیم قصوری اور مولانا حافظ علی محمد مرحوم بھی طلباء کو اسباق پڑھاتے تھے۔ مولانا محمد اسمٰعیل سلفی کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں:

- مولانا محمد حنیف ندوی
- حکیم عبداللہ خاں نصر سوہدروی
- مولوی قادر بخش پٹیالوی
- مولوی ابویحیٰی امام خاں نوشہروی
- مولانا خالد گھرجاکھی
- مولانا حکیم محمود سلفی

❀ مولانا محمد اسحاق بھٹی

❀ مولانا عبدالعزیز حنیف

درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کے ساتھ ساتھ ملکی و قومی تحریکات میں بھی حصہ لیتے رہے۔

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس سے بھی تعلق رہا۔ آپ اس کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ تقسیم ملک سے آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی نے مغربی پاکستان جمیعۃ اہلحدیث کے نام سے جماعت قائم کی۔ جس میں آپ کا تعاون شامل تھا۔ ابتداء میں پروفیسر عبدالقیوم کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔ لیکن بعد میں وہ سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے مستعفی ہو گئے تو آپ کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔ آپ ناظم اعلیٰ کے منصب پر مولانا سید داؤد غزنوی کے انتقال (دسمبر ۱۹۶۳ء) تک فائز رہے۔

اس کے بعد آپ کو جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کا امیر منتخب کیا گیا اور اپنے انتقال (فروری ۱۹۶۸ء) تک آپ امیر جماعت رہے۔

۱۹۵۲ء میں حکومت پاکستان نے اسلامی آئین کی تشکیل کے لیے ۳۱ علما پر ایک کمیٹی مولانا سید سلیمان ندویؒ کی سربراہی میں بنائی۔ مولانا محمد اسمٰعیل سلفیؒ اس کمیٹی کے رکن تھے۔

علمائے کرام میں بعض علماء اس ذہن کے ہوتے ہیں کہ ان کو تقریر کا زیادہ ملکہ ہوتا ہے اور تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کم ہوتی ہے اور بعض حضرات تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں اور تقریر کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں اور بعض علمائے کرام اپنی تقریر عوامی ماحول میں کرتے ہیں مگر علمی موضوع پر بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ لیکن مولانا محمد اسمٰعیل سلفیؒ نے یہ خصوصیت بدرجۂ اتم پائی تھی کہ عوامی اور علمی تقریر یکساں روانی سے کرتے تھے اور تصنیف و تالیف میں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ ملکی سیاست میں کئی بار اسیر زندان بھی رہے۔ ۱۹۵۳ء کی قادیانی تحریک میں چھ ماہ جیل میں رہے۔ جماعت اہلحدیث کو منظم و فعال بنانے میں ان کی مساعیٔ جمیلہ کو بہت زیادہ دخل ہے۔ الجامعۃ السلفیہ کے قیام و انصرام میں ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔ مولانا محمد اسمٰعیل سلفیؒ ایک کامیاب مصنف تھے۔ ان کی تمام تصانیف حدیث

نبوی ﷺ کی حمایت و تائید میں ہیں۔ان کی تصانیف کی تفصیل یہ ہے:

(۱) خطبات سلفیہ
(۲) امام بخاری کا مسلک
(۳) مشکوٰۃ المصابیح ترجمہ (ربع اوّل)
(۴) واقعہ افک
(۵) مسئلہ حیات النبی ﷺ
(۶) رسول اکرم ﷺ کی نماز
(۷) زیارۃ القبور (اس کا عربی ترجمہ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری نے "مسئلۃ زیارۃ القبور فی ضوء الکتاب والسنۃ" کے نام سے کیا ہے۔)

حکیم محمود سلفی

مولانا حکیم محمود سلفی بن شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی ۱۹۲۸ء میں گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔عصری تعلیم میٹرک تھی۔اور اس کے بعد طبیہ کالج انجمن حمایت اسلام لاہور میں داخل ہوئے اور زبدۃ الحکماء کی ڈگری اعلیٰ نمبروں میں حاصل کی۔کالج میں اول آئے۔اور انہیں کالج کی طرف سے گولڈ میڈل دیا گیا۔

دینی تعلیم جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں اپنے والد محترم شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل السلفی حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی اور مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی سے حاصل کی۔

تکمیل کے بعد طب کو اپنا ذریعہ معاش بنایا اور حافظ آباد روڈ گوجرانوالہ میں اپنا مطب کھولا۔ان کا مطب بڑا کامیاب تھا۔طبیب حاذق تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں شفا رکھی تھی۔

تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ میں "مسجد مکرم" کے نام سے اپنی نگرانی میں ایک عالی شان مسجد تعمیر کرائی۔جس کے ساتھ ایک شاندار لائبریری اور مدرسہ بھی تعمیر کرایا۔مدرسہ کا نام "جامعہ اسلامیہ سلفیہ" رکھا۔وہاں آپ تدریس بھی

فرماتے۔ خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے تھے۔ اور مسجد مکرّم کی لائبریری میں اپنا اور اپنے والد محترم مولانا سلفی مرحوم کا کتب خانہ وقف کر دیا۔

مولانا حکیم محمود سلفی کا علم متحضر تھا۔ بڑے سادہ الفاظ میں تقریر کرتے۔ مسائل پر گہری نظر تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ میں ان کو یدطولیٰ حاصل تھا۔ سلفی عقیدہ رکھتے تھے۔ بڑے متبع سنت تھے۔

علاوہ ازیں بڑے حلیم الطبع، شریف النفس، صبر وتحمل کا پیکر، کم سخن اور متواضع تھے۔ جب بھی ملتے۔ بڑی خندہ پیشانی سے ملتے۔ بڑے مہمان نواز تھے۔

حکیم محمود سلفی اچھے مصنف تھے۔ اور تصنیف وتالیف کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تین کتابیں اس وقت شائع ہوچکی ہیں۔

۱. علمائے دیوبند کا ماضی وحال (تاریخ کے آئینے میں)
۲. نصیحت سلفی
۳. قرآن تحفظ دیتا ہے (انسانیت اور تمام کائنات کو)

حکیم صاحب نے ۱۰/اگست ۱۹۹۴ء کو گوجرانوالہ میں انتقال کیا اور قبرستان کلاں میں اپنے والد مولانا محمد اسماعیل مرحوم کے پہلو میں دفن ہوئے۔

تصانیف کا مختصر تعارف:

۱۔ علمائے دیوبند کا ماضی وحال

حکیم صاحب مرحوم اس کتاب کا آغاز ان اشعار سے کرتے ہیں:

کچھ لوگ ہیں جو مر کر بھی نہیں مرتے
اور موت سے زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں
کچھ لوگ ڈر کے حجروں میں گھسے جاتے ہیں
اور زندہ رہ کر بھی جیتے جی مر جاتے ہیں

حکیم صاحب مرحوم اس کتاب کی وجہ تالیف میں لکھتے ہیں:

مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے دین کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے اور وہ بلا وجہ اور بلا اشتعال دوسروں کے خلاف کتابیں لکھتے رہتے ہیں اور دین کو بیچ کر اس سے، اپنے پیٹ کا دوزخ بھرتے ہیں۔ اس طائفہ کے سربراہ مولانا سرفراز صاحب گکھڑوی ہیں۔ اس سے پہلے وہ خود اپنے نام سے لکھتے اور اپنے نام سے شائع کرتے تھے۔ اب وہ خود لکھ کر اپنے بیٹوں کے نام پر شائع فرماتے ہیں۔

اس سے پہلے میں نے ان کے دو رسالوں کا تعاقب کیا۔ ان میں بھی میں نے تمام دیوبندی علماء سے معذرت کی تھی کہ میں مسلک دیوبند کے خلاف نہیں۔ میں صرف مولانا سرفراز صاحب گکھڑوی کے خلاف لکھ رہا ہوں اور اس میں بحمد اللہ کبھی پہل نہیں کی اور نہ آئندہ ایسا ارادہ ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص بلا وجہ میرے مسلک کو نشانہ بنائے اور میرے بزرگ اکابرین کے خلاف کیچڑ اچھالے، جھوٹ بولے تو مجھے حق حاصل ہے کہ میں صرف اس کا دفاع کروں اور الزامات کی تردید کروں۔ ایسے ہی کم ظرف اور تنگ نظر علماء کی وجہ سے اسلام کو یہ دن دیکھنا پڑا ہے۔ کوفہ، بغداد اور اندلس کی عبرت ناک داستانیں تاریخ عالم میں ایسے ہی علماء کی روسیاہی کی یاد تازہ کر دیتی ہیں۔ بقول اقبال

گلہ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیان کروں تو کہیں کہے صنم بھی ''ہری ہری''

مولانا سرفراز صاحب محقق ہیں۔ لیکن اپنی تحریروں میں ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ ان کو نقل کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔

حکیم صاحب مرحوم اس سلسلہ میں مولانا سرفراز صاحب کی خدمت عرض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''مولانا سرفراز صاحب سے درخواست ہے کہ وہ اس طرز تکلم کو بند کر دیں۔ اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ آپ کی وجہ سے آپ کے شاگردوں نے بھی زبان کھولی

ہے اور جس قدر اخلاقی پستی، انحطاط، زبان درازی نے آج کے علماء میں راہ پائی ہے اس سے ان کی عزت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس بدزبانی اور بد اخلاقی کے آگے بند باندھیں۔ نہ آپ شرمسار ہوں۔ نہ ہمیں شرمسار کریں اور اگر یہ روش نہ بدلی گئی تو پھر ہم کو بھی مجبور سمجھیں۔"

"علمائے دیوبند کا ماضی و حال" جمعیۃ اہلحدیث گوجرانوالہ نے شائع کی۔ صفحات کی تعداد ۳۶۸ ہے۔ سن اشاعت ندارد۔

۲۔ نصیحت سلفی:

یہ حکیم محمود سلفی کی دوسری تصنیف ہے۔ یہ ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ادارہ احیاء السنۃ گرجاکھ، گوجرنوالہ نے شائع کی ہے۔ اس کتاب پر بھی سن اشاعت نہیں لکھا گیا۔

اس کتاب کی وجہ تالیف کے بارے میں حکیم صاحب مرحوم فرماتے ہیں کہ:

"مولانا عبدالحق بشیر صاحب فرزند ارجمند جناب مولانا ابوزاہد محمد سرفراز خاں صاحب صفدر نے ایک کتابچہ تحریر فرمایا۔ جس کا نام "فتاویٰ ربانی برمرزا قادیانی" رکھا ان دنوں کسی اہلحدیث نے مولانا گنگوہی صاحب کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ جن بزرگوں کا نام لے کر اس کتاب میں برا بھلا کہا گیا نہ ہی انہوں نے گنگوہی کے متعلق کہا۔

مگر مولانا عبدالحق صاحب جن کو حق بات کہنے ہی چاہیے تھی ناحق مولانا ثناء اللہ صاحب، مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی، مولانا حافظ عنایت اللہ صاحب اثری اور مولانا مودودی صاحب وغیرہ کو اس کتاب میں مطعون کیا اور ان کے سفید کفن کو داغدار کرنے کی کوشش کی۔ علاوہ ازیں سید عنائت اللہ شاہ گجراتی، سرسید احمد خاں مرحوم اور عبداللہ چکڑالوی کو ہمارے ساتھ نتھی کیا اور خوب کوسا۔ انہوں نے بشیر بننے کی بجائے خوب نفرت پھیلائی۔

مجھ جیسے آدمی کو جسے تصنیف و تالیف سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات ناگوار گزری۔ میں نے محض ان کی صفائی پیش کی اور ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام "علمائے دیوبند کا ماضی و حال تاریخ کے آئینے میں" رکھا۔ میری توقع کے خلاف اس کے دو ایڈیشن فوراً نکل گئے۔ احباب نے

اسے پسند کیا۔

مولانا عبدالحق بشیر صاحب نے جو کتابچہ لکھا۔ اس میں کیا لکھا۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں:

''کوئی اہم مسئلہ نہیں۔ نہ ہی اعتقادی ہے۔ نہ اس پر راہ نجات، نہ اس کا علم ہونا ضروری ہے۔ نہ اس کا ایمان و اعتقاد سے کوئی تعلق ہے۔ سارا زور فوت شدہ بزرگوں کے عیوب تلاش کرنے پر صرف کر دیا ہے جس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔''

علمائے دیوبند کا خاصا ہے کہ ہر وقت تعصب کی عینک سے دیکھتے ہیں اور اس حد تک آگے بڑھ جاتے ہیں کہ اپنے ہی علماء جو کبھی کبھی حقیقت کو تسلیم کر لیتے ہیں، ان کی تحریروں کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مولانا عبدالحق بشیر کا خاصا یہ ہے کہ انہوں نے کبھی تعصب کی عینک نہیں اتاری اپنی کتاب ''سیف حنفی'' میں مولانا محمد حسین بٹالوی پر ۷۰ صفحات سیاہ کر دیئے ہیں اور ان کی تنقیص کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ (۱۴۲ تا ۲۱۲)

مکران کے ایک عالم مولانا محمد رفیق دلاوری دیوبندی حنفی اپنی کتاب ''رئیس قادیاں'' ج ۲ ص ۱۳۲ پر لکھتے ہیں کہ:

''مولانا بٹالوی نے قبول مرزائیت سے اعراض کیا۔ بلکہ الٹا آخری وقت مرزائیت کے جسم پر چرکے لگاتے رہے اور مرزا کے سینے پر مونگ دلتے رہے۔''

کتاب کے آخر میں حکیم صاحب مرحوم ''نصیحت سلفی'' کے عنوان سے مولانا سرفراز خاں کے فرزند ارجمند مولانا عبدالحق بشیر صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں:

۱۔ آپ صرف اور صرف حضور ﷺ کی اطاعت کریں۔ او ان ہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے اہل سنت کہلائیں۔ امام ابو حنیفہؒ بے شک بہت بڑے امام تھے۔ ان کی طرف نسبت (حنفی) سے اہل سنت کہلانا بہرحال بہتر ہے۔ لیکن آپ اہل سنت سے زیادہ حنفی کہلا کر خوش ہوتے ہیں اور یہ ترجیح مناسب نہیں۔

۲۔ آپ پر فرض ہے کہ آپ حبیب اللہ ڈیروی کو مسجد سے نکال دیں جس نے بخاری

شریف کے متعلق بدزبانی کی ہے اور والد بزرگوار کو میری طرف سے دست بستہ گزارش کریں کہ وہ حدیثِ پاک، محدثین اور رواۃ حدیث کے متعلق اپنے لکھے ہوئے الفاظ سے توبہ کریں۔ موت قریب ہے کہیں ان کی صورت مسخ نہ ہو جائے اور ہم سب کے لیے ذلت کا سبب نہ بنے۔

۳۔ فوت شدگان کی عیب جوئی ترک کر دیں۔ وہ لوگ جنہوں نے دین کی خدمت کر کے نام پیدا کیا ہے، اگر انہوں نے مسائل بیان کرتے وقت غلطی بھی کی ہے تو وہ بھی ثواب کے مستحق ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو غلطی پر بھی ثواب کا مستحق گردانتا ہے تو مجھے اور آپ کو کیا حق ہے کہ ہم ان کو گندہ کریں۔

پاکستان کو صرف اور صرف وہابیت سے خطرہ ہے۔ اس لیے وہابیت کے استیصال کے لیے جس کے ذہن میں کوئی تجویز ہو۔ وہ اس سے ہمیں مطلع کرے۔ مگر اس کا ذکر اخبارات یا پریس میں نہیں آنا چاہئے۔

حکیم صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ:

”شیعہ حضرات، بریلوی حضرات کو اپنی مجالس میں بلاتے ہیں اور سنی عوام اپنے علماء کے پیچھے ان کی مجالس میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس سے شیعہ عقائد بریلوی اہل سنت میں نفوذ کرنے لگے اور اقلیتی فرقہ ایک اکثریتی فرقے میں اپنی پالیسی نافذ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اب یہ اقلیتی فرقہ اپنی پالیسی کی وجہ سے اس ملک میں بالادست ہے اور بیوقوف اکثریت لایعنی مسائل پر لڑ کر اپنا ہی نقصان کر رہی ہے۔ افسوس! اس بات پر ہے کہ اسے احساس زیاں نہیں رہا۔“

ایک عبدالستار نیازی کے علاوہ باقی تمام سابقہ اور موجودہ سنی سیاسی لیڈر اس روش پر چل کر اپنی قدر رکھو چکے ہیں۔

اس شیعہ قیادت کو آگے لانے میں مولانا فضل الرحمن، مولانا نورانی اور ساجد میر جیسے

لوگ پیپلز پارٹی کے بالواسطہ اور بلاواسطہ مددگار بنے ہیں۔

اور یہ سب اپنوں کو جمع کرنے کی بجائے آپس میں محاذ آرائی میں جتے ہوئے ہیں اور پاکستان، اسلام اور اپنے مستقبل کو تباہ کر رہے ہیں۔

حکیم صاحب مرحوم عورت کی سربراہی کو کسی بھی لحاظ سے جائز نہیں سمجھتے تھے اور عورت کی سربراہی کو اسلام کے منافی قرار دیتے تھے۔

عورت گھر کی ملکہ ہے۔ اس کی عزت گھر میں ہے۔ اس کی ضرورت بھی گھر میں ہے۔ اس لیے ملازمت کی ضرورت نہیں۔ خاوند ان کے کھانے پینے کا ذمہ دار ہے۔ بیگانوں میں جا کر کام کرنا ان کے مذاق اور دست درازی کو برداشت کرنا باعزت اور غیرت مند عورت کو کیسے قبول ہو سکتا ہے۔

شریعت میں بھی ان کے ذمے کوئی ایسا کام نہیں لگایا جو گھر سے باہر ہو۔

① کوئی عورت نبی نہیں بنی۔

② جماعت کی امامت نہیں کرا سکتی۔

③ اذان نہیں دے سکتی۔

④ جمعہ اور عیدین نہیں پڑھا سکتی۔

⑤ نکاح میں ولی نہیں بن سکتی۔

⑥ طلاق اس کے اختیار میں نہیں۔

⑦ محرم کے بغیر حج وعمرہ کے لیے نہیں جا سکتی۔

⑧ قاضی نہیں بن سکتی۔

خطبہ کے آخر میں حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ:

رضیہ سلطانہ کا باپ فوت ہو گیا۔ بھائی نالائق تھے۔ مگر مسلمان پبلک کے عتاب کا شکار ہو کر قتل ہو گئی۔

قدوسیہ بیگم، سکندر جہاں بیگم، ریاست بھوپال کا جب کوئی نرینہ وارث نہ رہا۔ تو ان کو

تخت نشین ہونا پڑا۔ اگر نہ ہوتیں تو ریاست مسلمانوں کے ہاتھ سے انگریزوں کے پاس چلی جاتی۔ نواب صدیق حسن خاں سے شادی کی اور وہی ریاست کا کام چلاتے رہے۔

٭

حافظ عبدالغفور

مولانا حافظ عبدالغفور بن محمد اسماعیل ۱۰/اپریل ۱۹۲۴ء مطابق ۵/شعبان ۱۳۴۲ھ ضلع اوکاڑہ کے ایک گاؤں بستی اٹھوال جاگیرا میں پیدا ہوئے۔

تعلیم کا آغاز گھر سے ہوا اور ۶ سال کی عمر میں آپ نے ناظرہ قرآن مجید ختم کیا۔ آپ کی عصری تعلیم پرائمری تھی۔

۱۹۳۸ء میں اپنی تعلیم کا باقاعدہ آغاز کیا۔ آپ نے دینی تعلیم مدرسہ جھوک دادو، مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ، مدرسہ محمدیہ لکھوکے اور مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ میں حاصل کی۔ آپ نے جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ان کے نام یہ ہیں:

(۱) حضرت میاں محمد باقر جھوک دادو
(۲) مولانا عطاء اللہ لکھوی
(۳) مولانا حافظ محمد اسحاق حسینوی
(۴) مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی
(۵) مولانا حافظ عبدالرحمن صافوی
(۶) مولانا محمد چراغ صاحب گوجرانوالہ
(۷) حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی

تکمیل تعلیم کے بعد درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ آپ نے جن مدارس میں وقتاً فوقتاً تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۳ء	مدرسہ تدریس القرآن والحدیث جھوک۔ دادو
۱۹۵۴ء تا ۱۹۵۵ء	مدرسہ تدریس القرآن والحدیث راولپنڈی
۱۹۵۶ء تا ۱۹۵۷ء	تاندلیانوالہ ضلع فیصل آباد
۱۹۵۸ء	جامع مسجد اہلحدیث جہلم
۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۱ء	جامعہ سلفیہ فیصل آباد
۱۹۶۲ء تا ۱۹۸۶ء	جامعہ اثریہ جہلم

۱۹۶۲ء میں حافظ صاحب نے مستقل طور پر جہلم میں رہائش اختیار کر لی اور ایک عظیم الشان دینی مدرسہ بنام جامعۃ العلوم الاثریہ قائم کیا۔ جس کا سنگ بنیاد ۲۹ ستمبر ۱۹۷۹ء بروز ہفتہ امام کعبہ الشیخ عبداللہ بن سبیل نے رکھا۔

حافظ عبدالغفور کی ساری زندگی تدریس میں صرف ہوئی۔ اس لیے آپ کی تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا محمد مدنی ایم اے، مولانا محمود احمد غضنفر، مولانا عبدالخالق قدوسی شہیدؒ، مولانا حفیظ الرحمٰن لکھوی اور محمد عبداللہ ہزاروی وغیرہم۔

حافظ عبدالغفور صاحب نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ ملک میں دینی و سیاسی تحریکات میں بھی حصہ لیا۔ ۱۹۵۳ء کی قادیانی تحریک، تحریک نفاذ اسلام ۱۹۷۰ء، تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء اور تحریک نظام مصطفیٰ ۱۹۷۷ء میں نمایاں کردار ادا کیا۔

جماعت اہلحدیث کو منظم اور فعال بنانے میں بھی حافظ صاحب کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔ حافظ عبدالغفور اخلاق حمیدہ اور اوصاف ستودہ کے حامل تھے۔ آپ جامع الکمالات شخصیت تھے۔ ان کی شخصیت بیک وقت مدرس، مفسر، محدث، مؤرخ، خطیب، متکلم، معلم، مصنف، مفتی اور سیاست دان کی تھی۔ ذہانت و فطانت، دیانت و خلوص، جرأت و راستبازی، حق گوئی و بے باکی میں اپنی مثال آپ تھے۔

بہت زیادہ عابد و زاہد تھے۔ حج بیت اللہ کی سعادت سے کئی بار مشرف ہوئے۔

حافظ عبدالغفور نے ۱۱ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۶ء بروز جمعرات ۶۳

برس کی نبوی عمر میں جہلم میں انتقال کیا۔ مولانا محمد عبداللہ گوجرانوالہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی تعداد کئی ہزار تھی۔

اولاد میں پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ہے اور پانچوں بیٹے علمائے دین ہیں۔ بڑے فعال اور متحرک اور دینی خدمات میں ایک دوسرے کے معاون اور بازو ہیں۔

مولانا محمد مدنی، قاری عبدالرشید، حافظ عبدالحمید عامر، حافظ احمد اور حافظ عبدالرؤف۔

☆

محمد مدنی

مولانا محمد مدنی بن مولانا حافظ عبدالغفور ۵؍جنوری ۱۹۴۶ء مطابق یکم صفر ۱۳۶۵ھ کو پیدا ہوئے۔

عصری تعلیم میں ایم اے۔ ایم او ایل اور مولوی فاضل تھے۔

دینی تعلیم کا آغاز اپنے والد مولانا حافظ عبدالغفور مرحوم سے کیا۔ اس کے بعد دارالعلوم تعلیم الاسلام ماموں کانجن، جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور جامعہ شرعیہ دال بازار گوجرانوالہ میں دینی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد عبداللہ جھال خانوآنہ، مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا ابوالبرکات آزاد احمد مدارسی اور حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی کے نام ملتے ہیں۔

پاکستان میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور کلیۃ الشرعیہ کا امتحان امتیازی نمبروں میں پاس کیا۔ اس لیے مدنی کہلاتے تھے۔

ادارہ جامعۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد سے تخصص فی الحدیث کا امتحان بھی پاس کیا۔ قیام مدینہ منورہ کے دوران آپ نے ۴ سال تک مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے رہے۔ پاکستان آنے کے بعد درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ اور دعوت وارشاد میں مصروف رہے۔ اور اس کے

ساتھ ساتھ آپ جامعۃ العلوم الاثریہ جہلم کے مہتمم اور نگران تھے۔

مولانا محمد مدنی بڑے اچھے مبلغ، خطیب اور مقرر تھے۔علوم دینیہ پر مکمل دسترس تھی۔ اور دینی مسائل پر اچھا خاصا عبور تھا۔تصنیف وتالیف میں آپ کے اب تک درج ذیل رسائل شائع ہو چکے ہیں:

مرزائی غیر مسلم کیوں؟ مسنّہ کی قربانی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی نماز۔قرآن مجید اور شیعہ (عربی)

مولانا محمد مدنی بڑے خلیق، ملنسار، مہمان نواز اور اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔ راقم سے بڑی محبت سے پیش آتے تھے۔ ۱۸/فروری ۲۰۰۲ء مطابق ۵/ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ جہلم میں انتقال کیا۔

عبدالحمید عامر

مولانا حافظ عبدالحمید عامر بن مولانا حافظ عبدالغفور ۶/ستمبر ۱۹۵۶ء مطابق ۳۰ محرم ۱۳۷۶ھ تاندلیانوالہ ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم مولانا حافظ عبدالغفور سے حاصل کی۔ بعد ازاں جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ اور جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد میں زیر تعلیم رہے۔ آپ نے جن اساتذہ کرام سے استفادہ کیا۔ان کے نام یہ ہیں:

مولانا محمد الیاس اثری، مولانا عبدالحمید ہزاروی، مولانا محمد اعظم، حضرت شیخ الحدیث مولانا ابوالبرکات احمد مدارسی۔

فراغت تعلیم کے بعد آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور وہاں آپ نے "کلیۃ الشرعیہ" کی سند حاصل کی۔

مدینہ منورہ میں واپسی کے بعد آپ مدرسہ ''جامعۃ العلوم الاثریہ'' جہلم میں تدریس بھی فرماتے ہیں اور جامعہ کے نگران بھی ہیں۔ ماہنامہ ''حرمین'' کے مدیر بھی ہیں۔ اس میں آپ کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔

حافظ صاحب بڑے خوش اخلاق اور مہمان نواز ہیں۔ تصنیف میں ''کانگرس لائبریری واشنگٹن میں موجود مخطوطہ'' المسترة البشارة فی السلطنة والوزارة للمرعی کی تحقیق کی۔ یہ کتاب ابھی تک طبع نہیں ہو سکی۔

عطاء اللہ حنیف

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی جماعت اہلحدیث کے بلند پایہ عالم دین تھے۔ آپ علوم اسلامیہ کے متبحر عالم تھے۔ تمام علوم اسلامیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، اسماء الرّجال، تاریخ وانساب، ادب ولغت، علم منقول، فلسفہ اور منطق اور صرف ونحو میں ان کو مکمل دسترس حاصل تھی۔ فن جرح وتعدیل اور اسماء الرّجال میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ حدیث اور متعلقات حدیث پر ان کی نظر وسیع تھی۔

مولانا عطاء اللہ حنیف بیک وقت مفسر بھی تھے اور محدث بھی۔ مؤرخ بھی تھے اور فقیہہ بھی، محقق بھی تھے اور ادیب بھی، معلم بھی تھے اور متکلم بھی، نقاد بھی تھے اور دانشور بھی، صحافی بھی تھے اور مبصر بھی، مصنف بھی تھے اور انشاء پرداز بھی، اور اس کے ساتھ ساتھ عابد بھی تھے اور زاہد بھی، حسن اخلاق کا پیکر بھی تھے اور مجسمۂ شرافت بھی۔

مولانا عطاء اللہ حنیف بن میاں صدر الدین ۱۹۱۰ء میں قصبہ بھوجیاں تحصیل ترنتارن ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید معہ ترجمہ اپنے والد سے پڑھا۔ اس کے بعد مولانا عبدالرحمٰن بھوجیانی بن مولانا فیض اللہ بھوجیانی سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں آپ

نے مختلف علوم میں جن حضرات سے استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں:

مولانا عطاء اللہ لکھوی، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی، مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی، مولانا حافظ عبداللہ روپڑی۔

فراغت تعلیم کے بعد کوٹ کپورہ، فیروز پور، اوڈانوالہ اور تقویۃ الاسلام لاہور میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ قیام پاکستان کے بعد کچھ عرصہ گوندلانوالہ میں مقیم رہے اور بعدازاں لاہور شیش محل روڈ مستقل سکونت اختیار کی۔ گوندلانوالہ کے قیام کے دوران گوجرانوالہ سے ہفت روزہ ''الاعتصام'' جاری کیا۔ جو بعد میں جمعیۃ اہلحدیث پاکستان کا آرگن بھی رہا۔ مگر بعد میں جمعیۃ اہلحدیث سے اختلاف کی وجہ سے الاعتصام کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور اپنی نگرانی میں اس کی اشاعت جاری رکھی۔ آج کل ان کے صاحبزادہ حافظ احمد شاکر کی ادارت میں شائع ہو رہا ہے۔

الاعتصام جب جاری ہوا، تو اس کے پہلے ایڈیٹر مولانا محمد حنیف ندوی مقرر ہوئے۔ بعد میں مولانا اسحاق بھٹی، مولانا محی الدین سلفی، علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید، حافظ صلاح الدین یوسف، مولانا علیم ناصری، قاری نعیم الحق نعیم اس کے ایڈیٹر رہے۔ مولانا سید محمد داؤد بھی اس کے نگران رہے ہیں۔ آج کل حافظ عبدالوحید اس کے ایڈیٹر ہیں۔

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ٹھوس اور تحقیقی مطالعہ ان کا سرمایہ علم تھا۔ حدیث اور اسماء الرّجال پر ان کی نظر بہت وسیع تھی۔ حدیث نبوی ﷺ سے ان کو خاص شغف تھا۔ اور حدیث کے معاملہ میں معمولی سی مداہنت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ مجھ سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

علمائے اہلحدیث میں شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ مرحوم ومغفور اور شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل السّلفی مرحوم ومغفور حدیث کے معاملہ میں بہت سخت تھے اور کسی قسم کی معمولی سی مداہنت برداشت نہیں کرتے تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم کا اخبار اہلحدیث اس سلسلے میں بطور شہادت پیش کیا جاسکتا ہے۔ فتنہ انکار حدیث کی سرکوبی کے لیے مولانا

امرتسری کی خدمات نمایاں ہیں۔ منکرین حدیث سے تقریری اور تحریری مناظرے بھی کیے۔ اور ان کی کتابوں کے جوابات بھی دیئے۔

جہاں تک شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی کا تعلق ہے۔ آپ نے حدیث کی بہت خدمت کی۔ آپ بھی معمولی سی مداہنت برداشت نہیں کرتے تھے۔ جب بھی حدیث سے متعلق کوئی ایسا مضمون ان کی نظر سے گزرتا جس میں حدیث کی تنقیص ہوتی تو فوراً اس کا نوٹس لیتے اور الاعتصام میں اس کا جواب دیتے۔ آپ کی کتاب ''حجیت حدیث'' میں جو مقالات شائع ہوئے ہیں وہ سب حدیث کی حمایت و تائید میں ہیں۔ اور اس کے علاوہ آپ کی کتاب ''جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث'' بہت عمدہ کتاب ہے، جس میں مولانا مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی کے نظریات حدیث کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم نے اپنے رسالہ ''خطاب مودودی'' میں مولانا مودودی کے نظریۂ حدیث کی وضاحت کی ہے۔

انکار حدیث کا فتنہ عبداللہ چکڑالوی نے پیدا کیا۔ اس کے ساتھ دو تین حضرات مولوی احمد الدین امرتسری اور مستری محمد رمضان گوجرانوالہ نے اس فتنہ کو ہوا دی۔ تو مولانا ثناء اللہ مرحوم نے ان سب کا نوٹس لیا۔ اسی دوران پٹنہ کے ایک بدعتی شخص ڈاکٹر عمر کریم نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی کتاب صحیح بخاری اور حدیث کے خلاف کئی کتابیں اور اشتہار شائع کیے۔ تمنا عمادی اور مسٹر غلام احمد پرویز نے بھی فتنہ انکار حدیث کو خوب ہوا دی۔ علماء اہلحدیث نے ان دونوں کی تحریروں کا بھی نوٹس لیا اور حدیث کی نصرت و حمایت میں مضامین اور کتابیں لکھیں۔ حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی نے مسٹر پرویز کی کتاب ''مقام حدیث'' کا جواب ''دوام حدیث'' سے دیا۔ جو ماہنامہ ''ترجمان الحدیث'' میں قسط وار شائع ہو چکی ہے۔ تمنا عمادی کے مضامین کا جواب مولانا اسمٰعیل سلفی نے الاعتصام میں دیا۔

بہرحال یہ حقیقت ہے کہ حدیث کے دفاع اور اس کی تائید و حمایت و نصرت میں علمائے اہلحدیث کی خدمات نمایاں ہیں۔

علمی مقام:

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کا علمی مقام بہت بلند تھا۔ حقیقت میں علوم اسلامیہ کا بحر ذخار تھے۔ مسائل کی تحقیق و تدقیق میں ان کی حیثیت مسلّم تھی۔ اور برصغیر (پاک و ہند) کے ممتاز اہل علم وقلم نے ان کی علمی تبحر کے معترف تھے۔ مولانا عبدالقادر ندوی صدر جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن نے ایک بار راقم سے فرمایا کہ:

میں نے مولانا عطاء اللہ حنیف جیسا محقق اور صاحب علم وفضل عالم نہیں دیکھا ان کا مطالعہ بہت وسیع اور ٹھوس ہے۔ مسائل کی تحقیق و تدقیق کے سلسلے میں ان کی معلومات بہت وسیع ہیں اور میں انہیں اپنا مرشد مانتا ہوں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حافظ ابن القیم رحمہ اللہ:

مولانا عطاء اللہ حنیف کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم اور ان کی تصانیف سے والہانہ عشق تھا۔ آپ نے اپنے کتب خانہ میں ان دونوں ائمہ کرام کی تمام مطبوعہ تصانیف جمع کی تھیں اور ان کی تمام تصانیف کا بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا۔ ان دونوں ائمہ کرام سے عقیدت کی بنا پر ان کی کئی تصانیف اپنے اشاعتی ادارہ المکتبہ السلفیہ سے شائع کیں۔

کتب خانہ:

مولانا عطاء اللہ حنیف کو کتابیں جمع کرنے کا جنون تھا۔ قیام پاکستان سے قبل فیروز پور میں ایک کتب خانہ بنایا۔ مگر وہ سارا کتب خانہ فسادات میں ضائع ہوگیا۔ پاکستان میں آکر مولانا نے دوبارہ کتابیں جمع کرنی شروع کیں اور ایک مثالی کتب خانہ بنایا۔ محی السنۃ مولانا سید نواب صدیق حسن خاں نے مختلف موضوعات پر عربی، فارسی اور اُردو میں ۲۲۲ کتابیں تصنیف کیں۔ آپ نے یہ سب کتابیں اپنے کتب خانہ میں جمع کیں۔ اگر کوئی کتاب قیمتاً دستیاب نہیں ہوئی۔ تو اس کا فوٹو سٹیٹ حاصل کر کے اس کی جلد بنوالی۔

اُردو رسائل میں ''معارف اعظم گڑھ'' اور بُرہان دہلی کے فائل بھی مولانا مرحوم نے

جمع کیے۔ آپ کے کتب خانہ سے سب سے زیادہ ذخیرہ شرح حدیث اور اسماء الرّجال کے متعلق ہے۔ تفاسیر قرآن مجید پر بھی کافی کتابیں ان کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

مولانا عطاء اللہ حنیف / پروفیسر حکیم عنایت اللہ نسیم کی نظر میں:

پروفیسر حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی مرحوم اپنے دور کے ایک نامور طبیب اور ادیب و دانشور، صحافی، شاعر، نقاد اور سیاست دان تھے۔ اور تحریک پاکستان میں ان کی گرانقدر خدمات کے سلسلے میں حکومت پاکستان نے انہیں گولڈ میڈل دیا تھا۔ مولانا عطاء اللہ مرحوم کے دیرینہ اور مخلص دوست تھے۔ حکیم صاحب مرحوم جب بھی لاہور جاتے تو مولانا عطاء اللہ کے مہمان ہوتے۔ حکیم صاحب مرحوم اکثر مجھ سے مولانا عطاء اللہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ:

میں نے مولانا عطاء اللہ حنیف جیسا ذی علم، محقق، مدبر اور صاحب بصیرت عالم نہیں دیکھا۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ملکی سیاست اور برصغیر کی تمام سیاسی وغیر سیاسی تحریکات سے کما حقہ واقف تھے۔ ہر تحریک کے بارے میں اپنی ایک ناقدانہ رائے رکھتے تھے۔ تحریک ندوۃ العلماء، جمعیۃ العلماء ہند، مجلس خلافت اور مجلس احرار کے بارے میں ان کو بہت زیادہ معلومات تھیں اور کبھی کبھی وہ ان تحریکات کے متعلق اظہار خیال بھی فرماتے تھے۔ میری طرح مولانا ابوالکلام آزاد، سید سلیمان ندوی اور مولانا ظفر علی خاں سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ اس لیے مولانا عطاء اللہ سے بہت زیادہ محبت اور عقیدت تھی۔

وفات:

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف پر ۱۹۸۳ء میں فالج کا حملہ ہوا۔ جس کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے۔ علاج معالجہ ہوتا رہا۔ کچھ عرصہ بعد سہارے سے چلنے پھرنے لگے۔ آخر آپ نے ۳/اکتوبر ۱۹۸۷ء کو انتقال کیا۔ مولانا حافظ محمد یحییٰ میر محمدی نے نماز جنازہ پڑھائی اور میانی صاحب کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

تصانیف:

مولانا عطاء اللہ حنیف ایک بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ان کی تمام تصانیف ان کے علم و فضل، ذوق تحقیق اور وسعت مطالعہ کی آئینہ دار ہیں۔آپ کی تصانیف عربی اور اُردو میں ہیں۔جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

① اصول تفسیر (اُردو) تالیف امام ابن تیمیہ ترجمہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی (اس کے حواشی آپ نے لکھے)
② التعلیقات السلفیه (شرح سنن نسائی (عربی))
③ تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ (عربی) جلد ثالث
④ فیض الودود تعلیق علی سنن ابی داؤد (عربی)
⑤ رہنمائے حجاج (اُردو)
⑥ احادیث رفع الیدین کا کوئی ناسخ نہیں ہے۔(اُردو)
⑦ قربانی کی شرعی حیثیت اور چند غلط فہمیوں کا ازالہ (اُردو)
⑧ پیارے رسول کی پیاری دعائیں
⑨ اسلام اور قبروں پر عرس
⑩ تعلیق الاتباع (عربی)
⑪ ترجمة الایقان فی اسباب الاختلاف (اُردو)
⑫ کربلا کی کہانی حضرت امام ابوجعفر باقر کی زبانی
⑬ امام شوکانی (اُردو)
⑭ حیات امام احمد بن حنبل۔تالیف: پروفیسر ابوزہرہ مصری، ترجمہ: رئیس احمد جعفری، تنقیح وتحقیق اور تخریج وحواشی: مولانا عطاء اللہ حنیف۔
⑮ حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔تالیف: پروفیسر ابوزہرہ مصری، ترجمہ: رئیس احمد جعفری، مقدمہ: غلام رسول مہر، تنقیح، تخریج اور تحقیق وحواشی: مولانا عطاء اللہ حنیف

⑯ حیات امام ابوحنیفہ۔ تالیف: پروفیسر ابوزہرہ مصری، ترجمہ: غلام احمد حریری، تنقیح وتحقیق اور تخریج وحواشی: مولانا عطاء اللہ حنیف

⑰ اتحاف النبیہ فیما یحتاج الیہ المحدث والفقیہ (عربی)

استدراک:

مولانا عطاء اللہ حنیف کی زندگی کا بیشتر حصہ درس وتدریس میں گزرا۔ اس لیے آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا محمد اسحاق بھٹی	سابق مدیر ہفت روزہ الاعتصام لاہور
مولانا محی الدین سلفی مرحوم	سابق مدیر ہفت روزہ الاعتصام لاہور
مولانا حافظ صلاح الدین یوسف	سابق مدیر ہفت روزہ الاعتصام لاہور
مولانا محمد سلیمان انصاری مرحوم	سابق منتظم ہفت روزہ الاعتصام لاہور
مولانا حافظ نعیم الحق نعیم مرحوم	سابق مدیر ہفت روزہ الاعتصام لاہور
مولانا حافظ احمد شاکر	مدیر مسئول ہفت روزہ الاعتصام لاہور
حافظ عبدالرحمٰن گوہڑوی	
مولانا حافظ محمد اسحاق حسینوی	
مولانا معین الدین لکھوی	
مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروزپوری مرحوم	
مولانا محمد یحییٰ شرق پوری	

مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم رویت ہلال کمیٹی، مجلس شوریٰ اور اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن بھی رہے۔ جمعیۃ اہلحدیث لاہور کے امیر اور مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔ آخری عمر میں جمعیۃ اہلحدیث پاکستان سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

حافظ احمد شاکر

حافظ احمد شاکر، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے گھر ۱۹۴۶ء میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم کی ابتداء حفظ قرآن مجید سے کی۔ بعدازاں اپنے والد محترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی۔

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی، مولانا ابوالبرکات احمد مدارسی اور حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدّث گوندلوی سے بھی استفادہ کیا۔

مولانا عطاء اللہ حنیف نے جب اپنا اشاعتی ادارہ المکتبۃ السّلفیہ قائم کیا تو اس کا سارا انتظام آپ نے حافظ صاحب کے سپرد کر دیا۔ حافظ نعیم الحق نعیم کے انتقال کے بعد الاعتصام کی ذمہ داری آپ پر آ پڑی۔ آج کل آپ ہی الاعتصام کے روح رواں ہیں۔ ان کے اداریے بڑے معلوماتی ہوتے ہیں۔ حالات حاضرہ پر بڑے اچھے انداز میں اظہار خیال کرتے ہیں۔

حافظ احمد شاکر بڑے ملنسار، خوش اخلاق اور اوصاف حمیدہ کے حامل ہیں۔ جب بھی ملتے ہیں بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔ بڑے متواضع ہیں۔

فصل سوم

۱ شاہ محمد اسحاق دہلوی
۲ شاہ محمد یعقوب دہلوی
۳ بدیع الزمان حیدر آبادی
۴ وحید الزمان حیدر آبادی
۵ عبدالاحد خان پوری
۶ ابوعبداللہ محمد خان پوری
۷ یوسف حسین خان پوری
۸ عبدالرحمٰن بقا
۹ عبدالمنان وفا
۱۰ فقیر اللہ مدراسی
۱۱ عبدالرحمٰن شاہ پوری
۱۲ محب اللہ شاہ راشدی
۱۳ بدیع الدین شاہ راشدی
۱۴ احسان الٰہی ظہیر
۱۵ ڈاکٹر فضل الٰہی
۱۶ عبدالرحمٰن راسخ
۱۷ عبدالستار حامد
۱۸ محمد سلیمان اثری
۱۹ عبدالمنان راسخ
۲۰ عبدالرحمٰن سلفی
۲۱ محمد اسحاق سلفی

شاہ محمد اسحاق دہلویؒ

حضرت شاہ محمد اسحاق بن شیخ محمد افضل فاروقی ۱۱۹۲ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے تھے۔

علوم دینیہ کی تعلیم مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی، مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی اور مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی سے حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد مدرسہ رحیمیہ دہلی میں مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ اور مسلسل ۲۰ سال تک حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی نگرانی میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۲۳۹ھ میں حضرت شاہ عبدالعزیز کی وفات کے بعد ان کے جانشین مقرر ہوئے۔

۱۲۴۰ھ میں حرمین شریفین تشریف لے گئے تو شیخ عمر بن عبدالکریم مکی۔ سے حدیث میں استفادہ کیا۔ ۱۲۴۲ھ میں واپس ہندوستان آئے اور دوبارہ مدرسہ رحیمیہ کی مسند تدریس پر فائز ہوئے اور ۱۶ سال تک کتاب وسنت کی اشاعت میں مصروف رہے۔

۱۲۵۸ھ میں آپ نے اپنے برادر خورد مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی کے ساتھ مکہ معظمہ ہجرت کر گئے۔ مکہ معظمہ میں بھی اپنی وفات ۱۲۶۲ھ تک حدیث کی تدریس و خدمت میں سرتاپا منہمک رہے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق نے ۴۰ سال تک تدریس فرمائی اور اس عرصہ میں آپ سے بے شمار حضرات مستفیض ہوئے۔ آپ کے تلامذہ کا شمار ممکن نہیں۔ تاہم آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

مولانا احمد علی سہارن پوری محشی صحیح بخاری، نواب صدرالدین خاں دہلوی، نواب قطب الدین دہلوی، مولانا عالم علی مرادآبادی، مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی، مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی، مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی، مولانا شاہ محمد

عمر بن شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی، مولانا عبدالخالق دہلوی، مولانا شاہ عبدالغنی مجددی، مولانا حافظ محمد جون پوری، مولانا عبدالقیوم بھوپالی، مولانا محمد فاضل سواتی اور سر سید احمد خاں دہلوی

مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی علم و فضل کے اعتبار سے بلند مرتبہ و مقام کے حامل تھے۔ سید رئیس احمد جعفری ندوی لکھتے ہیں کہ:

شاہ محمد اسحاق علم حدیث کے تمام گوشوں میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ انتہائی متقی اور پرہیزگار تھے اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ اس میں ان کی محویت و استغراق کا یہ عالم تھا کہ شاہ عبدالعزیز جب مدرسے میں تشریف لاتے اور دریافت کرتے کہ اس وقت مدرسے میں کون ہے۔ اگر خدام کہتے کہ حضور فلاں ہے تو فرماتے خیر۔ اگر وہ لوگ کہہ دیتے میاں اسحاق ہیں تو فرماتے کہ مدرسے کی حفاظت کا انتظام کرو۔ اسحاق کے بھروسے پر نہ رہو۔ اسباب تو اسباب اگر کوئی مدرسے کی دیواریں اٹھا کر لے جائے گا۔ تب بھی اسے خبر نہ ہوگی۔

گویا محویت اور استغراق کا یہ عالم تھا کہ اردگرد کے ماحول سے بالکل بے خبر ہوتے۔ اس لیے تو حضرت شاہ عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمَاعِیْلَ وَاِسْحَاقَ ﴾

”اللہ کی بے پناہ تعریف کہ جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔“

حضرت شاہ محمد اسحاق کے زہد و ورع اور علم و فضل کی بنا پر حضرت شاہ عبدالعزیز اپنی زندگی میں نماز پنجگانہ کی امامت ان سے کرایا کرتے تھے۔

تصانیف میں مسائل اربعین، مائۃ مسائل اور تذکرۃ الصیام لکھی۔

مولوی رحمٰن علی نے فتاوئ ہندی کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور مولوی محمد محسن ترہتی نے ترجمہ مشکوٰۃ کا بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق نے ۲۷ رجب ۱۲۶۲ھ کو مکہ معظمہ میں انتقال کیا اور جنت المعلٰی

میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔

آپ کے غسل جنازہ پر شیخ عبداللہ سراج مکی نے فرمایا:

"وَاللّٰہِ اَنَّہُ لَو عَاشَ وَقرات عَلَیہِ الْحَدِیْث طَولَ عُمرِیْ قانِلْتُ مَانَالَہُ."

"بخدا! اگر یہ زندہ رہتے اور میں تمام عمر ان سے حدیث پڑھتا تو اس رتبے کو نہ پہنچ سکتا تھا، جس پر یہ پہنچ چکے ہیں۔

شاہ محمد یعقوب دہلویؒ

مولانا شاہ محمد یعقوب بن شیخ محمد افضل فاروقی حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی کے چھوٹے بھائی اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے نواسے تھے۔

۲۸/ذی الحجہ ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۶ء دہلی میں پیدا ہوئے۔ علوم دینیہ کی تعلیم اپنے نانا حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی، حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی اور برادر بزرگ شاہ محمد اسحاق سے حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد مدرسہ رحیمیہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور تمام امور میں اپنے برادر بزرگ حضرت شاہ محمد اسحاق کے معاون و مددگار رہے۔ حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی سے بیعت تھے۔ ان کی تحریک جہاد میں ان سے ہر ممکن تعاون کیا۔

محترمہ ڈاکٹر ثریا ڈار صاحبہ رقمطراز ہیں کہ:

"شاہ محمد یعقوب تحریک جہاد کے دوران میں ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء اپنے بڑے بھائی شاہ محمد اسحاق کے ساتھ فریضہ حج کے لیے حرمین شریفین تشریف لے گئے تھے۔ دو سال بعد ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۲۶ء میں وطن واپس آئے۔ اور سلسلہ تعلیم و

تدریس جاری رکھا۔"

ان کے تلامذہ میں حکیم عبدالمجید خاں رام پوری اور مکہ کے اجازہ سے محی السنۃ مولانا سید نواب صدیق حسن خاں شامل ہیں۔

۱۲۵۸ھ میں آپ نے اپنے برادر بزرگ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے ساتھ مکہ معظمہ ہجرت کی وہاں بھی آپ علم حدیث وتفسیر، فقہ واصول اور تصوف وطریقت کی تعلیمات میں مصروف ومنہمک رہے اور بہت سے باشندگان عرب آپ سے مستفیض ہوئے۔

مولانا شاہ محمد یعقوب اپنے زمانے کے عالم کامل، فاضل اجل، صادق وامین، قانع ومستغنی اور عابد وزاہد، محدث وفقیہہ اور مفسر تھے۔

آپ نے ۲۸/ذیقعدہ ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۷ء مکہ معظمہ میں وفات پائی اور اپنے برادر بزرگ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

بدیع الزمان حیدر آبادی

مولانا بدیع الزمان بن مسیح الزمان بن نور محمد علمائے مشہورین میں سے تھے۔ بڑے عالم فاضل، علوم اسلامیہ کے متبحر عالم اور صاحب فہم وبصیرت تھے۔ ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔

علوم دینیہ کی تحصیل مولانا عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی، مولانا محمد زمان سہارن پوری، مولانا محمد عباس پشاوری سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ مولانا ولایت علی عظیم آبادی کی بیعت ہوئے۔ بعد ازاں آپ حج بیت اللہ کے لئے حجاز تشریف لے گئے۔

وہاں آپ نے شیخ محمد بن عبدالرحمان سہارن پوری مہاجر سے حدیث کی تحصیل کی۔ اس کے بعد واپس ہندوستان تشریف لائے اور حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث کی سند واجازت حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد آپ کو مولانا سید نواب صدیق حسن خاں نے بھوپال بلا لیا اور ان کی خدمت میں کافی عرصہ رہے۔ اس کے بعد بوجوہ آپ بھوپال سے حیدر آباد دکن چلے گئے اور زندگی کا بقیہ حصہ وہیں گزارا۔

مولانا بدیع الزمان نے تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔

آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

(۱) مراۃ القرآن فی قصص القرآن

(۲) ترجمہ جامع ترمذی

(۳) ترجمہ سنن ابن ماجہ

(۴) رسالہ استواء علی العرش

(۵) ریاض الجنۃ

(۶) فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین

(۷) فتح المنان فی لغات القرآن

(۸) سیکہ الذہب الابریز

مولانا بدیع الزمان کا شمار ان علماء میں ہوتا تھا جو تقلید شخصی کے سخت مخالف تھے اور حنفی مذہب سے بہت زیادہ تعصب رکھتے تھے۔ آپ نے ۱۳۰۴ء میں حیدر آباد میں انتقال کیا۔

٭

وحید الزمان حیدر آبادی

مولانا وحید الزمان حیدر آبادی بن مولانا مسیح الزمان ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۰ء میں کان پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم عربی و فارسی کی کتابیں اپنے برادر اکبر مولانا بدیع الزمان سے پڑھیں اور قرآن مجید ناظرہ معہ ترجمہ اپنے والد مولانا مسیح الزمان سے پڑھا۔

آپ نے جن اساتذہ کرام سے مختلف علوم وفنون میں استفادہ کیا۔ ان کے نام یہ ہیں:

(۱) مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی
(۲) مولانا محمد سلامت اللہ کان پوری
(۳) مولانا محمد عادل کان پوری
(۴) مولانا سید حسین شاہ بخاری
(۵) مولانا محمد لطف اللہ علی گڑھی
(۶) مولانا محمد بشیر الدین قنوجی
(۷) مولانا نیاز محمد بخاری
(۸) مولانا عبدالحی فرنگی محلی
(۹) مولانا عبدالعزیز محدث لکھنوی
(۱۰) مولانا شیخ عبدالحق محدث بنارسی
(۱۱) مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی
(۱۲) علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی
(۱۳) شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی

مولانا وحید الزمان جب حجاز تشریف لے گئے تو وہاں آپ نے جن شیوخ سے حدیث کی سند واجازت حاصل کی وہ یہ ہیں:

شیخ احمد بن عیسیٰ بن ابراہیم الشرقی الحنبلی اور شیخ بدرالدین مدنی

تکمیل تعلیم کے بعد ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۸۶ء میں مولانا وحید الزمان حیدر آباد دکن چلے گئے۔ وہاں آپ کے والد مولانا مسیح الزمان بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ ۱۲۸۷ھ میں اپنے والد کے ہمراہ پہلا حج کیا۔ ۱۲۸۸ھ میں واپس حیدر آباد آئے اور ۱۲۹۴ھ میں دوبارہ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اس بار آپ نے مکہ معظمہ میں کبار علمائے حدیث سے ملاقاتیں کیں اور ان سے مستفیض ہوئے۔ آپ نے جن مشائخ سے استفادہ کیا۔ ان کے نام یہ ہیں:

(۱) سید احمد بن حمید مفتی الحنابلہ
(۲) محمد بن سلیمان حسب اللہ الشافعی
(۳) سید احمد بن زینی بن احمد دحلان الشافعی
(۴) مولانا شاہ عبدالغنی مجددیؒ

۱۱۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں آپ واپس حیدر آباد دکن تشریف لائے اور اپنی ملازمت پر بحال ہوئے۔ اپنی خداداد صلاحیت کارکردگی کی وجہ سے ترقی کرتے ہوئے سیکرٹری خزانہ ریاست حیدر آباد پر فائز ہوئے۔ ان خدمات کے باعث ان کو ''وقار نواز جنگ'' کا خطاب بھی ملا۔

مولانا وحید الزمان بڑے جید عالم دین تھے۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان کو دسترس تھی۔ اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حافظہ سے نوازا تھا۔ آپ بہت زیادہ مطالعہ کرتے تھے۔ مطالعہ کا شوق انہیں طالب علمی کے زمانہ سے ہی تھا۔ آپ نے ۲۳ سال کی عمر میں ۱۵ مہینوں میں قرآن مجید حفظ کیا۔ ۳۰ سال کی عمر میں آپ نے انگریزی کی طرف توجہ کی اور کم و بیش ۶ ماہ میں اتنی استعداد پیدا کر لی کہ اپنا مافی الضمیر انگریزی میں بخوبی ادا کر سکتے تھے۔

انہیں ایام آپ نے قانون کا بھی مطالعہ کیا۔

مولانا وحید الزمان میں ایک اور خصوصیت بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی کہ آپ بہت زیادہ زود نویس تھے۔ قیام حجاز کے دوران آپ نے بے شمار رسائل اور کتابیں نقل کر کے اپنے ساتھ ہندوستان لائے۔

مولانا وحید الزمان کے علم و فضل کا اعتراف علماء اسلام نے کیا ہے۔

مولانا عبدالحی الحسنی لکھتے ہیں کہ:

”مولانا وحید الزمان حیدر آبادی متبحر عالم تھے۔ فقہ، حدیث، تفسیر، لغت اور اصول فقہ وغیرہ میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ کثیر المطالعہ اور قوی الحافظہ تھے۔ بڑے متقی اور پرہیز گار تھے۔“

مولانا وحید الزمان اخلاق و عادات کے اعتبار سے اعلیٰ مرتبہ و مقام پر فائز تھے۔ اخلاص، حسن نیت، ذکر الٰہی، عبادت و ریاضت، حق گوئی و بے باکی، مہمان نوازی اور تواضع وغیرہ اوصاف سے بہت زیادہ متصف تھے۔

مولانا وحید الزمان آخری عمر میں حیدر آباد سے وقار آباد منتقل ہو گئے تھے۔ یہاں آپ نے ۲۵ رشعبان ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۵ رمئی ۱۹۲۰ء کو انتقال کیا۔ عمر ۷۰ سال تھی۔

تصانیف:

مولانا وحید الزمان، صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

۱۔ ترجمہ قرآن مجید مع حواشی

۲۔ تفسیر وحیدی مع موضح القرآن

۳۔ تبویب القرآن لضبط مضامین القرآن

۴۔ تحفة القرآن

۵۔ احسن الفوائد فی تخریج احادیث شرح العقائد (عربی)

۶۔ تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری

۷۔ تسهیل القاری ترجمہ صحیح بخاری مع الشرحین فتح الباری و ارشاد الساری یعنی قسطلانی نیل الاوطار شرح منتقی الاخیار

۸۔ المعلم ترجمہ صحیح مسلم

۹۔ الهدیٰ المحمود ترجمہ سنن ابی داؤد

۱۰۔ روض الربیٰ من ترجمة المجتبیٰ (سنن نسائی)

۱۱۔ کشف المغطاء فی ترجمہ مؤطا امام مالک

۱۲۔ جائزة الشعوزی ترجمہ جامع ترمذی

۱۳۔ رفع الحاجه ترجمہ سنن ابن ماجہ

۱۴۔ اصلاح الهدایه وتصحیح الروایه (۲ جلد) (اُردو)

۱۵۔ اشراق الابصار تخریج احیاء نور الانوار (عربی)

۱۶۔ الانتباء فی الاستواء

۱۷۔ راہ نجات

۱۸۔ تشریح الحج والزیارة

۱۹۔ نزل الابرار من فقه النبی المختار (۲ جلد) (عربی)

۲۰۔ هدیة المهدی من الفقه المحمدی (۳ جلد) (عربی)

۲۱۔ کنز الحقائق من فقه خیر الخلائق (عربی)

۲۲۔ نور الهدایه ترجمه اردو شرح وقایه (۴جلد)
۲۳۔المشرب الوردی من الفقه المحمدی (۵جلد)(عربی)
۲۴۔ تقریر دلپذیر
۲۵۔ قواعد محمدی
۲۶۔ فتویٰ بے نظیر
۲۷۔ وظیفه نبی باوراد الوحید
۲۸۔ علامات الموت
۲۹۔ تذکرة الوحید
۳۰۔ مجموع میر زاهد شرح مواقف (عربی)
۳۱۔ اسرار اللغة المقلب به وحید اللغات
۳۲۔ رپورٹ لوکل فنڈ و تاریخ ممالک محروسہ سرکار نظام
۳۳۔مجموعہ قوانین مال سرکار نظام
۳۴۔مضامین سبعه مندرجه رساله معلم نسواں
۳۵۔ اطاشية الوحید علی الحاشیه الزاهدیه (عربی)
۳۶۔ عقیدہ اہل سنت
۳۷۔تصحیح کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال (عربی)

مسلک:

مولانا وحید الزمان کا خاندان حنفی المسلک تھا۔ اس لیے اوائل عمر میں آپ کو حنفی مسلک سے بڑا شغف رہا۔ مگر بعد میں آپ کے برادر بزرگ مولانا بدیع الزمان کی صحبت اور حدیث کی کتابوں کے ترجمہ کی وجہ سے غیر مقلد (اہلحدیث) بن گئے تھے اور عقائد میں پورے کے پورے سلفی تھے۔

عبدالاحد خان پوریؒ

مولانا قاضی عبدالاحد بن قاضی محمد حسن ۱۴؍ جمادی الثانی ۱۲۶۸ھ مطابق ۴؍ اپریل ۱۸۵۲ء خان پور میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔

اس کے بعد آپ حضرت مولانا سید عبداللہ غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے۔ بعد ازاں حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تکمیل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد واپس وطن آ کر کتاب و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید میں مشغول ہوئے۔ آپ کی تبلیغ و دعوت سے مبتدعین اور مقلدین بہت گبھراتے تھے اور آپ کو مصائب و آلام سے بھی دوچار کیا لیکن آپ کے پائے ثبات و استقلال میں لغزش نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر جگہ کامیاب و کامران کیا۔ قاضی صاحب نے پیر مہر علی شاہ گولڑوی کا بھی مقابلہ کیا۔ ان سے بحث و مباحثہ اور مناظرے کیے۔ قاضی صاحب نے مقلدین کو اتنا زچ کیا کہ ان کا جینا دوبھر کر دیا۔ حق گوئی اور بے باکی میں ان کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔

اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

قاضی صاحب حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے، تو حج کی سعادت سے فارغ ہونے کے بعد سلطان ابن سعود (عبدالعزیز بن عبدالرحمان) سے ملاقات ہوئی، تو سلطان ابن سعود نے دوران گفتگو فرمایا کہ ایک مسئلہ کے متعلق علمائے حرمین نے جو فتویٰ دیا ہے۔ وہ مجھے پسند نہیں آیا۔ برخلاف اس کے علمائے نجد کا فتویٰ مجھے پسند آیا ہے۔

قاضی صاحب نے سلطان ابن سعود کی خدمت میں عرض کی کہ:

میں آج تک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرا اور میں آپ پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ علمائے حرمین کا فتویٰ صحیح ہے۔ اس فتویٰ کی تائید میں آپ نے ایک گھنٹہ عربی میں تقریر کی۔ سلطان ابن سعود آپ کی تقریر سے بہت متاثر ہوئے اور آپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

" عَقِیْدَتُنَا عَقِیْدَتُكَ." (میرا عقیدہ وہی ہے جو آپ کا ہے۔) واپسی کے وقت سلطان ابن سعود نے آپ کو خلعت سے نوازا اور اپنی گاڑی پر آپ کو جدہ پہنچایا۔

آپ میں دینی حمیت وغیرت بہت زیادہ تھی۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ ہے کہ:

"آپ ایک دن راولپنڈی کے بازار سے گزر رہے تھے کہ آپ کی نظر ایک ہندو کتب فروش کی دکان پر پڑی جو قرآن مجید کے ایک بنڈل پر پاؤں رکھ کر الماری سے کوئی کتاب نکال رہا تھا۔ آپ فوراً اس کی دوکان میں تشریف لے گئے۔ پہلے اسے برا بھلا کہا۔ اس کے بعد اس پر لاتوں اور مکوں کی بارش کر دی۔ اور اس کے سر کی چٹیا بھی اکھیڑ دی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ اور بڑی مشکل سے انہوں نے قاضی صاحب سے اس ہندو کی جان چھڑائی۔ ہندو آپ سے اس قدر خوفزدہ تھے کہ ان کی جرأت نہ ہوئی کہ آپ کے خلاف کوئی قانونی قدم اٹھائیں۔"

توحید وسنت کی حمایت اور شرک وبدعت کی تائید میں آپ کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔

مرزائے قادیان کے خلاف آپ نے تحریری وتقریری جہاد کیا۔ اس فرقہ باطلہ کے مقابلہ میں آپ کا سب سے بڑا کارنمایاں بمقام "زیرہ" ایک مرزائی مبلغ مولوی محمد علی سے مباہلہ تھا۔ جو آپ کے سامنے ہلاک ہوا اور آپ کو فتح مبین حاصل ہوئی۔

مولانا قاضی عبدالاحد بہت بڑے مصنف تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر ۳۲ کتابیں لکھیں۔

مولانا قاضی عبدالاحد خان پوری ایک طبیب حاذق تھے۔ طب میں حکیم نور الدین قادیانی کے شاگرد تھے۔ علاج ومعالجہ میں بڑے کامیاب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ

میں شفاء رکھی تھی۔ بڑے سے بڑے پیچیدہ امراض کے مریض آپ کے علاج سے شفایاب ہو جاتے تھے۔

آپ نے ۲۵ رجمادی الثانی ۱۳۴۸ھ مطابق دسمبر ۱۹۲۸ء کو اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔

☆

قاضی محمد بن حسن خان پوری

مولانا قاضی ابوعبداللہ محمد بن حسن خان پوری ۴ رشعبان ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۰ رمئی ۱۸۵۴ء خان پور میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد قاضی محمد حسن سے حاصل کی۔ حدیث کی تحصیل استاد پنجاب حضرت مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی سے کی اور سند واجازت شیخ الکل مولانا محمد نذیر حسین دہلوی سے حاصل کی۔ مولانا سید عبدالجبار غزنوی اور حضرت سید عبداللہ غزنوی کے فیوض وبرکات سے بھی مستفیض ہوئے۔

دہلی میں حضرت میاں صاحب کے درس میں مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی صاحب "حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان" آپ کے ہم سبق تھے۔

فراغت تعلیم کے بعد ۱۸۹۴ء یا ۱۸۹۵ء میں مولانا سید عبدالجبار غزنوی کے حکم پر پشاور صدر میں مسجد مولوی عبدالمجید مرحوم کے خطیب مقرر ہوئے اور ۱۹۰۸ء تک آپ اس مسجد کے خطیب رہے۔

۱۹۰۸ء میں خان پور واپس آئے اور ۲ سال یہاں پر مقیم رہے۔ ۱۹۱۰ء میں مسجد اہلحدیث راولپنڈی شہر کے خطیب مقرر ہوئے اور ۱۹۱۶ء تک آپ اس مسجد سے منسلک رہے۔

مولانا قاضی ابوعبداللہ محمد بن حسن متبحر عالم دین تھے۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان کی نظر وسیع تھی۔ بڑے عابد وزاہد اور صاحب کرامات تھے اور بڑے جرأت مند عالم دین تھے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں ان کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ اس سلسلہ میں کسی کی بھی وہ پروا نہیں کرتے تھے۔

ان کی ساری زندگی درس وتدریس، دعوت وارشاد اور وعظ وتبلیغ میں بسر ہوئی۔ آپ دمہ کے پرانے مریض تھے۔ علاج معالجے سے کبھی کبھی آفاقہ ہو جاتا تھا۔ آخر آپ نے ۶ رنومبر ۱۹۲۹ء کو انتقال کیا اور اپنے آبائی قبرستان خان پور میں دفن ہوئے۔

***

قاضی یوسف حسین خان پوری

مولانا قاضی ابو اسمٰعیل یوسف حسین بن قاضی محمد حسن ۲۸ رجمادی الثانی ۱۲۸۵ھ بروز جمعۃ المبارک خان پور میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد قاضی محمد حسن اور برادران مولانا قاضی عبدالاحد اور مولانا قاضی ابوعبداللہ محمد بن حسن سے حاصل کی۔

۱۳۰۱ھ میں آپ افغانستان چلے گئے اور وہاں اپ نے مولوی عبدالکریم بن مولانا ولایت علی عظیم آبادی سے حدیث کی مشہور کتاب سنن نسائی اور دیگر کتب پڑھیں۔

اس کے بعد وطن واپس آئے اور دو سال تک اپنے وطن میں مقیم رہے۔

۱۳۰۵ھ میں پیدل دہلی کا سفر کیا اور محرم ۱۳۰۶ھ میں آپ دہلی پہنچے اور حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور آپ سے علم حدیث وتفسیر میں استفادہ کیا۔ ۱۳۰۷ھ میں آپ نے حضرت میاں صاحب سے سند واجازت حاصل کی۔

میاں صاحب کے درس میں مولانا حافظ عبدالغفور غزنوی بن مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی آپ

کے ہم سبق تھے۔ اسی سال آپ نے مولانا ابو یحییٰ محمد شاہ جہان پوری صاحب "الارشاد" سے بھی سند حدیث حاصل کی۔ ۱۳۰۸ھ میں آپ نے علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے حدیث میں سند واجازت حاصل کی۔

مولانا یوسف حسین بڑے ذی علم عالم تھے، کثیر المطالعہ تھے، حافظہ قوی تھا اور علم کلام میں بھی دسترس تھی۔ دوران تعلیم دہلی میں آپ کا مناظرہ ایک شیعہ عالم سے ہوا، جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیابی سے سرفراز فرمایا۔

قاضی صاحب بڑے خوشنویس تھے۔ عربی، فارسی اور انگریزی بھی خوب لکھتے تھے۔ دہلی میں آپ کا ذریعہ معاش کتابت تھا۔

قاضی یوسف حسین علوم اسلامیہ میں مکمل دسترس رکھتے تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ وغیرہ پر مکمل عبور تھا۔ ادب ولغت میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ شعر وسخن کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ بلکہ خود بھی شعر کہتے تھے۔ آپ عربی، فارسی اور اُردو کے باکمال شاعر تھے۔ اپنے دہلی کے قیام میں مشاعروں میں حصہ لیتے تھے اور نظمیں پڑھتے تھے۔

آپ کے مختارات

مولوی ابو یحییٰ امام خان نوشہروی کے نوٹس سے ماخوذ

(۱) عیدین کے خطبہ میں فصل کے قائل نہ تھے۔ (ایک ہی خطبہ پڑھتے تھے)

(۲) سفر میں قید ایام کے قائل نہ تھے۔

(۳) نماز جنازہ میں قرأت عموماً جہر سے پڑھتے تھے۔

(۴) مسجد سے فارغ نماز عموماً جوتوں سمیت پڑھتے تھے۔

(۵) بغیہ (زانیہ عورت رنڈی) کی توبہ پر بھی اس کے مال کی حرمت پر مصر تھے۔ اس مسئلہ پر حافظ عبداللہ غازی پوری سے تحریری مناظرہ ہوا۔

(۶) عورۃ الفخذ کے قائل نہ تھے، بلکہ اسے بدعت کہتے تھے۔

⑦ وضو کرتے وقت تبدیلی مقام پر تجدید وضو کے قائل تھے۔
⑧ التزام قنوت فی الوتر کے قائل نہ تھے۔
⑨ تکبیرات عیدین میں اَللّٰہُ اَکْبَر کبیرا والحمدللّٰہ کثیرا وسبحٰن اللّٰہِ بکرۃ وّاصیلا پڑھتے تھے۔
⑩ بھینس کی قربانی کے قائل نہ تھے کیونکہ عرب میں پائی نہیں جاتی اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اس کی قربانی نہیں ہوتی تھی۔
⑪ بعد رکوع ہاتھ باندھتے تھے۔ اس پر ایک مستقل رسالہ (اُردو، عربی میں) بنام "اتمام الخشوع وضع الیدین علی الشمال بعد الرکوع" بھی لکھا تھا۔
⑫ بعد نماز ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا مانگنا بدعت سمجھتے تھے۔
⑬ سفر میں کسی حد کے قائل نہ تھے، جب بھی اپنی بستی سے باہر تشریف لے جاتے قصر کر لیتے۔

تصانیف:

مولانا قاضی یوسف حسین تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

① تقویم دار العلوم دہلی مطبوعہ ۱۹۰۷ء
② ترویح الموحدین (۸ رکعت تراویح کے مسنون ہونے کا ثبوت)
③ اتمام الخشوع بوضع الیدین علی الشمال بعد الرکوع (عربی)
④ ایضًا (اُردو)
⑤ زبدة المقادیر (اُردو)
⑥ العقیدة الواسطیه ابن تیمیه کا اُردو ترجمہ
⑦ دعوة الحق (عربی)
⑧ اید الحروب باکل مابقی من الکسب الحرام بعد الثوب

⑨ جواب فتویٰ مولوی حبیب اللہ مولوی فاضل راولپنڈی

⑩ ترجمہ کتاب " ذم الموسوسین والتخذیر من الوسوسہ الشیخ موفق الدین بن قدامہ المقدسی الحنبلی "

⑪ القول الحق

⑫ البینات

⑬ تفسیر کبیر کامل اُردو (صرف سات پارے طبع ہوئے)

⑭ عقائد اہلحدیث

⑮ معرفۃ الاوقات (اُردو)

مولانا قاضی یوسف حسین نے ۶ رصفر ۱۳۵۲ھ مطابق یکم جون ۱۹۳۳ء خان پور میں انتقال کیا۔ عمر ۶۴ سال تھی۔

آپ کے انتقال سے خان پور اپنے آخری جامع العلوم والفنون اور عالم باعمل اور ناشر توحید وسنت سے محروم ہوگیا۔

عبدالرحمٰن بقا

مولانا عبدالرحمان بقا غازی پوری، مولانا حافظ عبداللہ غازی پور کے بھانجے تھے۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل مولانا عبداللہ لکھنوی اور اپنے ماموں حافظ عبداللہ محدّث غازی پوری سے حاصل کی۔

فراغت تعلیم کے بعد کچھ مدت مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور میں تدریس فرمائی۔ آپ علوم اسلامیہ کے متبحر عالم تھے۔ عربی ادب اور شعر وسخن سے بہت زیادہ شغف تھا۔ آپ عربی کے قادر الکلام شاعر تھے۔

آپ تصانیف کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں

① خیار الدعوات

② الدیات مبصرات فی بحث المسکرات

③ تاسیس التوحید فی ابطال وجوب التقلید

④ دیوان اشعار (اُردو)

⑤ توشیح التھذیب

⑥ سُر من یریٰ فی بحث الجمعة فی القریٰ (۲ جلد)

اس کتاب کی تالیف کا پس منظر یہ ہے کہ دیہات میں جمعہ کی فرضیت کے سلسلہ میں دہلی سے ایک فتویٰ شائع ہوا۔جس کے جواب میں مولانا رشید احمد گنگوہی نے ایک رسالہ" اوثق العریٰ فی بحث الجمعة القریٰ "شائع کیا۔

اہلحدیث علماء کی طرف سے اس رسالہ کے جواب میں دو کتابیں شائع ہوئیں ۔" ھدی الوریٰ الی اقامة الجمعة فی القریٰ "ازمولانا ابوالمکارم محمد علی اور" کسر الوریٰ فی بحث الجمعة فی القریٰ"ازمولانا محمد سعید محدث بنارسی ان دنوں کتابوں۔کے جواب میں مولانا محمود الحسن دیوبندی مرحوم نے" احسن القریٰ فی توضیح اوثق الفریٰ" کتاب لکھی۔اس کتاب کے جواب میں مولانا عبدالرحمٰن بقا غازی پوری نے" سر من یریٰ فی بحث الجمعة فی القریٰ" لکھی۔یہ کتاب اس موضوع پر حرف آخر ہے۔اس کتاب کے بعد کسی تقلیدی عالم کو اس کا جواب دینے کی جرأت نہ ہوئی۔

مولانا عبدالرحمٰن بقا غازی پوری نے سنت رسول اللہ ﷺ و آثار صحابہ اور اقوال ائمہ سے دلائل سے ثابت کیا کہ نماز جمعہ مثل شہر والوں کے دیہات کے لوگوں پر بھی فرض ہے۔

مولانا عبدالرحمان بقا نے ۱۳۸۱ھ میں انتقال کیا۔
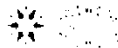
عبدالمنان وفا

مولانا حافظ عبدالمنان وفا ۱۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کے بھانجے تھے۔ آپ نے علوم اسلامیہ کی تعلیم اپنے برادر بزرگ مولانا عبدالرحمن بقا غازی پوری اور اپنے ماموں مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری سے حاصل کی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی حافظہ کی نعمت سے نوازا تھا۔ ''سبعہ معلقہ، دیوان حماسہ اور دیوان متنبی'' نوکِ زبان تھے۔

پھر ذوق ادب نے اتنی ترقی کی کہ خود بھی برجستہ عربی میں اشعار کہنے لگے۔ مدرسہ احمدیہ (مدارس) کے سالانہ جلسہ میں عربی میں قصیدہ پڑھا۔ جس کی تحسین مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری نے فرمائی۔

آپ نے مدرسہ ریاض العلوم دہلی میں چند سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ اسی دوران آپ سخت علیل ہوگئے اور زندگی سے مایوس ہوگئے اور بالآخر خود ہی اپنا مرثیہ لکھ ڈالا۔

آپ اپنے فرائض کے پابند وظائف کے مواظب اور نماز میں قانت تھے۔ ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں سفر آخرت اختیار کیا۔
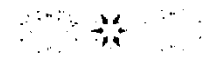
فقیر اللہ مدراسی

مولانا فقیر اللہ بن فتح الدین بن عبداللہ ۱۲۸۰ھ میں موضع کھٹہ مصرال ضلع خوشاب (مغربی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے برادر اکبر مولانا محمد بن فتح الدین تلمیذ حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی و علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے حاصل کی۔

اس کے بعد آپ استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تفسیر، حدیث اور فقہ میں استفادہ کیا۔ وزیر آباد سے امرتسر تشریف لے گئے اور حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنوی سے اکتساب فیض کیا۔ امرتسر سے تکمیل تعلیم کے بعد دہلی تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی سے، تفسیر، حدیث اور فقہ میں تحصیل کی۔ علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے بھی مستفیض ہوئے۔ مولانا محمد بشیر سہسوانی سے بھی پڑھا۔

تکمیل تعلیم کے بعد حضرت میاں صاحب دہلوی نے آپ کو تبلیغ اسلام کے لیے مدراس بھیج دیا۔ وہاں آپ نے ایک دینی مدرسہ ''احیاء الاسلام'' کی بنیاد رکھی۔ یہاں آپ نے درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر آپ مدراس سے بنگلور آ گئے۔ اور یہاں آپ نے ''نصرۃ الاسلام'' کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

مولانا فقیر اللہ کا حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی کی تحریک مجاہدین سے اچھا خاصا تعلق رہا۔ آپ صوبہ مدراس سے مجاہدین کے لیے کافی رقم بھجواتے رہے۔

مولانا فقیر اللہ مدراسی بہت بڑے مبلغ اور داعی اسلام تھے۔ بقول مولانا عبدالمجید سوہدروی مرحوم امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں ننگی تلوار تھے۔

آپ تصنیف وتالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

① القول المسبوق فی اثبات التشهد السبوق

② رساله فی اثبات بالجهر بالفاتحه فی صلوٰة الجنازة

③ التبری فی افتراء المفتری

④ المواعظ الحسنة فی خطبة الجمعه لكل لسان من الالسنه

مولانا فقیر اللہ نے ۱۳۴۱ھ میں بنگلور میں انتقال کیا۔

آپ نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی پنجاب سے تھی۔ اس سے دو صاحبزادے حافظ

عبداللہ اور حافظ احمد سعید پیدا ہوئے اور دو صاحبزادیاں اہلیہ حافظ محمد گوندلوی اور اہلیہ مولانا نجم الدین پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور تھیں۔ دوسری مدراس میں مولانا محمد اسمٰعیل مدراسی کی ہمشیرہ سے ہوئی۔ اس کے بطن سے مولوی عطاء اللہ سلفی پیدا ہوئے۔

عبدالرحمٰن شاہ پوری

مولانا عبدالرحمٰن بن فتح الدین بن عبداللہ ۱۲۸۴ھ میں موضع کھٹہ مصرال ضلع خوشاب میں پیدا ہوئے۔ آپ مولانا فقیراللہ مدراسی کے چھوٹے بھائی تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے برادر بزرگ مولانا محمد بن فتح الدین سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے مولوی عبداللہ چکڑالوی، مولوی محمد اسحاق رام پوری، مولوی محمد اسحاق منطقی اور مولوی حافظ نذیر احمد خاں دہلوی وغیرہ سے علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا۔

حدیث کی تحصیل استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی سے کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد دہلی کو اپنا مسکن بنایا اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

مسلسل ۴۰ سال تک مدرسہ حاجی علی جان میں تدریس فرمائی۔ مدرسہ حاجی علی جان ۱۳۰۹ھ میں مولانا محمد بشیر سہسوانی کے مشورہ سے قائم ہوا تھا۔ اس مدرسہ میں مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا عبداللہ غازی پوری اور مولانا احمد اللہ دہلوی جیسے مشاہیر علمائے کرام نے تدریسی خدمات انجام دیں۔

مولانا عبدالرحمٰن کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ ان کے مشہور تلامذہ میں مولانا محمد بن یوسف سورتی اور علامہ عبدالعزیز میمن راجکوٹی جیسے فاضل اور محقق علماء شامل ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن شاہ پوری کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔

محب اللہ شاہ راشدی

مولانا سید محب اللہ شاہ راشدی بن سید احسان اللہ شاہ راشدی ۲/اکتوبر ۱۹۲۱ء مطابق ۲۹/محرم ۱۳۴۰ھ ''گوٹھ پیر جھنڈا'' میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سید احسان اللہ شاہ راشدی سے حاصل کی۔ بعدازاں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی سے استفادہ کیا۔ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری سے اجازت حدیث حاصل کی۔ مولانا عبدالحق محدث بہاول پوری سے بھی اکتساب فیض کیا۔ ان کے علاوہ مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی اور مولانا حمیدالدین سے بھی آپ نے پڑھا۔

فراغت تعلیم کے بعد اپنے آبائی گاؤں میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور ساری زندگی تعلیم و تدریس میں بسر کردی۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مولانا سید محب اللہ شاہ راشدی تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق رکھتے تھے آپ کی تصانیف عربی اور اُردو میں ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

① حواشی صحیح بخاری (عربی) مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور مولانا ارشادالحق اثری نے اس پر بہترین تقاریظ لکھیں۔

② القواطع الرحمانیه فی الرد علی القادنیه

③ المنهج السوی فی الملاحظات علی تفسیر الغزنوی (مولانا فضل احمد غزنوی حیدرآبادی کی تفسیری تحریروں پر تبصرہ)

④ اظهار النوایه الواقعه فی کتاب پیغام هدایت

⑤ السعی الاثیت فی تحقیق اللقب باهل الحدیث

مولانا سید محب اللہ شاہ راشدی کا کتب خانہ نادر کتابوں پر مشتمل ہے۔ جس میں نادر و نایاب مخطوطات کے علاوہ عربی تفاسیر، شرح حدیث، اسماء الرّجال اور فقہ اربعہ پر بے شمار کتابیں موجود ہیں۔

سید محب اللہ شاہ راشدی نے ۲۱ر جنوری ۱۹۹۵ء کو انتقال کیا۔

﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾

سید بدیع الدین شاہ راشدی

مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی، سید احسان اللہ شاہ راشدی المعروف ''پیر آف جھنڈا'' ۱۶ رمئی ۱۹۲۶ء مطابق ۱۳۴۲ھ گوٹھ فضل اللہ شاہ (نیو سعید آباد) ضلع حیدر آباد سندھ میں پیدا ہوئے۔

دینی تعلیم کا آغاز اپنے آبائی مدرسہ ''دارالارشاد'' سے کیا۔ پہلے تین ماہ میں قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد اپنے والد محترم سید احسان اللہ شاہ راشدی سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تحصیل کی۔ اس کے بعد آپ نے جن اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کیا۔ ان کی تعداد ۱۸ ہے اور وہ سب کے سب حنفی المسلک تھے۔ ان اساتذہ سے استفادہ کے بعد آپ نے جن علماء حدیث سے تفسیر، حدیث، فقہ اور مختلف علوم اسلامیہ میں تعلیم حاصل کی۔ ان کے نام یہ ہیں:

① مولانا سید محب اللہ شاہ راشدی
② مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری
③ مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی
④ مولانا ابواسحاق نیک محمد امرتسری
⑤ مولانا ابوسعید شرف الدین محدث دہلوی

فراغت تعلیم کے بعد اپنے آبائی گاؤں میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور اپنی ساری زندگی درس و تدریس، وعظ و تبلیغ، دعوت و ارشاد اور تصنیف و تالیف میں بسر کر دی۔

آپ کے تلامذہ کی فہرست خاصی طویل ہے۔

دعوت کتاب و سنت اور تردید شرک و بدعت کے سلسلہ میں آپ مصائب و آلام سے

بھی دوچار ہوئے۔لیکن آپ کے پائے اثبات واستقلال میں لغزش نہ آئی۔آپ تقلیدیانِ احناف کے خلاف سینہ سپر رہے۔

حضرت شاہ بدیع الدین بلند پایہ مناظر تھے۔آپ نے بے شمار مناظرے تقلیدیان احناف سے کیے۔اس کے علاوہ آپ بلند پایہ خطیب اور مقرر بھی تھے۔حرمین شریفین میں آپ کا قیام کئی سال رہا اور وہاں آپ درس حدیث دیتے رہے۔آپ ایک بلند پایہ عالمِ دین تھے۔تمام علوم اسلامیہ پر آپ کی نظر وسیع تھی۔کثیر المطالعہ تھے۔آپ کا کتب خانہ برصغیر (پاک و ہند) میں ایک نادر کتب خانہ ہے۔جس میں بے شمار نایاب کتابیں اور مخطوطات ہیں۔

مولانا بدیع الدین شاہ راشدی تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔آپ بڑے زودنویس تھے۔

آپ نے عربی، اُردو اور سندھی میں کتابیں لکھیں۔جن کی تفصیل یہ ہے:

عربی.................................۶۰

سندھی.................................۲۸

اُردو.................................۱۹

عربی سندھی اُردو.........................۱

کل میزان.............................۱۰۸

عربی میں:

① السمط الابریز حاشیه مسند عمر بن عبدالعزیز

② توفیق الباری فی ترتیب جز رفع الیدین للبخاری

③ غایته المرام فی تخریج جز القرأة خلف الامام

④ الاربعینات فی الدینیات

⑤ حاشیه انتقاض الاعتراض لابن حجر

سندھی میں:

⑥ ضرب الیدین علی منکر رفع الیدین ⑦ بیان بے نظیر قرآن مجید کی تفسیر

⑧ نماز کی مسنون دعائیں ⑨ مقدمہ تفسیر بدیع التفسیر

⑩ الاربعین فی الجهر بالتامین

اُردو میں:

⑪ توحید خالص

⑫ اتباع سنت

⑬ الشدید علی القول السدید فی اثبات التقلید

⑭ تنقید سدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید

⑮ مسلک اہلحدیث اور تقلید

آپ کا ۸؍جنوری ۱۹۹۶ء کو کراچی میں انتقال ہوا اور اپنے گاؤں نیوسعید آباد میں دفن ہوئے۔

احسان الٰہی ظہیرؒ

علامہ احسان الٰہی ظہیر بن شیخ ظہور الٰہی ۳۱ مئی ۱۹۴۵ء مطابق ۱۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۴ھ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ ایک بین الاقوامی شخصیت تھے۔ عالم اسلام میں ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ عربی، فارسی، انگریزی اور اُردو کے شعلہ نوا خطیب تھے۔ ان کی خطابت کا شہرہ چار دانگ عالم میں تھا۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر عربی کے ممتاز ادیب تھے۔ تمام علوم اسلامیہ کے بحر زخار تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ پر ان کو مکمل عبور تھا۔ اور ان کا علم مستحضر تھا۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر نے اپنی تعلیم کا آغاز جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ۔ سے کیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر آپ جامعہ سلفیہ فیصل آباد چلے گئے۔ دوران تعلیم آپ نے ادیب فاضل، منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات پنجاب یونیورسٹی سے امتیازی نمبروں میں پاس کیے۔

عصری تعلیم میں آپ ایم اے عربی، اسلامیات، اُردو، فارسی، سیاسیات اور ایل ایل بی تھے۔

پاکستان میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور اعلیٰ نمبروں میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی ڈگری حاصل کی۔ پاکستان اور سعودی عرب میں آپ نے جن اساتذہ کرام سے استفادہ کیا۔ ان کے نام یہ ہیں:

مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی، مولانا محمد صادق خلیل، علامہ ناصر الدین البانی، شیخ محمد امین شیفطی، الشیخ عبدالقادر، شیخ عطیہ محمد سالم، شیخ عبدالمحسن العباد اور فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز سابق مفتی اعظم سعودی عرب۔

مدینہ منورہ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ پاکستان تشریف لائے اور مسجد چینیانوالی لاہور کے خطیب مقرر ہوئے۔ علاوہ ازیں علامہ صاحب الاعتصام لاہور اور اہلحدیث لاہور کے مدیر اعلیٰ بھی رہے۔ اور بعد میں اپنا ماہنامہ ''ترجمان اہلحدیث'' بھی جاری کیا۔ جو اب بھی آپ کی یاد میں جاری ہے۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ آپ کی زیادہ تر تصانیف عربی میں ہیں۔ فارسی، انگریزی اور اُردو میں بھی آپ کی کئی ایک تصانیف ہیں۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

① الشیعه و اهل البیت (عربی) ② الشیعه والسنة (عربی)
③ الشیعه والقرآن (عربی) ④ الشیعه والتشیع (عربی)
⑤ البریلویة (عربی) ⑥ القادنیة (عربی)

⑦ البهائیه (عربی) ⑧ البابیه (عربی)

⑨ التصوف (عربی) ⑩ الاسماعیلیه (عربی)

⑪ بین الشیعه والسنة (فارسی) ⑫ دراسته فی التصوف (عربی)

⑬ القادینیة (انگریزی) ⑭ اسلام اور مرزائیت (اُردو)

⑮ کتاب الصلوٰۃ (اُردو) ⑯ سفرنامہ حجاز (اُردو)

جماعت اہلحدیث کو منظم اور فعال بنانے میں آپ کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔ آپ جمعیۃ اہلحدیث پاکستان کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔ سیاسی خدمات قابل قدر ہیں۔ تحریک استقلال میں شامل رہے۔ قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ ۱۹۷۸ء میں تحریک استقلال سے علیحدہ ہو گئے۔

علامہ صاحب نے اسلامی ممالک کے علاوہ یورپی ممالک کے بھی دورے کیے۔ اشاعت اسلام میں ان کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔

۲۳ / مارچ ۱۹۸۷ء لاہور کے ایک جلسہ میں دوران تقریر بم کے دھماکہ سے شدید زخمی ہوئے اور ۳۰ / مارچ کو ریاض سعودی عرب میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے اور جنت البقیع مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔ ؎

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے
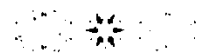
ڈاکٹر فضل الٰہی

مولانا ڈاکٹر فضل الٰہی بن حاجی شیخ ظہور الٰہی ۱۹۴۷ء مطابق ۱۳۶۶ھ احمد پورہ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ علامہ احسان الٰہی ظہیر کے چھوٹے بھائی ہیں۔ عصری تعلیم مرے کالج سیالکوٹ سے بی اے ہیں۔

بی اے کرنے کے بعد دینی تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں داخل ہوئے اور یہاں آپ نے جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔ ان میں مولانا محمد عبداللہ، مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری، مولانا عبدالرحمٰن لکھوی اور مولانا حافظ عبدالسلام بھٹوی شامل ہیں۔

حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندلوی سے بھی مستفیض ہوئے اور مولانا محمد علی جانباز اور مولانا محمد اسمٰعیل علیم سے بھی استفادہ کیا۔

یہاں سے فارغ ہونے کے بعد آپ ''جامعہ امام محمد بن سعود الاسلامیہ'' الریاض (سعودی عرب) میں داخل ہوئے۔ اور ایم اے کی ڈگری اعلیٰ نمبروں میں حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے تدریسی شعبہ اختیار کیا اور جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ الریاض میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ بڑے صاحب علم وفضل اور قابل مدرس ہیں۔

علاوہ ازیں یونیورسٹی امام محمد بن سعود میں شعبہ الدعوۃ والاحتساب کے ڈپٹی چیئرمین بھی رہے ہیں۔

تصنیف وتالیف کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔

عربی میں آپ نے دو کتابیں لکھی ہیں۔ جو اپنے موضوع کے اعتبار سے بڑی جامع ہیں:

① التدابیر الواقعہ من الزنا فی الفقہ الاسلامی

② التدابیر الواقعہ من الربا فی الاسلام

علاوہ ازیں آپ کے تحقیقی وعلمی، دینی ومذہبی اور تاریخی مقالات جماعتی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اخلاق وکردار کے لحاظ سے بڑے خلیق اور عالم باعمل ہیں۔

عبدالرحمٰن راسخ

مولانا حکیم عبدالرحمٰن راسخ بن حاجی نیک محمد ۱۹۵۰ء میں منڈی ڈھاباں ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم قرآن مجید اپنے چچا حافظ محمد یعقوب اور مسجد اہلحدیث کے خطیب مولوی حکیم محمد حنیف امرتسری سے حاصل کی۔

اس کے بعد آپ دینی تعلیم کے حصول کے لئے جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد میں داخل ہوئے اور وہاں سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ تشریف لے آئے۔ جہاں آپ نے علوم اسلامیہ کی تکمیل کی۔

آپ نے جن اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کیا۔ ان کے نام یہ ہیں:

مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی، مولانا محمد اعظم، مولانا محمد یعقوب (گوجرہ)، مولانا احمد اللہ پٹوی، مولانا محمد عبداللہ ویرووالوی

طب کا امتحان طبیہ کالج فیصل آباد سے پاس کیا۔ اور فاضل الطب والجراحت کی سند امتیازی نمبروں میں حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد کچھ مدت جامعہ رحمانیہ سولجر بازار کراچی میں تدریس فرمائی اور جامعہ رحمانیہ کی مسجد میں خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ والدین کے اصرار پر کراچی کو خیر باد کہا اور پنجاب واپس آ گئے۔ مختلف اوقات میں کامونکے فیصل آباد اور گوجرانوالہ میں خطیب رہے۔

مولانا عبدالرحمٰن بلند پایہ خطیب، مقرر اور مبلغ تھے۔ اخلاق حمیدہ اور اوصاف ستودہ کے پیکر تھے۔ بڑے ملنسار اور بااخلاق تھے۔ ذریعہ معاش طب تھا۔ آپ بڑے ماہر طبیب تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ میں شفا رکھی تھی۔ تصنیف میں آپ کی کتاب "خطبات

راسخ'' ہے۔

مارچ ۱۹۹۲ء میں جگر کے مرض میں مبتلا ہوئے۔ آخر میں آپ نے ۳۰ رمئی ۱۹۹۲ء کو ۴۲ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

عبدالستار حامد

مولانا حافظ عبدالستار حامد بن حاجی نیک محمد ۱۸ رفروری ۱۹۶۰ء منڈی ڈھاباں ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔

دینی تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں داخل ہوئے اور علوم اسلامیہ کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔

آپ نے جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ان کے نام یہ ہیں:

- مولانا حافظ محمد یحییٰ بھوجیانی ؒ
- مولانا محمد اعظم صاحب
- مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی

قرأت اور تجوید کی تعلیم قاری احمد الدین لاہوری اور قاری محمد صابر چنیوٹی سے حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۵ء ''جامعہ الاثریہ'' جہلم میں حدیث کے استاذ رہے اور جمعہ کا خطبہ مسجد اہلحدیث توحیدیہ محلہ کڑھ مائی وزیرآباد میں ارشاد فرماتے رہے۔

۱۹۸۵ء میں حافظ صاحب مستقل طور پر وزیرآباد تشریف لے آئے۔ یہاں آپ نے ایک دینی مدرسہ بنام ''جامعہ توحیدیہ اہلحدیث'' قائم کیا۔ جس میں حفظ اور درس نظامی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جو بحمد اللہ آج تک قائم ہے۔ اور توحید و سنت کی اشاعت میں سرگرم عمل ہے۔

حافظ صاحب مولانا ظفر علی خاں کالج وزیر آباد میں اسلامیات کے پروفیسر ہیں اور اس کے ساتھ مسجد توحیدیہ اہلحدیث خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے ہیں۔

اخلاق حمیدہ کے پیکر، متواضع، ملنسار، خوش اخلاق، حلیم الطبع، شریف النفس، مطالعہ کے بہت شوقین، امانت و دیانت میں اعلیٰ، فہم و فراست اور اصابت رائے میں پختہ ہیں۔

مہمان نواز بھی ہیں۔ جب بھی ملتے ہیں خندہ پیشانی اور محبت سے ملتے ہیں۔ بہت اچھے خطیب اور مقرر ہیں۔

علاوہ ازیں آپ نے "جامعہ اسلامیہ اہلحدیث" کے نام سے ایک دار العلوم بنانے کا پروگرام بنایا ہے۔ اس کے لیے ۱۶ کنال زمین خرید لی گئی ہے۔ تعمیر کا کام شروع ہے۔ اور اس کے ساتھ جامع مسجد اہلحدیث توحیدیہ کی توسیع کے لیے بھی سرگرم عمل ہیں۔ اس کے لیے مسجد سے ملحقہ مکان خرید لیا ہے۔

مولانا حافظ عبدالستار حامد صاحب جہاں ایک بلند پایہ خطیب اور مقرر ہیں، وہاں آپ عمدہ مصنف بھی ہیں۔ آپ نے قرآن مجید کی سورتوں کی تفسیر بطور خطبات لکھنی شروع کی ہے۔ اس وقت آپ کی مندرجہ ذیل کتابیں چھپ چکی ہیں:

① خطبات سورۂ فاتحہ
② خطبات سورۂ یوسف
③ خطبات سورۂ کہف
④ خطبات سورۂ مریم
⑤ خطبات سورۂ نور
⑥ خطبات سورۂ یٰسٓ
⑦ خطبات سورۃ التکاثر
⑧ انوار رمضان
⑨ فضائل و مسائل قربانی
⑩ خطبات سیرت مصطفیٰ ﷺ

جماعت اہلحدیث کو منظم اور فعال بنانے میں ان کی خدمات قدر کے قابل ہیں۔ جمعیۃ اہلحدیث پاکستان کی مجلس شوریٰ کے رکن اور جمعیۃ اہلحدیث گوجرانوالہ کے ناظم اعلیٰ ہیں اور جمعیۃ اہلحدیث پنجاب کے نائب ناظم بھی ہیں۔

محمد سلیمان اثری

مولانا محمد سلیمان اثری بن حاجی نیک محمد مرحوم ۱۹۶۶ء میں منڈی ڈھاباں ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ مولانا حافظ عبدالستار حامد صاحب سے ۶ سال چھوٹے ہیں۔ عصری تعلیم میں ایم۔ اے۔ ایم۔ ایڈ ہیں۔

دینی تعلیم جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ اور جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا عبدالحمید اور مولانا حافظ عبدالمنان نورپوری شامل ہیں۔ تعلیم سے فراغت کے بعد فاروق آباد میں جامع مسجد مبارک اہلحدیث کے خطیب مقرر ہوئے اور وہاں تدریس بھی فرماتے رہے۔

مولانا محمد سلیمان اثری اچھے خطیب اور مقرر ہیں۔ ان کا دینی علم مستحضر ہے، مسائل سے اچھی واقفیت ہے۔ تبلیغ اسلام کا بہت زیادہ جذبہ رکھتے ہیں۔ تصنیف میں ان کا ایک رسالہ ''اسلام میں وضو کا تصور'' ہے جو مطبوع ہے۔

عبدالمنان راسخ

عبدالمنان راسخ بن مولانا حکیم عبدالرحمٰن راسخ مرحوم و مغفور ۱۹۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں حاصل کی۔ بعد ازاں دارالحدیث منڈی صادق آباد اور جامعہ اثریہ جہلم میں علوم اسلامیہ کی تحصیل کی۔ ان کے اساتذہ کرام یہ ہیں:

- مولانا ثناء اللہ زاہدی
- مولانا مظفر احمد شیر اثری

مولانا قمر الزمان

آج کل حافظ آباد کے ایک دینی مدرسہ سے وابستہ ہیں اور خطبہ جمعہ جامع مسجد اہلحدیث ماڈل ٹاؤن فیصل آباد میں ارشاد فرماتے ہیں

بڑے صالح اور نیک سیرت انسان ہیں۔ اور خطابت میں اپنے والد مرحوم کا عکس ہیں۔

عبدالرحمٰن سلفی

مولوی عبدالرحمٰن سلفی بن محمد اسمٰعیل ۱۹۵۶ء میں مرالی والا ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ جب آپ نے ہوش سنبھالا تو آپ کے والد محمد اسمٰعیل مرالی والا سے فاروق آباد منتقل ہو گئے۔

مولوی عبدالرحمٰن سلفی نے تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے کیا اور ناظرہ قرآن مجید قاری مختار احمد سے پڑھا۔ اس کے بعد آپ تعلیم دینیہ کے حصول کے لیے جامعہ رحمانیہ فاروق آباد میں داخل ہوئے اور مولانا محمد داؤد انور سے جملہ علوم اسلامیہ میں تحصیل کی۔ بعد ازاں آپ فاروق آباد کے دوسرے مدرسہ دارالعلوم رحمانیہ چلے گئے۔ وہاں آپ نے مولانا محمد یحییٰ خلیق اور مولانا عبدالرزاق سعیدی سے اکتساب فیض کیا۔ اس مدرسہ میں تحصیل علم کے بعد مولوی عبدالرحمٰن سلفی جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ چلے آئے۔ اور یہاں آپ نے قاری محمد یحییٰ بھوجیانی، مولانا محمد الیاس اثری اور مولانا محمد اعظم سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ جامعہ اسلامیہ میں تکمیل تعلیم کے بعد آپ جامعہ محمدیہ اوکاڑہ چلے گئے۔ وہاں آپ نے مولانا عبداللہ سعیدی، مولانا محمد عیسیٰ اور مولانا عبدالرحمٰن گوہڑوی سے اکتساب فیض کیا۔

تکمیل تعلیم کے بعد موضع کریال، ڈیرہ ملا سنگھ میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بعد میں گوہد پور سیالکوٹ میں ایک دینی مدرسہ میں تدریس فرماتے رہے۔

۱۹۷۸ء میں جامع مسجد اہلحدیث ککے زئیاں سوہدرہ میں مدرسہ مصباح القرآن میں تدریس پر مامور ہوئے اور ۱۹۸۸ء تک سوہدرہ میں قرآن مجید ناظرہ اور ترجمہ پڑھاتے رہے۔ ۱۹۸۸ء میں ڈسکہ چلے گئے اور ۱۹۹۱ء تک ڈسکہ میں ایک مسجد کے خطیب رہے۔ ۱۹۹۲ء کے شروع میں دوبارہ سوہدرہ تشریف لے آئے اور اب تک سوہدرہ میں خطابت، امامت اور تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

مولوی عبدالرحمٰن سلفی بڑے فعال اور سرگرم عالم دین ہیں۔ وعظ و تبلیغ اور دعوت وارشاد کا بڑا جذبہ رکھتے ہیں اور بڑے مستعد ہیں۔

دینی مسائل سے اچھی واقفیت ہے۔ جمعیۃ اہلحدیث پاکستان سے وابستہ ہیں۔ جمعیۃ اہلحدیث سوہدرہ کے امیر اور جمعیۃ اہلحدیث تحصیل وزیرآباد کے نائب ناظم ہیں۔

محمد اسحاق سلفی

مولوی محمد اسحاق سلفی بن محمد اسمٰعیل ۱۹۶۲ء میں مرالی والا میں پیدا ہوئے۔ مولوی عبدالرحمٰن سلفی کے چھوٹے بھائی ہیں۔

دینی تعلیم جامعہ رحمانیہ فاروق آباد میں قاری محمد ایوب اور مولانا محمد داؤد انور سے حاصل کی۔

فراغت تعلیم کے بعد جامع مسجد اہلحدیث غربی سوہدرہ میں خطیب و مدرس مقرر ہوئے۔ سوہدرہ میں آپ کے قیام کی مدت تقریباً ایک سال ہے۔ اس کے بعد آپ ڈسکہ چلے گئے۔ وہاں آپ جامع مسجد اہلحدیث فاروقیہ میں بچوں کو ناظرہ قرآن مجید پڑھانے پر مامور ہوئے اور اس کے ساتھ امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

ڈسکہ میں آپ تقریباً ۲ سال رہے۔ اس کے بعد مسجد اہلحدیث محلہ گھٹیکاں سیالکوٹ

چلے گئے۔ وہاں بھی آپ بچوں کو ناظرہ قرآن مجید پڑھانے پر مامور ہوئے۔ اور ساتھ امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ ۱۹۹۲ء میں مولوی محمد اسحاق سلفی لاہور (فتح گڑھ) چلے گئے اور اب تک وہاں جامع مسجد اہلحدیث میں خطابت، امامت اور تدریس فرماتے ہیں۔

مولوی محمد اسحاق سلفی بڑے شریف النفس، حلیم الطبع انسان ہیں۔ نماز بڑے خشوع و خضوع سے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ مسائل سے بھی اچھی واقفیت ہے۔

کتابیات

اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ — ڈاکٹر مظہر بقا
اتحاف النبلاء — نواب صدیق حسن خاں
اسکیچس آف شاہ اسمٰعیل شہید — عبداللہ بٹ
اُردو دائرۃ المعارف اسلامیہ — پنجاب یونیورسٹی لاہور
الحیاۃ بعد المماۃ — فضل حسین بہاری
ابجد العلوم — نواب صدیق حسن خاں
ارسالی الیدین بعد الرکوع — حافظ عبداللہ روپڑی
اتحاف النبیہ یحتاج الیہ المحدث والفقیہ — عطاء اللہ حنیف
الامر المبرم — ابوالقاسم سیف بنارسی
اہلحدیث اور سیاست — نذیر احمد دہلوی رحمانی
بلوغ المرام (مترجم) — عبدالتواب ملتانی
بزم ارجمنداں — محمد اسحاق بھٹی
بہادر شاہ ظفر اور اس کا عہد — رئیس احمد جعفری
پنجاب کا عظیم مصلح — معین الدین لکھوی
تراجم علمائے حدیث ہند — ابویحیٰ امام خاں نوشہروی
تاریخ دعوت وعزیمت ج ۵ — ابوالحسن علی ندوی
التعلیق الممجد — عبدالحی لکھنوی
تاریخ اہلحدیث — محمد ابراہیم میر سیالکوٹی
تذکرہ شاہ ولی اللہ دہلوی — مناظر احسن گیلانی

تذکرۂ شہید	محمد خالد سیف
تذکرۂ علمائے اہلحدیث	محمد یوسف سجاد
تذکرہ علمائے ہند	رحمان علی بریلوی
تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں	قاضی محمد اسلم سیف
تذکرہ بزرگان علوی سوہدرہ	عبدالرشید عراقی
تقصاد جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار	نواب صدیق حسن خاں
تذکرہ علمائے بھوجیاں	عبدالعظیم انصاری
تذکرہ	ابوالکلام آزاد
تذکرہ علمائے حال	محمد ادریس نگرامی
تاریخی مقالات	خلیق احمد نظامی
تذکرۃ المحدثین	ضیاء الدین اصلاحی
تذکار حافظ عبدالغفور جہلمی	قاضی محمد اسلم سیف
الجزء اللطیف	شاہ ولی اللہ دہلوی
جلاء العینین	شاہ ولی اللہ دہلوی
جماعت مجاہدین	غلام رسول مہر
جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات	محمد مستقیم سلفی
حیات ولی	رحیم بخش دہلوی
حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ دہلوی
حیات شبلی	سید سلیمان ندوی
حیات وحیدالزمان	محمد عبدالحلیم چشتی
حیات عبدالحی	ابوالحسن علی ندوی
خاتمہ اختلاف	عبدالجبار کھنڈیلوی

کتاب	مصنف
دلی اور اصحاب دہلی	بشیر احمد دہلوی
داؤد غزنوی	سید ابوبکر غزنوی
ازالتہ الخفاء عن خلافت الخلفاء	شاہ ولی اللہ دہلوی
رود کوثر	شیخ محمد اکرام
سیرت ثنائی	عبدالمجید سوہدروی
سوانح مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی	پروفیسر محمد مبارک
سرگزشت مجاہدین	غلام رسول مہر
سوانح مولوی عبداللہ غزنوی	عبدالجبار غزنوی
سر دلبراں	عزیز الرحمٰن یزدانی
شاہ عبدالعزیز اوران کی علمی خدمات	ڈاکٹر ثریا ڈار
شاہ ولی اللہ اوران کا خاندان	محمود احمد برکاتی
شاہ اسمٰعیل شہید	عبداللہ بٹ
شیخ عبداللہ غزنوی	بدر الزمان محمد شفیع
شرح اسماء اللہ الحسنٰی	قاضی محمد سلیمان
عظمت حدیث	عبدالغفار حسن
غایة المقصود لحل سنن ابی داؤد	شمس الحق عظیم آبادی
الفیوض المحمدیه	محمد ابراہیم خلیل فیروز پوری
فتاویٰ اہلحدیث	حافظ عبداللہ روپڑی
القول الجمیل	شاہ ولی اللہ دہلوی
قصوری خاندان	محمد اسحاق بھٹی
گل رعنا	سید عبدالحی حسنی
مقدمہ فتح الرحمان	شاہ ولی اللہ دہلوی

ملفوظات عزیزی	شاہ عبدالعزیز دہلوی
مقالات سلیمان	سید سلیمان ندوی
میاں فضل حق اور ان کی خدمات	محمد اسحاق بھٹی
مولانا شمس الحق عظیم آبادی (حیات وخدمات)	محمد عزیر سلفی
مشاہدات کابل و یاغستان	محمد علی قصوری
مقدمہ تحفۃ الاحوذی	عبدالرحمٰن مبارکپوری
موج کوثر	شیخ محمد اکرام
مختصر سیرت رسول ﷺ	محمد اسحاق حسینوی
نزهة الخواطر	سید عبدالحی حسنی
نقوش عظمت رفتہ	محمد اسحاق بھٹی
نذیر احمد دہلوی احوال وآثار	ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی
وصیت نامہ	شاہ ولی اللہ دہلوی
ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات	ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی
ہند وپاک میں عربی ادب	اقبال احمد عمری
یاد رفتگان	سید سلیمان ندوی
یادگار گوہری	محمد زبیر ڈیانوی
الیانع الجنی	محمد محسن ترہتی
تذکرة الابرار	پروفیسر ڈاکٹر عبدالغفور راشد

رسائل

① الاعتصام لاہور:

۹/دسمبر ۱۹۴۹ء
۲۰/جنوری ۱۹۵۶ء
۹/مارچ ۱۹۵۶ء
۸/مارچ ۱۹۵۷ء
۲۴/اگست ۱۹۶۲ء
۱۲/اپریل ۱۹۷۴ء

② اہلحدیث امرتسر:

۱۱/اپریل ۱۹۱۹ء
۱۸/اپریل ۱۹۲۱ء
۹/جنوری ۱۹۲۳ء

③ اہلحدیث لاہور:

خدمات اہلحدیث نمبر ۱۰/اکتوبر ۱۹۹۷ء

④ تنظیم اہلحدیث لاہور:

۱۹/اکتوبر ۱۹۵۹ء

⑤ محدث لاہور:

جنوری ۱۹۹۴ء

⑥ الفرقان لکھنو:

فروری مارچ ۱۹۷۷ء

۷ نقوش لاہور:

مکاتیب نمبر

۸ مطلع الفجر لاہور:

کیلانی نمبر

تمت بالخیر